ماہنامہ
خوفناک ڈائجسٹ
PDFBOOKSFREE.PK
فروری 2015 خوفناک سایہ نمبر
دلوں کو لرزا دینے والی
خوفناک اور سنسنی خیز کہانیاں
RS:70
www.pdfbooksfree.pk

حیرت انگیز ہیبت ناک خوفناک کہانیوں کا ماہنامہ

ماہنامہ خوفناک ڈائجسٹ لاہور

خوفناک سایہ نمبر

آفس منیجر۔ ریاض احمد
فون۔ 0341.4178875
سرکولیشن منیجر۔ جمال الدین
فون۔ 0333.4302601

جلد نمبر 18۔ شمارہ نمبر 9
ماہ فروری 2015
قیمت۔ 70 روپے

ماہنامہ خوفناک ڈائجسٹ
پوسٹ بکس نمبر 3202 غالب مارکیٹ گلبرگ III لاہور

خوفناک ڈائجسٹ فروری 2015 کے شمارے خوفناک سایہ نمبر کی جھلکیاں
خوفناک سایہ
افرا ناز آزاد کشمیر
عذاب قرض
طاہر حالق لاہور
6
خونی صحرا
ندیم عباس میواتی
مصور
عابد سعید بہاولپور
14
آسیبی بلی
امتیاز احمد کراچی
موتی مالا
شاہ نواز احمد شانی
کوئی چاند رکھ میری شام پر
خواجہ عاصم سرگودھا
خوفناک حقیقت
سید صفدر رضا
اسلامی صفحہ
شیطان کی بیٹی
عثمان غنی پشاور
خوفناک سایہ نمبر
فروری 2015
98

اور میں بچ گیا
عمران عباس بھکر

خوفناک واقعات

خوف
ظہیر عباس اے ڈی

جلد نمبر ۱۸
شمارہ نمبر ۹

بے گناہ
غلام نبی ساغر کراچی

مجھے یہ شعر پسند ہے

سونے کی مورتی
علی نصیب سرگودھا

اسلامی صفحہ

آپ کے خطوط

قیمت ۔ 70 روپے

اسلامی صفحہ

خوفناک سانپ

حضرت سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیہ اسلام۔کا ایک شخص پر گزر ہوا جو بڑے خوفناک سانپ کا شکار کرنے کی کوشش کر رہا تھا اس نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ اس سے فرما دیجئے کہ مجھ میں بڑا قاتل زہر ہے آپ علیہ سلام نے اس کو منع کیا مگر وہ نہ مانا پھر دو بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جگہ سے گزر ہوا اس وقت آپ علیہ اسلام نے فرمایا اے شخص کیا تو نے سانپ کو پکڑ لیا یہ فرما کر یوں ہی سانپ کی طرف نظر کی اس نے مارے شرم کے اپنا سر اپنی دم کے نیچے چھپا لیا اور کہنے لگا اے روح اللہ علیہ السلام۔یہ مجھ پر اپنی قوت سے غالب نہیں آیا بلکہ۔
بسم اللہ الرحمن الرحیم۔کی بدولت غالب ہوا ہے۔بسم اللہ نے میرا زہر باطل کر دیا۔ہے دیکھئے بسم اللہ کی کتنی فضیلت ہے جب ایک قاتل زہر سانپ پکڑا جا سکتا ہے تو پھر ہم بسم اللہ سے شیطان کو دور کیوں نہیں کرتے قارئین کرام میری آپ سے التجا ہے کہ خدا کے لیے اپنا ہر کام بسم اللہ سے شروع کیا کریں اور الحمد اللہ پہ ختم کیا کریں آپ تمام پڑھنے والوں سے گزارش ہے خدا کے لیے ایک دفعہ سچے دل سے بسم اللہ کا ورد کر کے تو دیکھو آپ لوگوں کے تمام کام اللہ کے حکم سے آپ کی مرضی کے نہ ہوں تو میں دعویٰ کرتی ہوں کہ آپ نے اپنی مرضی کو دل میں جگہ دی اللہ تعالیٰ کو نہیں سارے پڑھو۔بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

عافیہ گوندل۔جہلم

حدیث شریف

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم بدگمانی سے بچو اس لیے کہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے اور کسی کے عیوب کی جستجو کرو اور نہ حسد کرو اور غیبت کرو اور نہ بغض رکھو اللہ کے بندے بن کر رہو۔

(۲) ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بندے کا اپنے گناہ کا ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اعتراف کرنا اور اس پر توبہ کرا اور پھر سچی توبہ کرنا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

(۳) ایک اور روایت میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے بندے کی میزان میں قیامت کے روز اخلاق حسنہ سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ فحش بکنے والوں اور بے ہودہ باتیں کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

ضیاقت علی شہر کوٹلی

اچھی باتیں

عزت اور رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔۲۔جب غصہ تجھ پر غلبہ پائے تو خاموشی اختیار کیا کرو۳۔عالم وہی ہے جس کا اپنے علم پر عمل ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رائے اطہر مسعود آکاش۔

عالمگیر ہسپتال

شہزادہ عالمگیر صاحب کی دیرینہ خواہش کی تکمیل پوری ہونے جا رہی ہے

قارئین کرام آپ حضرات کے تعاون سے ہم عالمگیر ہسپتال کا سنگ بنیاد رکھنا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ شہزادہ عالمگیر صاحب کے خوابوں کو پورا کیا جائے۔ یہ فیصلہ ہم نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے امید ہے کہ آپ قارئین ہمارے اس فیصلہ کو ویلکم کہیں گے اور اپنے تعاون سے نوازیں گے اس ہسپتال کی تعمیر کے لیے ہمیں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپوں کی ضرورت ہے آپ کے تعاون سے ہم اس ہسپتال کی بنیاد میں انشاء اللہ کامیاب ہو جائیں گے۔ آپ سے جو بھی ہو سکتا ہے اس ہسپتال کی تعمیر میں ہماری مالی مدد کریں آپ کی مدد سے ہی ہم اس کام کو سرانجام دے سکتے ہیں۔ آپ کا ایک ایک روپیہ اس ہسپتال کی تعمیر کے لیے ہمارے لیے بہت اہم ہوگا۔ بہت جلد ہم اس کا سنگ بنیاد رکھنا چاہتے ہیں آپ حضرات سے مالی تعاون کی پرزور اپیل کرتے ہیں امید ہے کہ آپ اس نیک مقصد کو پورا کرنے میں ہمارا بھرپور ساتھ دیں گے۔ چاہے سو روپے ہی سہی آپ ہمارے اس اکاؤنٹ میں ڈال سکتے ہیں۔ آپ کے ایک ایک روپے کی حفاظت کی جائے گی اس ہسپتال میں نہ صرف غریبوں کا فری علاج کیا جائے گا بلکہ ان کے لیے کھانے کا بھی بندوبست کیا جائیگا۔ یہ ہسپتال آپ کا ہسپتال ہوگا۔ آپ کے تعاون سے بننے والے اس ہسپتال کا کام جلد شروع کر دیا جائے گا۔ تمام قارئین کرام اپنی رقم اس اکاؤنٹ میں جمع کروا کر ہمیں شکریہ کا موقع دیں اور دعا کریں کہ ہم اس نیک کام میں جلد کامیاب ہو جائیں۔

شہزادہ التمش

اکاؤنٹ 01957900347001 حبیب بنک کمرشل ایریا کیولری گراؤنڈ لاہور

خوفناک سایہ

۔۔۔تحریر:افراء ناز آزاد کشمیر۔

دیا خواب میں اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی مگر وہ کہاں سن رہا تھا وہ روتی رہی اور وہ آگے بڑھتا رہا پلیز ساحل پلیز ساحل خدا کے واسطے مجھے ساتھ لے چلو اے اللہ میری مدد فرما پھر اچانک دیا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ساحل کے روم کی طرف بھاگی مگر یہ کیا ہوا وہاں ساحل تھا وہی خوبصورت آنکھیں مگر وہ ساحل نہیں تھا وہ تو ایک بے جان جسم تھا جس کے گلے کو کاٹ دیا گیا تھا اور خون ندی کی طرح بہہ رہا تھا آخری بار وہ یہی۔ بولی تھی اے میرے اللہ اس کے بعد وہ بے ہوش ہوگئی تھی۔ جب اسے ہوش آیا تو ہر طرف ایک ہی شور تھا یہ کسی انسان کا کام نہیں ہوسکتا اتنی بے دردی سے کسی کو مار دینا یہ ممکن ہی نہیں پھر وہ پاگلوں کی طرح اس کے کمرے کی طرف دوڑی تھی ساحل پلیز لوٹ آؤ تم جیسا مجھے بنانا چاہتے تھے میں ویسی بنجاؤں گی پلیز خدا کے لیے واپس آجاؤ وہ پاگلوں کی طرح اس کے کمرے کے چکر لگانے لگی روحی بیگم اور روحان کا بھی یہی حال تھا روتے ہوئے دیا کی نظر ایک ڈائری پر پڑی اور اس نے وہ اٹھا کر پڑھنا شروع کردی۔ جوں جوں وہ ڈائری پڑھتی گئی اس کے درد اور چیخوں میں اضافہ ہوگیا ساحل احمد یہ کیا کیا تم نے میرے حصہ کے سارے درد خود سمیٹ کر لے گئے میری خاطر جان گنوادی مرنا تو مجھے چاہیے تھا جس سے خدا کو بھی نفرت ہے تم تو اس کے پیارے تھے یہ کیا کیا جو تین دن میں نے خوشی میں گزارے وہ تین دن کربناک میں اور راتیں عبادت میں گزاری تم نے تم خدا آشنا تھے اور میں نا آشنا تم جاتے جاتے مجھے بھی خدا آشنا کر گئے واہ ساحل احمد تم واقعی محبت کے قابل تھے اس لیے خدا کو بھی تم سے پیار تھا اگر جانا ہی تھا تو مجھے بھی کوئی راستہ دکھا جاتے میں کیا کروں میں کیسے جیوں اب تو اللہ بھی مجھے ھتکار دے گا اب تو مجھے کہیں پناہ نہیں ملے گی اوہ میرے خدا میں کیا کروں اور جب وہ ڈائری بند کرنے لگی تو ڈائری کے آخری صفحے پر ایک تحریر تھی دیا تم بہت اچھی ہو خدا تمہارے دل میں موجود ہے بس اسے تھوڑا سا تلاش کرو تم نے بہادر بننا ہے ازیلہ جادوگرنی کا مقابلہ کر کے اسے ختم کرنا ہے پلیز میری روح کو سکون مل جائے گا۔ کہ میں نے دنیا میں سے ایک برائی کا خاتمہ تو کیا تمہارے لبوں سے اللہ نکلے گا تو میری جان نکل جائے گی لیکن جب تمہارے دل میں اللہ کی محبت بھر جائے گی تو ازیلہ مر جائے گی یاد رکھنا جب دل سے اللہ سے توبہ نہیں کروں گی ازیلہ کا خاتمہ نہیں ہوگا۔ اور ازیلہ زندہ رہی تو اس زمین پر بہت ساری دنیا کو اللہ سے نفرت ہو جائے گی وہ اللہ سے دور ہو جائیں گی میں نے تمہارے مقصد کو پورا کرنا ہے۔ ایک دلچسپ اور سنسنی خیز کہانی۔

تم لوگ آج پھر یہی بیٹھے ہو ٹائم دیکھا ہے رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔۔ ساحل آج پھر نماز پڑھ کر باہر نکلا تو روحان اور دیا موودی دیکھنے میں مصروف تھے۔

پلیز بھائی کبھی کبھی تو جان چھوڑ دیا کرو ہم نے کبھی روکا ہے آپ کو نماز پڑھنے سے پھر آپ ہمیں مووی دیکھنے سے کیوں منع کرتے ہو۔ ہمیشہ کی طرح دیا نے جواب دیا اور غصہ سے ریموٹ پھینک کر چلی گئی۔

روحان اور ساحل بھائی تھے مگر دیا انکی خالہ زاد تھی خالہ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد دیا کو ساحل کی ماں یعنی روحی بیگم کو پالنا پڑا اور اس طرح وہ روحان اور ساحل کی بہن بن گئی۔ روحان اور دیا کی بچپن سے ہی خوب بنتی تھی جبکہ ساحل تھوڑے الگ مزاج کا تھا یہ نہیں کہ بدمزاج تھا مگر پھر بھی اس میں کچھ الگ تھا دیا اور روحان کی نسبت اب یہ روحان اور ساحل بچوں سے جوان ہو گئے تھے اور دیا بھی اٹھارہ سال کی ہو گئی تھی وہ دیکھنے میں اتنی خوبصورت نہیں تھی ہاں مگر اتنی پرکشش ضرور تھی جو ایک بار دیکھتا وہ پھر دیکھنے کی خواہش کرتا ساحل شہر میں ایک اچھی نوکری کر رہا تھا تب روحی بیگم نے زور ڈالا کہ روحان اور دیا بھی بی اے کی ڈگری شہر کے کسی اچھے کالج سے لیں گے اور یوں روحان اور دیا شہر آ گئے اور ساحل کے ساتھ ہی رہنے لگے۔ وہ رات دیر تک مووی دیکھتے تھے اور اس بات سے ساحل کو چڑ تھی ہمیشہ کی طرح آج پھر جھڑپ ہوئی تھی اور دیا ناراض ہو کر روم میں چلی گئی تھی ساحل اسے منانے کا سوچ رہا تھا کہ اس کا فون بول پڑا جہاں اسکرین پر روحی بیگم کا نمبر جگمگا رہا تھا ساحل فون کان سے لگا کر بات کرنے میں مصروف ہو گیا وہ بات کر رہا تھا تبھی لائٹ چلی گئی۔

اونو۔ وہ تقریبا غصہ سے چلایا۔

کیا ہوا بیٹا۔ ماں کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولیں۔

کچھ نہیں ماں لائٹ چلی گئی چلیں چھوڑیں آپ سنائیں گاؤں کیسا ہے۔

بات کرنے کے بعد ساحل نے فون آف کر دیا۔ اور لان میں ٹہلنے لگا ہر طرف ہو کا سا عالم تھا بادلوں نے چاند کو گھیر رکھا تھا دور کہیں گیڈروں کے بولنے کی آواز سنائی دے رہی تھی ایک دم کھٹکا سا ہوا تھا وہ پلٹا تو اسے ایک سایہ سا دکھائی دیا اور پھر کہیں گم ہو گیا جیسے چاند بادلوں میں کھو سا گیا تھا وہ کیا تھا کون تھا وہ شاید میرا وہم نہیں میرا وہم نہیں ہو سکتا ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ روحان نے اس کے پاس آ کر کہا۔

سوری بھائی آئندہ ایسا نہیں ہو گا پلیز اندر چلو باہر بہت ٹھنڈ ہے۔

او کے چلو مگر آئندہ شکایت کا موقع نہ ملے

وہ دونوں اندر آ گئے تھے روحان اپنے روم میں چلا گیا اور ساحل اپنے روم کی طرف بڑھا وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہی ہوا تھا کہ اسے لگا کوئی اس کے روم سے نکل کر باہر آیا ہو ایسا کیسے ہو سکتا ہے باہر بھی اور اب اندر بھی شاید مجھ پر نیند کا غلبہ ہے مجھے سو جانا چاہیے اور پھر وہ آیت الکرسی پڑھ کر سو گیا فجر کی آزان کے وقت اس کی آنکھ کھلی وہ نماز پڑھنے کی تیاری کر رہا تھا جب باہر سے ٹی وی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ غضب خدا کا اس دیا نے آج فجر کے وقت ہی ٹی وی آن کر دیا ہے آج نہیں چھوڑوں گا۔ لیکن جونہی وہ باہر آیا کوئی ٹی وی نہیں چل رہا تھا ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی یہ کیا ہو گیا ہے مجھے میری سماعتوں کو کیا ہو گیا ہے یہ کیسے توہمات ہیں اے رب جو حقیقت کے اتنے قریب ہیں وہ پھر سے روم کی طرف پلٹا مگر یہ کیا میری جائے نماز کہاں گئی۔ ادھر تو رکھی تھی کہاں گئی۔

دیا روحان کہاں ہو تم لوگ۔

کک۔ کیا ہوا بھائی۔

یار میری جائے نماز نہیں مل رہی جاؤ دیا سے
پوچھو اس نے تو کہیں نہیں رکھی۔
ابھی پوچھتا ہوں میں دیا سے۔ دیا ۔۔دیا
۔دیا دروازہ کھولو یار۔
مگر دیا تو گھوڑے بیچ کر سوئی ہوئی تھی شاید
کوئی جواب نہ آیا تو روحان نے ہلکا سا دروازے کو
پش کیا مگر یہ یا دروازہ تو کھلتا گیا مگر دیا کمرے میں
نہیں تھی۔
دیا دیا کہاں ہو بس کر تنگ کرنا اور باہر آؤ
مولانا کی جائے نماز گم ہوگئی ہے
مگر دیا تو بولتی ناں۔ دیا دیا یہ کیا دیا کہاں گئی
بھائی۔ بھائی جلدی آؤ دیا یہاں نہیں ہے۔
کیا بکواس کررہے ہو ڈھونڈو اسے کہاں گئی
سارا گھر چھان مارا۔
وہ یہاں نہیں ہے بھائی۔
ساحل کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔ رات کو کسی
کا اس کے روم سے نکلنا پھر ٹی وی کا چلنا اور اب دیا
اوہ مائی گاڈ۔ ساحل یہی سوچ رہا تھا جب ان
دونوں کو قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں۔
یہ۔۔یہ کیسی آواز ہے۔ چلو دیکھتے ہیں
لیکن باہر کا منظر دل دہلا دینے والا تھا۔ سرو کا
ایک درخت چل رہا تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا
جیسے خون بہہ۔ یا ہو روحان ساحل کو بہت روکتا ہے
بھائی درخت کے پاس نہ جاؤ مگر وہ ایک نہیں سنتا
اور جیسے ہی وہ درخت کو چھوتا ہے وہ بھی آگ کی زد
میں آجاتا ہے۔
نہ ۔۔نا۔ نہیں بھائی کوئی ہے میرا بھائی
روحان کی آواز سن کر دیا بھی آگئی مگر وہاں ساحل
نہیں لکڑی کی طرح جلتا مجسمہ۔۔
ساحل ۔۔ساحل پلیز روحان میرے ساحل
کو ایسا نہیں ہوسکتا
نہیں دیا کیا ہوگیا ہے تم ٹھیک تو ہونا
وہ وہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ کو
آپکو۔ وہ کانپتی آواز میں بولی۔
کیا ہوگیا ہے دیا دیکھو میں تمہارے سامنے
ہوں بالکل ٹھیک ہوں۔
دیا نے اپنا سر اس کے سینے پر رکھ
دیا۔ اور رونے لگی تھی اور جذبات کی رو میں وہ
سب کچھ کہہ گئی جو اسے کبھی نہ کہہ سکی۔
پلیز مجھے چھوڑ کر کبھی نہ جانا ساحل میں آپ
کے بغیر نہیں جی سکتی مجھے آپ کی عادت ہوگئی ہے۔
اچھا جی۔ اور وہ جو ہر وقت مولانا کہتی ہو اس
کا کیا ہوگا۔ ساحل کو شرارت سوجھی۔
وہ تو میں بس ایسے ہی کہہ دیتی ہوں
اور جو ساحل کے ساتھ زور دے کر بھائی کہتی
ہو۔ وہ زیر لب مسکرایا۔
وہ مجھے نہیں پتہ۔ آپ جائیں۔
خود تو کہہ رہی تھی مجھے چھوڑ کر نہ جانا اور اب
تم لڑکیوں کا بھی کوئی دین ایمان نہیں ہے۔

دیا ایک جذباتی لڑکی تھی اسلام سے اسے کچھ
خاص لگاؤ نہ تھا اور نماز تو اس نے زندگی میں کبھی نہ
پڑی تھی وہ اپنے رب سے اس قدر دور ہوگئی تھی کہ
اب وہ اپنے رب سے کچھ نہ مانگتی تھی اسے لگتا تھا
کہ اس نے جو بھی پایا ہے اپنی محنت اور کوشش سے پا
یا اس میں رب کا کوئی عمل دخل نہیں ہے اور یہی وہ
بات تھی جس نے شیطانیت کی دنیا کی شہزادی ازیلہ
جادوگرنیکو ساحل کو تنگ کرنے پر مجبور کردیا تھا
کیونکہ ساحل وہ انسان تھا جو ہر لمحے اپنے رب کو یاد
رکھتا تھا اور جہاں اللہ کا نام لیا جاتا وہاں ازیلہ کا
جادو کام نہیں کرتا تھا۔ دیا کو تو اس نے قابو کرلیا تھا
کیونکہ اس کے دل میں اللہ تھا ہی نہیں مگر اس کے
برعکس ساحل دیا کو سمجھاتا
دیکھو دیا نماز پڑھا کرو اللہ کو یاد کیا کرو دل کو

سکون سے گا۔

السلام وعلیکم۔

لو جی ہو گئے پھر سے شروع آپ میں جا رہی ہوں۔وہ بے زاری سے کھڑی ہوگئی۔

سنو تو کاش تم جان سکتی۔کاش دیا۔میری جان تمہارے ہاتھوں میں ہے دیا تمہارے ہاتھوں میں۔

ساحل آج رات جب کمرے میں گیا تو جب منظر تھا دیا کی لاش پنکھے سے لٹک رہی تھی دیا۔دیا۔پھر یکدم لاش غائب ہوگئی تھی۔

کون ہو تم آخر کون۔کیا چاہتی ہو تم مجھ سے۔۔پھر کیا تھا ساحل کو ایسا لگا جیسے آسمان پھٹنے لگا ہو اس کے کمرے کی ہر چیز درہم برہم ہوگئی تھی اسے لگا کہ زلزلہ آ گیا ہے پھر سارا طوفان تھمنے لگا اور تھوڑی دیر میں ایک خوبصورت دوشیزہ وارد ہوئی۔

میں ادیلہ جادونگری سے آئی ہوں اور تیری دیا کو لینے آئی ہوں۔

مگر کیوں۔کیا بگاڑا ہے اس نے تمہارا۔

ہاہاہا۔کیونکہ اس کے دل میں خدا نہیں ہے میں چاند کی چودھویں کو اسے لے جاؤں گی اور اس کے دل کو کھا کر ہمیشہ کے لیے امر ہو جاؤں گی اور تو میری راہ میں رکاوٹ ہے تو بار بار اسے اللہ یاد کراتا ہے مگر اب وہ میرے جال میں اس طرح پھنس چکی ہے کہ وہ اب بھی خدا کو یاد نہیں کرے گی اور تیرے لیے بہتر یہی ہے کہ تو اس کی جان چھوڑ دے۔ایک بات یاد رکھنا جس دن اسکے منہ سے لفظ خدا نکلا وہ بھی تیری وجہ سے اس دن تو مر جائے گا وہ دن تیری بھیانک موت کو دیکھے گا اب جا رہی ہوں چاند کی چودھویں کو آؤں گی یعنی چار دن بعد۔ہاہاہا۔

اور پھر وہ غائب ہوگئی ساحل کو تو پسینے چھوٹ رہے تھے اب کیا ہوگا میرے خدا میں کیا کروں مجھے کسی عامل کے پاس جانا چاہیے شاید وہ میری مدد کر دیں۔

واہ۔۔واہ مسٹر ساحل اب کہاں گیا تمہارا ایمان خدا پر یقین آج ہی آزمائش پڑی اور آج ہی عامل کے پاس جانے کی سوچ رہے ہو اس کے اندر کا شخص اسے ملامت کر رہا تھا کیا کہا تھا اس جادوگرنی نے جس دن دیا کے منہ سے اللہ نکلا اس دن میری جان نکل جائے گی لیکن اس جادوگرنی کی جان بھی تو کسی عمل میں ہوگی اور پھر اس نے اپنی عبادتوں میں شدت پیدا کر لی تھی اور ان چار دنوں میں اس نے دیا کے ساتھ بھرپور زندگی جینی تھی کیونکہ وہ اسے کھونے والا تھا۔

چاند کی چودھویں کو تین دن رہ گئے تھے اور آج وہ بہت خوشگوار موڈ میں تھا۔وہ ناشتہ کرنے کچن میں گیا تو وہ کچن میں تھی

ہائے دیا کیا کر رہی ہو

کچھ خاص نہیں بس تھوڑا سا کام تھا وہ کر رہی ہوں۔آپ ناشتہ کر لو۔

ناشتے کو چھوڑو آج ہم باہر چلتے ہیں گھومنے کے لیے۔ساحل نے کہا۔

آج سورج جنوب سے نکلا ہے یا شمال سے جو آپ گھومنے کی آفر کر رہے ہیں۔دیا مسکرائی۔

کیوں میں انسان نہیں ہوں یا میرے اندر دل نہیں۔ساحل نے اس کو جھانکا۔

ایسا تو نہیں بولا میں نے وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی۔اچھا میں روحان کو بتا آؤں کہ وہ بھی تیار ہو جائے۔

ارے رکو وہ نہیں جا رہا ہمارے ساتھ صرف میں اور تم اس بات پر دیا کی ہنسی چھوٹ گئی۔

میں اور تم نہیں۔ہم جا رہے ہیں مولانا۔

رکو تم دیا کی بچی پھر مولانا کہا تم نے۔

اچھا سوری ناں۔
افوہ چلیں بھی ساحل اسے پارک میں لے گیا تھا وہ آج اسے ہنساتا رہا اور پھر وہ واپس آ گئے دیا بہت خوش تھی ہواؤں میں اڑنے لگی تھی ہر سو بہار ہی بہار تھی اور اسے محسوس ہو رہا تھا کہ زندگی کے ہر رنگ پر صرف اسی کا حق ہے اس کے دل کے گہرے سمندر کو ساحل مل گیا تھا سب کچھ اس کی مرضی کا ہو رہا تھا میں نے ساحل کو پالیا ساحل میرا ہو گیا ہے اور یہی خواب سجاتے سجاتے وہ نیند کی وادی میں کھو گئی اسی گھر کے ایک کمرے میں ایک شخص اپنے رب کے آگے سجدہ ریز تھا اس کے آنسو موتیوں کی طرح بہہ رہے تھے اس کی ستاروں جیسی آنکھوں میں درد اور بے بسی تھی رات سجدوں میں گزر گئی اور سورج کی صبح کی امید لیے نمودار ہوگئی۔ ہر شے خوشی سے چہک رہی تھی اور اپنے رب کی حمد میں مصروف تھی۔

بھائی آؤ ناں ناشتہ کرلو
میں آیا۔
روحان تو چل پھر وہ تینوں ناشتے کی میز پر تھے

روحان تم کہہ رہے تھے ماں سے ملنے جاؤ گے۔۔ گئے نہیں تم۔
ہاں بھائی آج جا رہا ہوں اچھا تھا اگر آپ دونوں بھی ساتھ چلتے تو۔۔
میرا تجھے پتہ ہے ناں آفس سے چھٹی نہیں ملے گی اور دیا کا کل ٹیسٹ ہے۔
پھر روحان ان دونوں سے مل کر چلا گیا کون جانتا تھا کہ وہ دیا سے دوبارہ ملے گا یا نہیں۔
ساحل روحان تو گیا آپ بھی آفس چلے جائیں گے تو میں اپنے روم میں جا رہی ہوں ٹیسٹ کی تیاری بھی کرنی ہے۔ دیا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

ہاں ٹھیک ہے دیا آپ جاؤ بلکہ ایک بات سنو
جی بولیں۔ دیا چلتے چلتے رکی۔
د۔ دیا۔ دیا۔ آئی لو یو۔
وہ کچھ بھی نہ بولی مگر ایک خوبصورت مسکراہٹ اس کے چہرے پر آئی تھی اور پھر وہ چلی گئی تھی۔ ساحل کا دن عام دنوں کی طرح گزر گیا تھا مگر رات کے تصور نے اسے وسوسوں میں ڈال دیا تھا۔ کیونکہ کل چاند کی چودھویں تھی اور شاید اسے دیا کو کھونے میں ایک رات کا فاصلہ طے کرنا تھا وہ گھر آیا تو دیکھا کھڑکی کی اوٹ سے وہ سو رہی تھی بالکل مطمئن چہرہ۔
دیا۔ تم خدا کو بھول کر بھی اتنی مطمئن کیوں ہو کاش تم پلٹ آتی مگر تمہارے دل کی دنیا کو خدا کے سوا کوئی نہیں بدل سکتا آج پھر رات نے وہی منظر دیکھا ایک شخص آنکھوں میں اشک لیے اپنے رب کے آگے سجدہ ریز تھا اے میرے پروردگار میری مدد فرما مجھے کوئی راستہ تو دکھا دے تو غفور و رحیم ہے مولا کرم کردے اور پھر اسی سجدے کی حالت میں سو گیا یہ دیکھ کر چاند بھی کھل اٹھا شاید اسے خدا کے اس پیارے کا یہ انداز پسند آیا تھا مگر جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ پرسکون تھا اس نے ایک ڈائری نکالی اور پھر کچھ لکھ کر ڈائری میز پر رکھ دی دیا سو رہی تھی مگر اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ ساحل کو پکار رہی ہے مگر وہ اس سے دور جا رہا ہے وہ کسی خوبصورت جگہ کی طرف جا رہا تھا اور دیا اسے پکار رہی تھی مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جاؤ مجھے ساتھ لے چلو ساحل پلیز۔

ہجر کا تارا ڈوب چلا ہے ڈھلنے لگی ہے رات
قطرہ قطرہ برس رہی ہے اشکوں کی برسات
خوشبو کے دیس میں مجھ کو لے چل ساتھ
موسم بدلا دنیا بدلی بدل گئے حالات
چھوڑ وصی اب اس کی یادیں تجھے پاگل

کر دیں گی

تو قطرہ ہے وہ دریا ہے دیکھ اپنی اوقات وصی
مگر وہ کہاں سن رہا تھا وہ روتی رہی اور وہ آگے بڑھتا رہا پلیز ساحل پلیز ساحل خدا کے واسطے مجھے ساتھ لے چلو اے اللہ میری مدد فرما پھر اچانک دیا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ساحل کے روم کی طرف بھاگی مگر یہ کیا ہوا وہاں ساحل تھا وہی خوبصورت آنکھیں مگر وہ ساحل نہیں تھا وہ تو ایک بے جان جسم تھا جس کے گلے کو کاٹ دیا گیا تھا اور خون کسی کی طرح بہہ رہا تھا آخری بار وہ یہی بولی تھی اے میرے اللہ اس کے بعد وہ بے ہوش ہوگئی تھی۔ جب اسے ہوش آیا تو ہر طرف ایک ہی شور تھا یہ کسی انسان کا کام نہیں ہوسکتا اتنی بے دردی سے کسی کو مار دینا یہ ممکن ہی نہیں پھر وہ پاگلوں کی طرح اس کے کمرے کی طرف دوڑی تھی ساحل پلیز لوٹ آؤ تم جیسا مجھے بنانا چاہتے تھے میں ویسی بن جاؤں گی پلیز خدا کے لیے واپس آجاؤ وہ پاگلوں کی طرح اس کے کمرے کے چکر لگانے لگی روحی بیگم اور روحان کا بھی یہی حال تھا روتے ہوئے دیا کی نظر ایک ڈائری پر پڑی اور اس نے وہ اٹھا کر پڑھنا شروع کر دی۔ جوں جوں وہ ڈائری پڑھتی گئی اس کے درد اور چیخوں میں اضافہ ہوگیا ساحل احمد یہ کیا کیا تم نے میرے حصہ کے سارے درد خود سمیٹ کر لے گئے میری خاطر جان گنوادی مرنا تو مجھے چاہیے تھا جس سے خدا کو بھی نفرت ہے تم تو اس کے پیارے تھے یہ کیا کیا جو تین دن میں نے خوشی میں گزارے وہ تین دن کرب میں اور راتیں عبادت میں گزاری تم نے تم خدا آشنا تھے اور میں نا آشنا تم جاتے جاتے مجھے بھی خدا آشنا کر گئے واہ ساحل احمد تم واقعی محبت کے قابل تھے اس لیے خدا کو بھی تم سے پیار تھا اگر جانا ہی تھا تو مجھے بھی کوئی راستہ دکھا جاتے میں کیا کروں میں کیسے جیوں اب تو اللہ بھی مجھے دھتکار دے گا اب تو مجھے کہیں پناہ نہیں ملے گی اوہ میرے خدا میں کیا کروں اور جب وہ ڈائری بند کرنے لگی تو ڈائری کے آخری صفحے پر ایک تحریر تھی دیا تم بہت اچھی ہو خدا تمہارے دل میں موجود ہے بس اسے تھوڑا سا تلاش کرو تم نے بہادر بننا ہے ازیلہ جادوگرنی کا مقابلہ کر کے اسے ختم کرنا ہے پلیز میری روح کو سکون مل جائے گا۔ کہ میں نے دنیا میں سے ایک برائی کا خاتمہ تو کیا تمہارے لبوں سے اللہ نکلے گا تو میری جان نکل جائے گی لیکن جب تمہارے دل میں اللہ کی محبت بھر جائے گی تو ازیلہ مر جائے گی یاد رکھنا جب دل سے اللہ سے توبہ نہیں کروں گی ازیلہ کا خاتمہ نہیں ہوگا۔ اور ازیلہ زندہ رہی تو اس زمین پر بہت ساری دنیا کو اللہ سے نفرت ہو جائے گی وہ اللہ سے دور ہو جائیں گی میں نے تمہارے مقصد کو پورا کرنا ہے ساحل وہ یہ کہہ کر وہ اٹھی اور بڑی عاجزی سے وضو کر کے ساحل کی جائے نماز پر بیٹھ گئی آج چاند کی چودھویں تھی اور وہ لڑکی خدا کے سامنے سجدہ ریز تھی اے اللہ پیارے اللہ مجھے معاف فرما دے میں بھٹک گئی تھی پروردگار آج میں تب تک نہیں اٹھوں گی جب تک تو مجھے معاف نہ کر دے۔ رات گزرتی جا رہی تھی اور وہ مایوس ہوتی جا رہی تھی اے اللہ اپنے پیارے محبوب حضرت محمد ﷺ کے صدقے مجھ پر رحم کر دے بس پھر کیا تھا کمرے کا بلب بند ہوگیا اور ایک طوفان سا چھانے لگا ہر چیز درہم برہم ہو رہی تھی مگر وہ اس قدر گم تھی اپنے سجدے میں کہ اسے احساس ہی نہ ہوا کہ ارد گرد کیا ہو رہا ہے اور جب اس نے سر اٹھایا اس کے سامنے ایک بھیانک شکل عورت کھڑی تھی جس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے ازیلہ گڑ گڑا رہی تھی۔

دیکھ بہادر لڑکی جائے نماز سے اٹھ جا دیکھ

مت یاد کرا پنے رب کو۔

مگر وہ دینا بھی جس کو اس دنیا میں صرف اپنے رب سے پیار تھا اب اور دیکھتے ہی دیکھتے اذیلہ تھر تھر کانپنے لگی اس کے اندر قدرتی آگ ابھرنے لگی جو اس کے جسم کو دھیرے دھیرے سے سلگانے لگی۔اس کی دردناک چیخوں سے آسمان تک لرزنے لگا اس کا مکروہ چہرہ اور مکروہ ہوتا چلا گیا۔وہ جو ایک خوفناک سایہ کے روپ میں اس گھر میں آئی تھی جس نے اس گھر کو نرگ بنا رکھا تھا جس نے اس کے محبوب کی جان لے لی تھی آج اسی گھر میں اس کی چیخیں گونج رہی تھیں اور اس کا تماشا دیا دیکھ رہی تھی اس کا وجود پوری طرح آگ کی لپیٹ میں آ گیا تھا اور آگ ایک برائی کو نگلتی جا رہی تھی جو دیکھتے ہی دیکھتے اس کو نگل گئی۔ دیا کو معافی مل گئی تھی اس لیے تو اس کی وجہ سے ایک برائی کا خاتمہ ہو گیا تھا اب وہ پرسکون دکھائی دے رہی تھی اور وہ پھر سے سجدے میں چلی گئی کیونکہ اب اس کو ساحل کو پانا تھا اس کی راہ پر چلنا تھا اور بھٹکے لوگوں کو خدا آشنا کرنا تھا۔

قارئین کرام خوفناک ڈائجسٹ میں میری یہ پہلی کاوش ہے کیسی لگی مجھے اپنی رائے سے ضرور نوازیئے گا میں چاہتی ہوں کہ میں بھی آپ قارئین کی محفل میں اپنا ایک نام پیدا کروں ایسی ایسی تحریریں لکھوں جس کے اندر ایک سبق ہو ایک خوف ہو ایک لرزا ہو۔ امید ہے کہ آپ مجھے اپنی گائڈ لائین دیتے رہیں گے اور میرے اندر لکھنے کا جذبہ پیدا کرتے رہیں گے میری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے ایک عظیم رائٹر بننا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گی۔اور ادارہ خوفناک کی بھی میں شکرگزار ہوں گی اگر وہ میری اس خواہش کو پورا کردیں۔ اب فیصلہ قارئین پر ہے کہ وہ میری تحریر کے بارے میں اپنی کیا رائے دیتے ہیں۔

غزل

چپکے چپکے رو کر دیکھو اشکوں کے منہ دھو کر دیکھو
پیار کرو تو غم ملے گا پیار کے بیج بو کر تو دیکھو
پیار میں ملتے ہیں کیسا کیسا سخت عذاب
تم ایک بار پیار کی شمع کو جلا کر تو دیکھو
خوشیاں ہو جائے گی سب تم سے رخصت ہو گئے
تم ایک بار اپنی آنکھوں میں کسی کو سما کر تو دیکھو
نہ ملے گا کنارا تمہیں زندگی میں کبھی بھی
تم ایک بار عشق کے سمندر میں کشتی بڑھا کر تو دیکھو
اٹھ جائیں گا تمہارا یقین عشق محبت سے
تم ایک بار لیاقت کیطرح زخم کھا کر تو دیکھو

لیاقت علی خان، اٹک

انتظار

میں نے تیری چاہت میں کچھ پی رکھی ہے
میں بے وفا نہیں ہوں میں نے آج پی رکھی ہے
یہ جو میری آکھوں پر نشہ سا چھایا ہے
یہ نشہ پیار کا ہے شراب کا نہیں جو پی رکھی ہے
میں سارے غم اس سے ہی مٹا دوں گا آج
تم میرے سامنے مت آنا میں نے کچھ پی رکھی ہے
مجھے کچھ ہوش نہیں تو کون تھی کون ہے
میرے سامنے اس ہی کا سایہ ہے جو پی رکھی ہے۔

خونی صحرا

---تحریر: محمد ندیم عباس میواتی۔ 0306.9034595

اے آدم زاد تیری اتنی جرات کہ یہاں تک بھی پہنچ گیا۔ ہاں مردود شیطان کی اولاد میں تجھے جہنم رسید کرنے آ گیا ہوں۔ ہاہاہا۔ ہاہاہا۔ تو مجھے مارے گا تو یہاں آ تو گیا ہے مگر واپس نہیں جائے گا۔ اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے فضا میں ہاتھ بلند کیا تو ایک تلوار اسکے ہاتھ میں آ گئی۔ اس نے انعم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا لو بچا لو۔ پھر وہ تلوار لے کر انعم کی طرف بڑھا ندیم آگے بڑھا تو بے شمار جن اس کی راہ میں دیوار بن گئے ان نے تیزی سے تلوار چلانا شروع کر دی مگر جتنے مرتے اتنے ہی اور نکل آتے انعم کی چیخوں کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ ندیم بچاؤ۔ ندیم بچاؤ۔ اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ مہرولال نے انعم کو مارنے کے لیے تلوار بلند کی تو ندیم نے جمپ لگایا اور جنات کے اوپر سے اڑتا ہوا مہرولال پر جا گرا۔ مہرولال اچھل کر دور جا گرا۔ مگر فورا پلٹ کر ندیم پر وار کرنے لگا ندیم ایک طرف پلٹا کھایا مہرولال پاگلوں کی طرح پے در پے تلوار سے وار کر رہا تھا جبکہ ندیم بمشکل اپنا بچاؤ کر رہا تھا کئی نیوز خم آ چکے تھے اور پرانے زخم سے بھی خون بہہ رہا تھا کئی بار اس کے قدم ڈگمگائے مگر انعم کی چیخیں اس میں ہمت پیدا کر رہی تھیں وہ خود بھی اپنے ہاتھوں کو کھولنے کی کوشش کر رہی تھی ادھر نادر شاہ بھی جنات کے ہجوم میں گم ہو گیا تھا مہرولال نے زور سے وار کیا تو تلوار ندیم کے بازو سے گوشت کو اڑاتی ہوئی گزر گئی ندیم زخموں سے خون بہہ جانے کی وجہ سے بالکل نڈھال ہو چکا تھا اب اس میں کھڑا ہونے کی بھی ہمت نہ رہی تھی۔ وہ اپنے ہی خون میں نہایا ہوا تھا اتنی دیر میں انعم اپنے ہاتھوں کی رسیاں کھولنے میں کامیاب ہو چکی تھی مہرولال نے ندیم کی گردن کا نشانہ لے کر تلوار بلند کی انعم نے پیچھے سے زور سے دھکا دیا کہ وہ منہ کے بل گر پڑا اور تلوار اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر دور جا گری انعم نے فورا تلوار اٹھا کر ندیم کی طرف اچھال دی ندیم نے پوری ہمت یکجا کی اور بجلی کی مانند تلوار سیدھی کر کے مہرولال پر جا گرا تلوار مہرولال کے دل کو چیرتی ہوئی پار ہو گئی اس کے منہ سے دلخراش چیخ نکلی اور وہیں ٹھنڈا ہو گیا اس کے ساتھ ہی تمام جنات بھی غائب ہو گئے ندیم کراہتا ہوا دوسری طرف گر گیا۔ انعم اور نادر شاہ فورا اس کی طرف دوڑے مندر کے درو دیوار ہلنے لگ گئے انہوں نے ندیم کے ہاتھ اپنے کندھوں پر رکھے اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ جیسے ہی وہ مندر سے باہر نکلے مندر دھڑام کی آواز کے ساتھ نیست و نابود ہو گیا انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ایک دلچسپ اور سنسنی خیز کہانی۔

دسمبر کی سرد ترین رات تھی سب گہری میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے کمرے کا ماحول پرسکون تھا اچانک ندیم کی چیخ بلند ہوئی اور وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینہ پھاڑ کر باہر نکل آئے گا اس کا پورا بدن پسینے میں غرق تھا اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

کیا ہوا۔ آج کیا پھر وہی خواب نظر آیا ہے۔ نادر شاہ نے آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا۔

ہاں ۔ندیم نے اپنی بے ترتیب سانسیں درست کرتے ہوئے کہا۔نادر شاہ نے پاس رکھے ہوئے ٹیبل سے جگ اٹھا کر گلاس میں پانی انڈیلا اور ندیم کی طرف گلاس بڑھایا وہ ایک ہی سانس میں سارا گلاس پی گیا۔ وہ یہ خواب مسلسل کئی روز سے دیکھ رہا تھا وہ خواب میں دیکھتا کہ وہ بہت ہی وحشت ناک جگہ پر کھڑا ہے جہاں ہر طرف ویرانی ہی ویرانی ہے دور دور تک کسی ذی روح کا نشان تک نہیں ہے اس کے سامنے ایک ٹوٹا پھوٹا سا مندر ہے جہاں گہرا سناٹا چھایا ہے پھر اچانک مندر سے ایک درد میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دیتی ہے۔ندیم ندیم مجھے بچاؤ مجھے بچاؤ مجھے یہاں سے نکالو یہ درندہ مجھے مار ڈالے گا وہ مندر کی طرف دوڑتا ہے۔اسے مندر میں بت کے سامنے ایک بہت ہی حسین وجمیل دوشیزہ بندھی ہوئی دیکھائی دیتی ہے اس کے چمکیلے لمبے بال اس کے حسین چہرے پر بکھرے ہوئے تھے جس کی وجہ سے اس کا چہرہ صاف دیکھائی نہیں دے رہا تھا وہ پھر پکاری۔۔

ندیم مجھے بچاؤ ۔ مجھے بچالو۔ وہ آگے بڑھتا ہے تو اسے ایک بھیانک شکل کی چڑیل نظر آتی ہے جس کو دیکھ کر اس کی چیخ نکل جاتی ہے وہ گھبرا کر اٹھ جاتا ہے اسے یہ خواب اکثر نظر آتا ہے۔

یار یہ خواب ہی تو ہے تم اتنے پریشان کیوں ہو جاتے ہو نادر شاہ نے گلاس پکڑتے ہوئے کہا۔

یار میں تو اس بات سے پریشان ہوں کہ وہ لڑکی کون ہے اتنی دیر میں صبح کی اذان ہو جاتی ہے تو نادر شاہ اٹھ کر باہر چلا گیا اسے دو ہی دن گزرتے گئے ندیم اس بے چینی کا شکار رہا کہ وہ کون ہے مجھے ہی کیوں پکارتی ہے اور مجھے کیسے جانتی ہے اس نے اپنی بے چینی دور کرنے کے لیے کئی طریقے آزما ڈالے وہ کچھ دنوں کے لیے مری بھی چلا گیا مگر پھر بھی اس اضطراب سے جان نہ چھڑا سکا وہ حیران تھا کہ آخر ایسی کیا وجہ ہے یہ جو خواب اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہا ہے۔آخر کیا چیز ہے جو اس کو اپنے حصار میں قید کیے ہوئے ہے، تمام جتن کرنے کے باوجود بھی جب وہ اس خواب سے چھٹکارا نہ پا سکا تو اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس کے پیچھے جو بھی راز پوشیدہ ہے اس کو فاش کرے گا۔ میں اس صحرا میں جاؤں گا۔ اس دوشیزہ کو تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔ پھر اس کو تلاش کرنے کے طریقے سوچنے لگ۔

ایک دن ندیم اپنی کچھ بکس لینے بازار جانے لیے نکلا وہ جلدی جلدی بے خیالی میں لمبے لمبے قدم بھرتا ہوا جا رہا تھا جو نہ وہ گلی مڑا تو کسی سے ٹکرا گیا۔ وہ اتنی زور سے ٹکرایا تھا کہ اگلا بندہ گرنے کے بالکل قریب تھا کہ اس نے بے خیالی سے اسے تھام لیا اگر وہ نہ تھامتا تو وہ گر جاتی ٹکراتے ہی اس لڑکی کے منہ سے ہائے اللہ نکلا جو نہی ندیم کی نظر سراپا حسن پر پڑی تو وہ کہیں کھو گیا۔ اس نے اس سے پہلے اتنا حسن کہیں نہیں دیکھا تھا۔ کاجل بھری تیر جیسی لمبی آنکھیں گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ چہرے کی رنگت ایسی جیسے دودھ میں جام شرین ملا دینے سے رنگت نکھرتی ہے لمبے سیاہ ریشمی بال جو ٹکرانے سے اس کے چہرے پر آن گرے تھے ایسے لگ رہا تھا جیسے چاند سیاہ بادلوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا ہو وہ بے خود تھا مدہوش تھا اسے اپنے ارد گرد کی کوئی خبر نہ تھی وہ ایسا ساکت ہو گیا تھا کہ جیسے کسی جادوگر نے اس پر جادو کر کے پتھر کا بنا دیا ہو۔وہ اس وقت چونکا جب اس کے ہاتھوں کی گرفت سے وہ نرم وملائم وجود کسمسایا اور اس کے ہاتھوں کی گرفت سے اپنا جسم چھڑانے کی کوشش کی اس کے ہاتھوں پر ان نرم وملائم حسین ہاتھوں کا لمس ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے آہستہ آہستہ جادو کا اثر ٹوٹ رہا ہو اور وہ پتھر سے

پھر انسان بن رہا ہو۔

اب چھوڑیئے بھی اس آواز نے اسے سحر سے یکدم باہر نکالا۔

اوئی آئی ایم سوری آئی ایم رئیلی سوری میں جان بوجھ کر نہیں ٹکرایا۔ بے احتیاطی میں ایسا ہو گیا میں جلدی میں تھا وہ بے خودی میں صفائیاں دینے لگا اور وہ اسے یک ٹکی دیکھے جا رہی تھی۔

اوہو انس او کے مجھے پتہ ہے آپ جان بوجھ کر نہیں ٹکرائے۔

وہ بولا تو کیا آپ نے مجھے معاف کر دیا۔

لڑکی نے بالوں کو سلجھاتے ہوئے۔ اور اپنا دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے لاپرواہی سے بولی۔

ہاں۔

اب میں جاؤں۔

جی بالکل۔ وہ شرمندہ سا ہو کر بازار کی طرف چل پڑا۔ دیکھنے کو تو یہ ایک حادثہ تھا لیکن اس حادثے نے اس پر بہت گہرا اثر اچھوڑا یہ واقعہ بار بار اس کے ذہن کے پردے پر ابھرتا اور وہ اس بار اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جاتا۔ وہ کون ہے کہاں رہتی ہے اتنی بری طرح ٹکرانے پر بھی اس نے معاف کر دیا۔ اسے کچھ نہیں کہا ورنہ وہ تو اس امید میں تھا کہ وہ اسے کئی صلواتیں سنائے گی۔ اسے بری طرح ذلیل کرے گی شور مچائے گی لیکن اس نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ وہ اسے ایک حادثہ سمجھ کر بھول جانا چاہتا تھا لیکن وہ ایسا نہ کر سکا وہ عکس اس کے دماغ پر مسلط رہا اس کی موجوں کے سمندر تلاطم پیدا کرتا رہا۔ اب وہ اس کے بارے میں جاننے کی بہت کوشش کرنے لگا تا کہ وہ اس سے بات کرے اسے اپنی بے چینیوں کا بتائے وہ اس ٹائم روز بازار جاتا مگر وہ پھر نظر نہ آئی۔

جنوری کی سردی اپنے عروج پر تھی ہلکی ہلکی رم جھم سردی کے حسن میں مزید اضافہ کر رہی تھی ہر شخص اپنے گھر میں دبکا بیٹھا تھا دکاندار ست انداز میں اکا دکا گاہک سے ڈیلنگ کر رہے تھے جب وہ اپنے ہوسٹل کی گلی میں پہنچا تو گلی بالکل ویران تھی تھوڑی دیر گلی میں چلنے کے بعد اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کے پیچھے چل رہا ہے پہلے تو اس نے مڑ کر دیکھنا گوارا نہ کیا لیکن پھر نہ چاہتے ہوئے بھی مڑ کر دیکھا تو اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے اٹکی رہ گئی۔ کیونکہ وہ دلربا وہی دشمن جان وہی حسن کا پیکر اس کے دل پر قبضہ کرنے والی جس ن اس کی راتوں کی نیندیں اور دن کا سکون اڑا رکھا تھا وہ اس کے پیچھے چلی آ رہی تھی اس نے سردی کے باوجود اپنے آپ کو پسینے کے سمندر میں غرق پایا۔ کیونکہ وہ جس سے بات کرنے کو بے چین تھا وہ یوں اچانک اس کے سامنے آ گئی تھی اس کا دماغ تیزی سے چلنے لگا وہ اس سے بات کرنے اور اپنے حال دل بتانے کے طریقے سوچنے لگا آخر اس کے ذہن میں آئیڈیا آیا۔ اس نے اپنی گھڑی کی پن کھولی اور ہاتھ ہلا کر چلنے لگا تا کہ گھڑی گر جائے ایسا ہی ہوا گھڑی اس کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ خود بے خودی کے عالم میں آگے بڑھ گیا۔ اب اس کے کان کسی آواز سننے کے منتظر تھے اور تھوڑی دیر بعد اسکے کانوں کو رس گھولتی ہوئی مدھم سی آواز سنائی دی۔ جسے سنتے ہی اپنے آپ کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کرنے لگا۔

ایکسکیوزمی۔ یہ آپ کی گھڑی گر گئی ہے۔

اوہ تھینکس یو۔ کہتے ہوئے اس نے اس کے ہاتھوں سے گھڑی پکڑنے کی کوشش کی تو اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ٹکرایا۔ مخمل جیسے نرم ہاتھ سے ٹکراتے ہوئے اسے ایک کرنٹ سا لگا۔ اور گھڑی زمین پر گر گئی۔ جس پر ندیم نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا پھر گھڑی اٹھانے کے لیے نیچے کی جانب جھکا وہ بھی جھکی تو دونوں کے سر آپس میں ٹکرا گئے۔

اوسوری کہتے ہوئے ندیم نے گھڑی اٹھانے کی کوشش کی لیکن اس نے اپنا ہاتھ پہلے گھڑی پر رکھ دیا اس لیے ندیم کا ہاتھ بجائے گھڑی کو پکڑنے کے اس کے ہاتھ پر لگا تو ندیم کو پھر پورے جسم میں کرنٹ دوڑتا ہوا محسوس ہوا وہ حیرانگی کے عالم میں وہیں کھڑا اسے تکنے لگا۔ اس پر اس حسینہ ماہ جبین کی ہنسی نکل گئی۔ اس کے دانت شبنم کے قطروں کی طرح چمکتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔ اس نے ہنستے ہوئے۔

او پاگل کہا اور تیزی سے گلی میں مڑکر غائب ہوگئی۔ ندیم حیرانگی اور خوشی کے ملے جلے تاثرات لے کر ہوسٹل میں داخل ہوا وہ خوش بھی تھا کہ چلو پھر ان سے ملاقات ہوگئی۔

آج بہت خوش نظر آرہے ہو نادرشاہ نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

ہاں یار آج میں بہت خوش ہوں۔

کیوں جناب ایسی کیا بات ہے۔۔ نادرشاہ نے کہا۔

بس یار کوئی مل گیا ہے۔

کون۔ نادرشاہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

چھوڑو یار تم سناؤ کیا کررہے ہو۔

اوہ بات کو ٹالو مت پہلے مجھے بتاؤ کہ کون مل گیا ہے جو اتنا خوش ہورہے ہو۔ ندیم اس کی طرف گھورتے ہوئے واش روم کی طرف چلا گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ نادرشاہ ضد کرے اور مجھے بتانا پڑے اس لیے غسل کے بہانے واش روم میں چلا گیا تھا۔

اس نے اسی خوشی میں کئی دن گزر گئے لیکن اک بات وہ ضرور سوچتا تھا کہ اس حسینہ میں ایسی کیا بات ہے جو اسے چھوتے ہی مجھے اپنے بدن میں کرنٹ محسوس ہوتا ہے جب کہ پہلی ملاقات میں میں تو ایسا نہیں ہوا تھا وہ کافی رات تک اس کے بارے میں سوچتا رہا کہ وہ کون ہے اس میں ایسی کیا بات ہے پھر اس سوچ کے ساتھ سو گیا کہ اب جب بھی ملاقات ہوگی تو میں ضرور اس سے پوچھوں گا وہ کون ہے کہاں رہتی ہے۔

غضب ہوگیا غضب ہوگیا۔ مہاراج سنگرام دیو ہانپتا ہوا مندر میں داخل ہوا جہاں مہرولال سادھو غلاظت میں لت پت شیطان کی پوجا کررہا تھا سنگرام کی کانپتی ہوئی آواز سن کر فوراً آنکھیں کھولیں اور غصہ سے دھاڑا کیا ہوا سنگرام دیو نے کہا۔

مہاراج اس لڑکی سے ہمارا قائم کردہ طلسمی حصار ٹوٹ گیا ہے۔

کیا۔ وہ غصہ سے کھڑا ہوگیا۔ کس طرح ٹوٹ گیا کس آدم زاد کی جرات ہوئی میرے حصار کو توڑنے کی کون ہے وہ سنگرام کوئی جواب نہ دے سکا اس نے اپنی گردن جھکالی۔ مہرولال طلسمی آئینے کی طرف بڑھا اور کچھ بڑبڑا کر اس پر پھونکیں مارنے لگا مگر وہاں کوئی چہرہ نمودار نہ ہوا تو وہ پریشان ہوگیا کہ یہ کون آگیا ہے جو اتنی شکتی والا ہے اور میری برسوں کی محنت پر پانی پھیرنا چاہتا ہے اس نے فوراً اپنی خاص الخاص غلام چڑیل کو حاضر کیا اور کہا۔

فوراً ہمارے لیے ایک لڑکی کو بندوبست کرو۔

جو حکم مہاراج چڑیل نے سر جھکاتے ہوئے کہا اور غائب ہوگئی۔ مہرولال شیطان آقا کو بلی دینے کی تیاری کرنے لگا کچھ ہی دیر میں وہ چڑیل ایک خوبصورت دوشیزہ کو کندھے پر اٹھائے ہوئے حاضر ہوئی مہرولال نے آگ روشن کی اور شیطان کے بت کے سامنے الٹی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور منہ ہی منہ کچھ بڑبڑانے لگا۔ وہ دوشیزہ شیطان کے بت کے نیچے چبوترے میں بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ مہرولال کچھ دیر بڑبڑانے کے بعد اٹھا اور دوشیزہ کی گردن دھڑ سے الگ کردی وہ کچھ دیر تڑپ کر ٹھنڈی ہوگئی۔ اس کا سارا خون ایک ٹب میں جمع

کرلیا اور اس دوشیزہ کے دھڑ کو چڑیل کے حوالے کر دیا کہ اس سے اپنی بھوک مٹائے پھر مہرولال نے خون کا بھرا ٹب اٹھا کر شیطان کے مجسمے پر ڈال دیا۔ تھوڑی دیر بعد شیطان کی آنکھیں روشن ہو گئیں مہرولال فوراً سجدے میں گر گیا۔

بول میرے سیوک ہمیں کیسے یاد کیا ہم تیری بلی قبول کرتے ہیں۔

اے میرے شیطان مردود آقا کوئی شکتی شالی والا میری برسوں کی محنت پر پانی پھیرنا چاہتا ہے وہ کون ہے کہاں ہے میری سب طاقتیں اسے تلاش کرنے میں ناکام ہیں۔

میرے سیوک وہ نوجوان نورانی شکتیوں کا حامل ہے مگر وہ خود ابھی اپنی شکتیوں سے ناواقف ہے جتنی جلدی ہو سکے اس کو ختم کر دو۔ ورنہ وہ تمہاری راہ میں رکاوٹ بن جائے گا۔

میرے شیطان آقا وہ نوجوان مجھے کہاں ملے گا کچھ دیر خاموشی چھا گئی۔ کچھ لمحہ بعد وہ بولا۔

میرے سیوک وہ نوجوان نورانی شکتیوں کی وجہ سے میری شیطانی طاقت میں نظر نہیں آ رہا ہے ہاں تم اس لڑکی پر نظر رکھو اس کے ذریعے ضرور تم اس تک پہنچ جاؤ گے۔ اس کے ساتھ ہی شیطان کی آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ مہرولال سادھو نے فوراً سنگرام دیو سے کہا۔

جاؤ ہر وقت اس لڑکی پر نظر رکھو شیطان آقا کے کہنے کے مطابق وہ ضرور اس لڑکی سے ملے گا اس لڑکی کے ساتھ رہو اگر اس نوجوان کا پتہ چلے تو اسے ختم کر دو۔ سنگرام دیو نے گردن جھکالی اور غائب ہو گیا۔ مہرولال کافی حد تک اس نوجوان سے ڈرا ہوا تھا۔

موسم کا زور ٹوٹ چکا تھا مگر آسمان پر بادل سورج کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہے تھے جس کی وجہ سے کچھ سردی محسوس ہو رہی تھی ندیم نے گرم کوٹ پہنا اور بازار جانے کے ارادے سے ہوسٹل سے نکلا۔ وہ گلی کے نکر پر پہنچا تو بے خیالی میں اس کی نظر سامنے گھر کی طرف اٹھ گئی وہ وہیں جم گیا کیونکہ سامنے گھر میں وہ حسینہ ماہ جبین کھڑی بائیک کو سائیڈ پر کرنے کی کوشش کر رہی تھی اس کے ریشمی بال کمر پر پھیلے ہوئے تھے وہ اپنا پورا زور لگا رہی تھی لیکن بائیک اس سے ہل بھی نہیں رہی تھی۔ ندیم وہیں کھڑا ہو گیا اور بولا۔

کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔

اس نے ادا بے نیازی سے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور اپنے بالوں کی جھٹک کر بولی۔

نو تھینکس میں کر لوں گی۔

او کے تمہاری مرضی۔ ندیم نے کندھے اچکائے اور آگے بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ وہ بائیک سمیت بری طرح گری وہ نیچے اور بائیک اس کے اوپر تھی ندیم بھاگتا ہوا آیا اور بائیک اٹھا کر ایک طرف کی اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھڑا کیا اور بولا۔

تم ٹھیک تو ہو ناں۔ چوٹ تو نہیں لگی۔

نہیں نہیں میں ٹھیک ہوں اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

دیکھو اگر کہیں چوٹ لگی ہے تو بتاؤ میں ڈاکٹر سے میڈیسن لے آتا ہوں۔

وہ شرماتی لجاتی ہوئی اپنی نیلی آنکھوں سے یک ٹک اسے دیکھنے لگی۔ ندیم بار بار اس سے پوچھ رہا تھا کہ کہیں چوٹ تو نہیں لگی مگر وہ کچھ سننے اور کہنے کے قابل کہاں تھی ندیم نے اسے جھنجھوڑا۔

نہیں نہیں میں ٹھیک ہوں لیکن آپ میرے کیوں اتنا پریشان ہو رہے ہیں۔

اس لیے کہ میں آپ سے پیار کرتا ہوں۔ بے ساختہ ندیم کے منہ سے نکل گیا۔ یہی وہ لمحہ تھا یہی وہ الفاظ تھے جنہوں نے اس ملکہ حسن کی سماعتوں میں گھنٹیاں بجا دیں یہی وہ الفاظ تھے جو وہ نجانے کب

سے سننے کے لیے بے تاب تھی۔ اس کی نادانیوں پر وہ کب سے دل لٹا بیٹھی تھی وہ کب سے اس کے سپنے دیکھ رہی تھی اب اسے اپنے سپنوں کی تعبیر مل گئی تھی تبھی اس نے قدم بڑھایا اور ندیم کا ہاتھ تھام لیا اس کے نرم گداز ہتھیلی کے لمس سے ندیم کے بدن میں چونٹیاں سی رینگ گئیں۔

میں بھی تم سے پیار کرتی ہوں۔

ندیم چونک اٹھا۔ سچی۔

وہ بولی۔ سچی۔

اس کی ماں کو قریب آتے ہوئے دیکھ کر وہ پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوا گیا۔ اور بولا اگر چوٹ لگی ہے تو مجھے بتادیں میں میڈیسن لے آتا ہوں۔

نہیں نہیں میں ٹھیک ہوں کہہ کر اپنی ماما جان کو ساری بات بتادی اس کی ماما جان نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنی بیٹی سے بولی۔

تمہیں کیا ضرورت تھی بائیک اوھر لے جانے کی

ماما جان میں صفائی کررہی تھی جب فرش دھونے لگی تو میں نے سوچا کہ کہیں بائیک پر پانی نہ پڑجائے اس لیے اسے سائیڈ پر کرنے لگی تھی۔۔۔ ماما نے اسے ڈانٹا۔

تمہارے سارے کام ہی احمقوں والے ہوتے ہیں۔ رکو بیٹا ندیم نے پلٹ کر انکی طرف دیکھا بیٹا کیا نام ہے تمہارا اور کہاں رہتے ہو۔

آنٹی۔ میرا نام ندیم ہے اور میں ہوسٹل میں رہتا ہوں۔

اچھا بیٹا۔ کونسی کلاس میں پڑھتے ہو۔

میں سیکنڈ ائیر میں پڑھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں حافظ قرآن بھی ہوں۔ وہ ملکہ حسن بھی پاس کھڑی سن کر کندھے اچکا رہی تھی۔

جاؤ بیٹی چائے بنالاؤ یہاں کھڑی کیا کررہی ہو

اوہ سوری ماما میں تو بھول ہی گئی تھی ابھی لائی اس نے اندر کی جانب پلٹتے ہوئے کہا۔

نہیں آنٹی میں چائے نہیں پیتا۔

کیوں بیٹا۔

بس ویسے ہی آنٹی میں شروع ہی سے نہیں پیتا۔

چلو بیٹی کچھ ٹھنڈا ہی لے آؤ۔

ارے رہنے دو آنٹی۔ کیوں اتنا تکلف کررہی ہیں آپ ویسے بھی سردی ہے ٹھنڈے سے کچھ اور ہی نہ ہوجائے۔ اچھا آنٹی مجھے اجازت دو مجھے بازار بھی جانا ہے کافی دیر ہوچکی ہے اس کی ماما نے پھر ندیم کا شکریہ ادا کیا۔

بس کروناں آنٹی کیوں شرمندہ کررہی ہیں۔ آپ بالکل میرے لیے میری ماما جان کی طرح ہیں

جیتے رہو بیٹا۔ اس کی ماما نے مجھے دعا دی وہ اللہ حافظ کہتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔ اس کی ماما جان بھی ابھی تک دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی کتنا ہنس مکھ لڑکا ہے اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے روم کی طرف چلی گئی۔ ہوں تو ندیم ہے اس کا نام اس ملکہ حسن نے مسکراتے ہوئے زیرلب بڑبڑایا۔ وہ بہت خوش تھی وہ دروازے کے پاس ہی کام کرنے لگی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ ابھی بازار سے آتے ہوئے یہاں سے گزرے گا۔ ادھر ندیم بھی خوش تھا کیونکہ اسے اپنی منزل مل گئی تھی جس کی اس نے جستجو کی تھی اسے آج اپنا پیار مل گیا تھا وہ اپنی قسمت پر رشک کررہا تھا۔ اپنے مقدر پر نازاں تھا وہ تھوڑی دیر بعد بازار سے واپس آیا تو اسے وہ ملکہ حسن دروازے پر کھڑی نظر آئی۔ جیسے وہ بھی یار دیار کے لیے بے چین ہو ندیم نے اپنا سیل نمبر ایک کاغذ پر لکھ کر دروازے کے پاس رکھ دیا اور مسکراتا ہوا چلا گیا۔ اب اسے انتظار تھا کہ کب اس کی کال آتی ہے۔ بے چینی سے انتظار کرتا رہا مگر

کال نہ آئی اب وہ مایوس ہو چکا تھا کیونکہ رات کے بارہ بج چکے تھے وہ بستر پر لیٹا اس کے بارے میں سوچتے ہوئے نیند کی وادیوں میں گم ہو گیا۔

دور دور تک کسی ذی روح کا نشان نہ تھا ہر طرف ویران صحرا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ میں یہاں کس طرح پہنچا تیری موت تجھے یہاں لے کر آئی ہے۔ اس نے فوراً پیچھے مڑ کر پیچھے کی طرف گردن گھمائی تو اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے ہی اٹک کر رہ گیا۔ کیونکہ اس کے پیچھے بہت ہی ہیبت ناک شکل کا دیو کھڑا قہقہہ لگا رہا تھا۔

ہاہاہا۔ ہاہاہا۔ تیری موت لائی تجھے یہاں اس نے وہی کھڑے کھڑے ہاتھ بڑھایا اور اسے اٹھا کر فضا میں اچھال دیا۔ جس کی وجہ سے اس کی چیخ نکل گئی۔ اور وہ ہڑبڑا یا وہ پوری طرح پسینے میں نہایا ہوا تھا اس نے جگ سے پانی لے کر پیا اچانک اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی کمرے میں ہے اس نے فوراً لائٹ آن کی مگر کمرے میں اس کے سوا کوئی نہیں تھا اس نے اپنا وہم سمجھا اور دوبارہ لیٹ گیا اس نے ٹائم دیکھنے کے لیے موبائل نکالا تو اس پر نیو نمبر سے کافی کالز اور میسج آئے ہوئے تھے نمبر نیو تھا اسے یقین تھا کہ یہ ہی وہ ہوگی۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ دھڑکتے دل اور خوشی کے ملے جلے تاثرات سے کال کی جو پہلی ہی بل پر ریسیو کر لی گئی۔ جیسے وہ ہاتھوں میں پکڑے انتظار میں بیٹھی ہو کچھ دیر دونوں طرف خاموشی چھائی رہی پھر اسے ایک مترنم سی کانوں میں گھولتی آواز سنائی دی۔

ہیلو۔

اسے یوں لگا جیسے ہر طرف گھنٹیاں بج اٹھی ہوں

جی اسلام علیکم ۔۔

وعلیکم اسلام ۔ کیا حال ہے۔

میں ٹھیک ہوں آپ سناؤ۔

پھر دعا وسلام اور خیر وخریت دریافت کرنے کے بعد دونوں نے اپنی بے چینیوں کا حال بیان کر دیا۔ قسمیں وعدے عہد و پیمان آخر دم تک ساتھ دینے اور دنیا سے ٹکرانے اور ہر مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا عزم کیا پہلی ہی کال میں وہ یوں بے تکلف ہو گئے تھے جیسے برسوں کی پہنچان ہو چار گھنٹے پل بھر میں بیت گئے تھے۔

اچھا جانی اپنا نام تو بتا دو۔ اس پر اس ملکہ حسن کی آواز نکل گئی۔

چار گھنٹے بات کرنے کے بعد اب نام پوچھنا یاد آیا میرا نام انعم شہزادی ہے۔

اوہ واقعی ہی آپ پرستان کی شہزادی ہو ۔اور پھر کافی دیر تک باتیں کرنے کے بعد فون بند کر کے دونوں ہی سو گئے۔

ایک رات وہ پچھلے پہر بوہڑ کے گھنے درخت کی اوٹ میں دینا ومافیا سے بے خبر بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ وہ اس کے بازو پر سر رکھے بیٹھی تھی اور پوچھ رہی تھی کہ تم چھوڑ تو نہ دو گے مجھے۔

کبھی بھی نہیں۔ وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہوگا جب میں تجھے چھوڑ دوں گا۔

انعم نے جلدی سے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی۔ جانی میری زندگی بھی تمہیں لگ جائے نیکسٹ ٹائم ایسی بات کبھی مت کرنا پلیز۔

دو دل معصوم جذبوں کے ساتھ بیٹھے عہد و پیمان کر رہے تھے کہ اپنے پیچھے پتوں میں سرسراہٹ محسوس ہوئی انہوں نے چونک کر پیچھے کی طرف دیکھا تو کوئی ان کے پیچھے تھا۔ ندیم جلدی سے اس کی طرف بڑھا تو اسے اندھیرے میں ایک ہیولہ اپنے سے دور ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ دونوں ہی گھبرا گئے کہ اس وقت کون ہو سکتا ہے ندیم نے انعم کو گھر

بھیجا اور خود اس ہیولے کے تعاقب میں چل پڑا انعم نے اسے روکنا چاہا مگر وہ ان سنی کرتا ہوا چلا گیا انعم زیادہ اس بات سے پریشان تھی کہ کوئی ان کے پیار کو بدنام نہ کرے ان کے پیار میں رکاوٹ نہ بن جائے اس کے دل میں مختلف خیالات گردش کر رہے تھے اسے ڈر تھا کہ اب ان کے پیار کو خطرہ ہے کیونکہ یہ دنیا پیار کرنے والوں کو کبھی سکھی نہیں دیکھ سکتی پتہ نہیں کیوں اس دنیا کو پیار اور پیار کرنے والوں سے ویر ہے۔ وہ رات انعم نے جاگ کر گزاری۔ وہ پریشان تھی کہ وہ کون تھا جو ان کے پیار میں آن ٹپکا تھا۔

وہ ہیولہ دور سے دور ہوتا جا رہا تھا ندیم بھی اس کے تعاقب میں بڑھتا جا رہا تھا وہ خود نہیں جانتا تھا کہ وہ کیوں اس کے تعاقب میں جا رہا ہے ویسے تو ندیم کافی حد تک نڈر تھا اور مضبوط دل کا مالک تھا مگر ڈر ایک بشری تقاضا ہے جو سب پر حاوی ہو جاتا ہے وہ ہیولہ کا پیچھا کرتا ہوا جب جنگل میں داخل ہوا تب اس کو ڈر کا احساس ہوا اس نے اپنے اطراف میں نظر دوڑائی تو چاروں طرف جنگل ہی جنگل تھا وہ گھبرا گیا اب وہ ہیولہ بھی غائب ہو گیا تھا ہلکی ہلکی صبح کی روشنی پتوں سے چھن کر زمین پر پہنچ رہی تھی جو کہ جنگل میں چھائے اندھیرے کو دور کرنے میں ناکافی تھی ندیم کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے۔ وہ حافظ قرآن تو تھا اس نے سورہ یٰسین کی تلاوت سے وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاتا تھا۔ اس نے اپنی منزل اس ہیولے کو ہی بنایا۔ جس طرف وہ گیا تھا اسی سمت اس کے تعاقب میں چل پڑا اب وہ ہر قدم پھونک پھونک کر دھر رہا تھا۔ کیونکہ جنگل میں کافی حد تک گھاس اگی ہوئی تھی اس میں سانپ وغیرہ کا خطرہ تھا جیسے ہی اس نے جنگل کراس کیا تو سامنے کا منظر دیکھ کر وہ حیران ہو گیا۔ کیونکہ اس کے سامنے وہی ویران صحرا تھا جس کو وہ اکثر خواب میں دیکھتا چلا آ رہا تھا اس خیال کے ساتھ ہی وہ کانپ اٹھا کہ کہیں یہ ہیولہ خواب والا تو نہیں صحرا میں تا حد نظر جھاڑیاں ہی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں اس کے علاوہ کچھ نہ تھا اس نے اللہ کا نام لے کر صحرا میں قدم رکھ دیا کچھ ہی دیر بعد اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے ساتھ چل رہا ہو اس نے فوراً گردن گھما کر دیکھا مگر دور دور تک کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہ تھا وہ آگے بڑھا تو پھر ایسا ہی ہوا۔ کوف اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرائیت کر چکا تھا

کک۔ کک۔ کون۔ ہو تم۔ سامنے آؤ ندیم نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔

ہاہاہا۔ ہاہاہا تیری موت ہوں اک دہشت ناک آواز سنائی دی جس کو وہ فوراً پہچان گیا کہ وہی خواب والا جن ہے جس کی وجہ سے وہ اور بھی گھبرا گیا۔۔

مم میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو مجھے یہاں لائے ہو۔ کون ہو تم سامنے آؤ۔

اچانک ایک ہیبت ناک شکل والا کالا سیاہ دیو اسکے سامنے حاضر ہوا اس کی شکل ہی اس قدر خوفناک تھی کہ اگر کوئی کمزور دل انسان دیکھ لیتا تو زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔

ہاہاہا۔ ابھی پتہ چل جائے گا۔ کہ تم نے ہمارا کیا بگاڑا ہے اس کی آواز اتنی زوردار تھی کہ ندیم کو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنی پڑ گئیں۔ ورنہ اسکے کانوں کے پردے پھٹ جاتے اس دیو نے وہیں کھڑے کھڑے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ندیم کو اٹھا کر جنگل کی طرف اچھال دیا۔ اسے ہوا میں قلابازیاں کھاتے ہوئے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا پھر اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

سنگرام دیو مندر میں داخل ہوا مہاراج کی جے ہو مہاراج کی جے ہو۔۔۔ اس نے خوشی سے

جھومتے ہوئے کہا مہرولال نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا سنگرام نے کہا۔
مہاراج میں نے اس نوجوان کو ختم کر دیا ہے جو ہماری راہ میں رکاوٹ بن رہا تھا۔
کیا وہ ختم ہو گیا ہے ۔مہرولال نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
ہاں مہاراج وہ ختم ہو گیا ہے۔
پھر تمام قصہ مہاراج کو سنا دیا۔مہرولال نے فوراتالی بجائی تو آدھے کٹے سروالی چڑیل حاضر ہوئی
جاؤ فورا ہمارے لیے ایک لڑکی کا بندوبست کرو چڑیل نے سر جھکایا اور غائب ہوگئی۔
اب میں دیکھتا ہوں کہ کون مجھے اس لڑکی کی بلی دینے سے روکتا ہے ہاہاہا۔ ہرطرف بربادی ہی بربادی ہوگی ہر طرف شیطانی حکومت قائم ہوگی ہاہاہا۔
چڑیل ایک لڑکی کو لے کر حاضر ہوئی
سنگرام دیو ہم تم سے بہت خوش ہیں لو یہ تمہارا انعام انسان خون اور گوشت سے اپنی بھوک مٹاؤ۔ تم نے بہت بڑا کام سرانجام دیا ہے دس دن صرف دس دن بعد ہرطرف میری حکومت ہوگی ہاہاہا۔صحرا میں دور دور تک مہرولال کی آواز گونج رہی تھی

انعم رات بھر سونہ سکی تھی اس لیے نماز پڑھ کر سوگئی جب وہ اٹھی تو دس بج رہے تھے وہ فورا اپنے سیل کی طرف لپکی ندیم کا کوئی میسج نہ پا کر حیران رہ گئی کیونکہ گڈ مارننگ کا میسج تو ضرور کرتا تھا۔رات کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے سکرین کی طرح چلنے لگا کہ کس طرح ہم بیٹھے بات کر رہے تھے ھر کوئی ان کی باتیں سن کر بھاگا تھا اور ندیم اس کے پیچھے گیا تھا اس نے فورا ندیم کو کال کی مگر نمبر آف جارہا تھا وہ بہت پریشان ہوا اسی طرح بارہ بج گئے وہ بار بار ندیم کا نمبر ٹرائی کرتی رہی اور اسے ایک ہی جواب ملتا رہا کہ آپ کا مطلوبہ نمبر اس وقت بند ہے۔اس نے کچھ نہ کھایا اداس اداس کمرے میں لیٹی رہی اس کی مما جان نے پوچھا۔
کیا بات ہے تم ٹھیک تو ہوناں۔
انہوں نے میڈیسن لا کر دیں انعم نے لے کر رکھ لیں مگر کھائی نہیں شام ہوگئی ندیم کا کچھ پتہ نہ چلا تو طرح طرح کے خیال اس کو ستانے لگے اس نے رونا شروع کر دیا۔ جب اس کے رونے کی آواز مما جان نے سنی تو فورا اس کے کمرے میں آئی
کیا ہوا بیٹی کیوں رو رہی ہو۔
وہ مما کہہ کر انکے گلے لگ گئی اور روتی ہی چلی گئی۔ اسکی ماما حیران تھی کہ آج اسے کیا ہو گیا ہے اس نے انعم کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
بولو بیٹی کیا بات ہے
بس وہ زور زور سے روتی جارہی تھی جب دل کا غبار نکل گیا اس کے رونے میں کمی آگئی۔
کچھ بتاؤ بھی کیوں رو رہی ہو۔ اس کی ماما جان نے ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ لیتے ہوئے کہا۔
مما جان میں اس سے بہت پیار کرتی ہوں پھر اول تا آخر تمام داستان اپنی ماما کو بتادی۔
تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے یہ کیا کہہ رہی ہو تم ایسا قدم اٹھاتے ہوئے ہماری عزت کا بھی خیال نہیں آیا تمہیں۔
نہیں ماما جان پلیز ایسا مت کہو میں نے صرف پیار کیا ہے کا پاکیزہ پیار جس میں جذبات کا کوئی نام ونشان نہیں۔
اس کی ماما جان نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا بیٹا تم اس کے بارے میں کیا جانتی ہو کسی انجان سے پیار کرنا ٹھیک نہیں ہوتا وہ یہاں اجنبی ہے ہوسٹل میں رہتا ہے جانے کب چلا جائے پھر تم کیا کرو گی کیسے

جیوگی۔اس کے بغیر تمہیں تا اسکا کچھ آتا پتا بھی معلوم نہیں ہے۔

ماما جان مجھے اس پر بہت بھروسہ ہے وہ کبھی بھی مجھے چھوڑ کر نہیں جائے گا۔

پھر صبح سے وہ کہاں ہے کیوں رو رہی ہو پھر اس کی ماما نے غصہ سے ڈانٹا۔

ماما جان مجھ سے اس کی جدائی ایک منٹ بھی برداشت نہیں ہوتی وہ ضرور کسی مصیبت میں ہے کوئی بات تو ہے۔

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی جیسے دونوں کچھ سوچ رہی ہو پھر اس کی ماما نے سر جھٹکتے ہوئے کہا

چلو اٹھو کچھ کھا تو لو

ماما جان۔ مجھے بھوک نہیں ہے اس کی ماما نے بہت کہا کہ کچھ کھا لو صبح سے کچھ نہیں کھایا مگر وہ ہر بار یہی کہتی رہی کہ مجھے بھوک نہیں ہے میرا کچھ کھانے کو دل نہیں کر رہا ہے آخر کڑھتے دل کے ساتھ اس کی ماما اٹھ کر چلی گئی انعم کو طرح طرح کے خیالات نے گھیر رکھا تھا ماما کے الفاظ تلوار کی طرح اس پر وار کر رہے تھے اجنبی ہے چلا جائے گا مگر دل ان الفاظوں کو قبول نہیں کر رہا تھا اتنی دیر میں ماہ نور اور آمنہ بھی آ گئیں

ارے آپی کیا ہوا کیوں یہ گلابی چہرہ مرجھایا ہوا ہے ماہ نور نے اس کا منہ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

انعم نے چہرہ اٹھایا تو ٹپ ٹپ کرتے آنسو فرش پر گرتے دکھائی دیئے وہ دونوں اس کے پیار کی راز داں تھیں اس لیے انعم نے رات والی تمام بات ان کو بتا دی۔

اونو آپی۔ ماہ نور نے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور بولی بھائی ندیم کا نمبر آف کیوں ہے

یہی بات تو سمجھ نہیں آ رہی ہے کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ ہو

آپی تم ٹینشن نہ لو اللہ بہتر کرے گا۔ ایسے ہی

اٹھ دن گزر گئے ندیم کا کچھ پتہ نہ چلا۔ انعم کو ہر وقت اس کی یادیں اس کی باتیں ستاتی اس کے بن پل پل گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔

آٹھ دن میں ہی وہ برسوں کی مریض نظر آ رہی تھی اس کی ماما اس کو دیکھ دیکھ کر خون کے آنسو روتی تھی اس بات کا سوا چار لوگوں کے گھر میں کسی کو پتہ نہیں تھا۔

آپی وہ اس دن پارک میں بھائی ندیم کے ساتھ ایک دوست بھی تو آیا تھا ناں کیا نام تھا اس کا ماہ نور نے سوچتے ہوئے کہا۔

اوہ ہاں یاد آیا نادر شاہ۔ ہم اس سے پتہ کرتے ہیں شاید اسے کچھ معلوم ہو امید کی ایک ننھی سی کرن نظر آئی۔

مگر ہم اس کو کہاں تلاش کریں آمنہ نے کہا۔

وہ ہر روز کرکٹ کھیلنے تو آتا ہو گا پارک میں ماہ نور نے کہا

انعم نے کہا ہاں وہ روز کھیلنے آتا تھا

چلو آپی پارک چلتے ہیں۔

نہیں تم جاؤ اور نادر شاہ ملے تو اس سے پوچھنا ۔

نہیں آپی چلو ناں ماہ نور اور آمنہ اسے زبردستی لے کر پارک کی طرف چل دیں انعم کو جتنی خوشی اس کو پانے کی ہوئی تھی اس سے کہیں زیادہ غم اور دکھ اس کے کھو جانے کا ہو رہا تھا۔ کیونکہ خوشی کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے اب غم ساری زندگی کا ملنا تھا تقدیر جانے کیوں اس کے ساتھ مذاق کر رہی تھی۔ پہلے وہ اجنبی اپنا بن کر اس کی زندگی میں آیا اور دل و دماغ میں چھا گیا پھر اس کے سارے خواب احساسات جذبات سب بکھر کر چلا گیا تھا وہ پارک میں داخل ہوئیں موسم آج ابر آلود تھا۔ ہر طرف پھول کھلے ہوئے تھے پارک میں کئی جوڑے آئے ہوئے تھے کوئی ادھر بیٹھا ہوا تھا اور پیار بھری باتیں

کرر ہا تھا۔ اور کوئی الگ تھلگ سے پودے کی اوٹ میں بیٹھے دنیا سے بے کبرا اپنے پار کو سامنے بٹھا کر یار دیدار میں محو تھا۔ جوان تو جوان بوڑھے بھی کچھ کم نہ تھے وہ بھی اپنی بیگمات کے ساتھ موسم سے لطف اندروز ہور ہے تھے کچھ سکول وکالج کے گروپس بھی پکنک منانے آئے ہوئے تھے کچھ لوگ اپنی فیملی اور جوڑے ... بغیر بھی تھے وہ آنے جانے والوں کو تک رہے تھے افسردہ بے زار سے ترسی نگاہوں سے جوڑوں کو دیکھ کر حسرت پوری کرر ہے تھے ہر طرف رنگ ہی رنگ تھے پھول ہی پھول تھے مسکراہٹیں تھیں پھولوں کی خوشبو پورے پارک کو معطر کر رہی تھی مگر انعم ان سب چیزوں سے بے نیاز تھی رونق ہونے کے باوجود اس کے اندر خاموشی تھی ویرانی تھی یہ شور شرابا خوشبو پھول رنگ مسکراہٹیں اسے زہر لگ رہی تھیں وہ پارک میں سب سے الگ تھلگ حصے میں جا بیٹھی وہ پریشان اور اداس تھی پہلی ہی بار کی جدائی اس کی برداشت سے باہر تھی اس کے بنا زندگی بے کیف اور بے رنگ لگ رہی تھی ماہ نور نے آمنہ سے کہا۔

آپی کے پاس ٹھہرو میں کچھ کھانے کے لیے لے کر آتی ہوں

اچانک وہاں دھواں ہی دھواں پھیل گیا پھر اس دھویں میں سے ایک خوفناک ہیولہ ظاہر ہوا

ہاہاہا۔ ایک ہیبت ناک آواز ماحول میں گونج گئی وہ انعم کی طرف بڑھا۔

کک کیا کون ہو تم ۔۔۔۔ اس نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔ ماہ نور اور آمنہ انعم کی طرف بھاگیں مگر وہ دیوان کے پہنچنے سے پہلے انعم کو پکڑ کر غائب ہو گیا تھا۔ ان دونوں کی چیخیں نکل گئیں پورے پارک میں خوف وہراس پھیل گیا بھگدڑ مچ گئی۔ ماہ نور اور آمنہ گرتے پڑتے گھر کی طرف بھاگی۔

ندیم کی جب آنکھ کھلی تو وہ ایک جونپڑی کے اندر چٹائی پر لیٹا ہوا تھا جھونپڑی کے اندر کچھ کچھ اندھیرا تھا اس کے جسم پر جگہ جگہ پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو درد سے بے اختیار اس کی چیخ نکل گئی۔ فوراً جھونپڑی کے اندر ایک پندرہ برس کی حسین وجمیل لڑکی داخل ہوئی۔

لیٹے رہو۔ ہلنے جلنے کی کوشش مت کرو۔ تم بری طرح زخمی ہو بھائی یا اللہ تیرا شکر ہے اس لڑکی نے اوپر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تمہیں بھائی آٹھ دن بعد ہوش آیا ہے۔

وہ سن کر حیران ہو گیا کہ میں اٹھ دن سے بے ہوش پڑا رہا ہوں۔

بھائی کون ہو تم اور اس صحرا میں کیسے گرے صحرا کا نام سنتے ہی تمام منظر اس کے دماغ کی سکرین پر چلنے لگا انعم کا خیال آتے ہی وہ چونک اٹھا

میں کہاں ہوں انعم کہاں ہے اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

کون انعم تم تو اکیلے ہی زخمی حالت میں گرے ملے تھے اور اس وقت تم جنگل میں ہو

ندیم نے نحیف آواز میں اپنی صحرا تک پہنچنے کی روداد سنائی۔

اوہ بھائی جان مجھے تو یہ کوئی شیطانی چکر لگتا ہے بابا جانی آتے ہیں ان کو بتانا وہ ضرور تمہاری مدد کریں گے۔

بہنا جی آپ کا نام کیا ہے اور اس جنگل میں کیوں رہتی ہو

میرا نام فلک ہے مجھے اپنے بابا جانی کے ساتھ رہنا اچھا لگتا ہے اور وہ اس جنگل کو پسند کرتے ہیں تا کہ اس خونی صحرا سے لوگوں کو بچا سکیں۔

خونی صحرا مطلب ندیم نے وضاحت چاہی۔

ہاں بھائی جان یہ جنگل کے پار خونی صحرا ہے

جو بھی گیا واپس نہیں آیا یہ تو خدا کا کرم ہے کہ آپ زندہ بچ گئے اتنی دیر میں سفید نورانی چہرے والا بزرگ جو جھونپڑی میں داخل ہوا

بابا جانی ۔۔بابا جانی۔۔دیکھو بھائی کو ہوش آ گیا ہے اور تم نے اس کے کان کھانا شروع کر دیئے اس نے مسکراتے ہوئے کہا

کیا میں زیادہ بولتی ہوں۔۔ اس نے منہ پھیلاتے ہوئے کہا۔

ارے نہیں بیٹا میں تو مذاق کرر ہا تھا ندیم نے اٹھنے کی کوشش کی ارے بیٹا لیٹے رہو ورنہ تمہارے زخم کھل جائیں گے۔۔

ندیم نے کہا باباجی میں نہیں جانتا کہ میں یہاں تک کس طرح آ گیا۔ پھر ندیم نے اپنے خوابوں سے لے کر صحرا تک پہنچنے کی تمام کہانی سنائی وہ بزرگ سوچ میں پڑ گیا۔

باباجی اس صحرا کے ساتھ میرا کیا تعلق ہے وہ لڑکی کون تھی اور مجھے کیسے جانتی تھی۔

ضرور اس صحرا کے ساتھ تمہارا کچھ تعلق ہے میں آج رات ایک چلہ کروں گا پھر پتہ چلے گا کہ تمہارا کیا تعلق ہے ان خوابوں کے پیچھے کیا راز چھپا ہے جو صرف تم کو ہی نظر آتے ہیں۔

اتنی دیر میں وہ لڑکی کھانا لے کر آئی۔

لو بیٹا کھانا کھاؤ باباجی نے تکیہ کے ساتھ سہارا لے کر بیٹھا۔۔تے ہوئے کہا اس نے کھانا کھاتے ہوئے سوچا ۔۔نہیں انعم نے کھانا بھی کھایا ہو گا کہ یا نہیں۔ اس نے بمشکل چند لقمے کھائے عشاء کا ٹائم ہو چکا تھا باباجی نے کہا۔

بیٹا تم آرام کرو میں چلہ کرتا ہوں فلک بیٹی اب باتوں میں مت لگا لینا۔

او کے بابا جانی اس نے منہ بناتے ہوئے کہا تو وہ بزرگ مسکراتے ہوئے چلے گئے۔

اچھا تو بھیا جی کیسی ہے تمہاری انعم جی اس نے شرارتی انداز میں کہا ندیم نے دیوار کی ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

بہنا جی کیا بتاؤں میں اس کے بارے میں بس یہ سمجھ لو وہ سوسویٹ ہے میں تو اس کا پیار پا کر اپنی قسمت پر رشک کرتا ہوں نجانے اب اسکا کیا حال ہو گا اٹھ دن کیسے گزارے ہوں گے اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔

ارے بھائی جان آپ تو ایسے رو رہے ہو جیسے وہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئی ہو بس کرو ناں کل آپ اس کے پاس ہوں گے اچھا چلو اب آرام کر لو وہ باہر چلی گئی وہ دونوں اتنے بے تکلفی سے بات کر رہے تھے جیسے برسوں کی پہنچان ہو۔

صبح جب ندیم کی آنکھ کھلی تو ہلکی ہلکی دھوپ دروزاے میں سے اندر آ رہی تھی اس کے زخموں پر تازہ پٹی بندھی ہوئی تھی وہ اپنے آپکو کافی بہتر محسوس کرر ہا تھا فلک نے اندر کی طرف دروازے سے جھانکا

باباجانی بھائی جان اٹھ گئے ہیں باباجی اندر آ گئے فلک بھی کھانا لے کر ندر آ گئی تینوں نے مل کر کھانا کھایا پھر باباجی گویا ہوئے۔

اس صحرا کے دوسری طرف ایک مندر ہے جو اب کھنڈرات کی شکل اختیار کر چکا ہے اس پر مہرولال نامی جادوگر رہتا ہے وہ افسرسیاب جادوگر کو زندہ کرنے کے لیے چلہ کر رہا ہے افسراسیاب جادوگر کی موت ایک چلہ کرتے ہوئے تھی جس وقت وہ مرا تھا عین اسی وقت ایک لڑکی نے جنم لیا تھا شیطان دیوتا نے مہرولال کو بتایا کہ اگر اس لڑکی کی بلی شیطان دیوتا کے قدموں میں دی جائے اور اس کے خون سے افسراسیاب جادوگر کی لاش کو غسل دیا جائے تو وہ زندہ ہو جائے گا لیکن شرط یہ تھی کہ بلی جب دی جائے جب وہ لڑکی اکیس برس کی

ہو جائے تب سے مہرولال نے افسراسیاب جادوگر کی لاش کو سنبھال کر رکھا ہوا تھا اور اس لڑکی پر اپنا طلسم بکھیر رکھا ہے تم نے خواب میں جو لڑکی دیکھی تھی وہ وہی لڑکی ہے اور جو ہیبت ناک شکل کا والا نظر آیا تھا وہ مہرولال ہے اور دیو تمہیں صحرا میں ملا تھا وہ مہرولال کا چیلہ سنگرام دیو ہے اگر مہرولال جادوگر افسراسیاب پھر سے زندہ ہو گیا اور مہرولال کے قبضہ میں چلا گیا تو دنیا میں تباہی مچ جائے گی۔

میرا اس تعلق ہے ان سب باتوں سے ۔وہ لڑکی کو نجو۔۔ میرا نام لے کر پکار رہی تھی ندیم نے بے تابی سے سوال کیا۔

صبر کر و بیٹا۔صبر سے وہ لڑکی کوئی اور نہیں انعم ہی ہے ندیم یوں اچھلا جیسے ہزاروں واٹ کی بجلی اس پر گری ہو۔

کک کیا کہہ رہے ہیں آپ باباجی۔گھبراہٹ سے اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

گھبراؤ نہیں بیٹا۔حوصلہ رکھو اور سنو انعم کو چھوتے ہی جو تمہیں کرنٹ محسوس ہوا تھا وہ سب شیطانی طلسم کا اثر تھا جو تمہارے چھوتے ہی ٹوٹ گیا تھا اسی ۔یے مہرولال سادھو تمہارا دشمن بن گیا ہے کیونکہ تمہارے اندر نورانی طاقت یعنی کہ سینے میں قرآن پاک تھی تمہارے بکس کے اندر ایک نورانی لاکٹ ہے اسے گلے میں ڈال لینا یہ نورانی تلوار اس کے ساتھ اس شیطان مہرولال کا مقابلہ کرنا دو دن بعد یعنی چودھویں رات کو جب چاند اپنے جوبن پر ہو گا اس وقت وہ انعم کی بلی دے گا کیونکہ وہ دو دن بعد وہ اکیس برس کی ہو جائے گی۔ ندیم نے تلوار پکڑ لی اور جانے کی اجازت طلب کی اپنی آنکھیں بند کرو اس نے اپنی آنکھیں بند کیں تو خود کو ہوا میں اڑتا ہوا محسوس کیا تھوڑی دیر بعد باباجی کی آواز سنائی دی۔

اپنی آنکھیں کھول دو جاؤ بیٹا خدا تمہارا حامی و ناصر ہو گا میں تمہاری مدد کرتا رہوں گا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ اپنے ہوسٹل کے سامنے کھڑا تھا وہ فوراً انعم کے گھر کی طرف بھاگا جب وہ انعم کے گھر کے سامنے پہنچا تو لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر حیران رہ گیا اسکے دل میں طرح طرح کے خیال آنے لگے اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ لوگ انکے گھر کیوں جمع ہو رہے ہیں وہ ہجوم کو چیرتا ہوا انعم کو تلاش کرنے لگا مگر وہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی اچانک اس کی نظر اسکی ماما پر پڑی جسے ماہ نور اور آمنہ تھامے بیٹھی تھی۔

وہ ان کی طرف بڑھا۔تو آمنہ کی نظر اس پر پڑی

وہ وہ خالہ جان بھائی ندیم انہوں نے نظریں اٹھائیں۔

اسلام وعلیکم آنٹی جان کیا ہوا ندیم نے ادھر ادھر لوگوں کے ہجوم دیکھتے ہوئے پوچھا۔

انعم ۔۔اتنا کہتے ہوئے ان کی آواز گلے میں دب گئی۔

کیا ہوا انعم کو۔۔ کیا ہوا انعم کو۔۔ اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

اسے کوئی جن اٹھا کر لے گیا ہے۔۔ ماہ نور نے روتے ہوئے کہا۔

اوشٹ ندیم نے اپنا سر پکڑتے ہوئے کہا۔

یہ بھائی تمہیں کیا ہوا یہ پٹیاں ۔ندیم نے مختصر سی تمام بات ماہ نور کو بتائی پھر ماہ نور نے انعم کی اسکے جانے کے بعد کی تمام بات بتائی جسے سن کر ندیم نے سر جھکا لیا۔

تم آنٹی کا خیال رکھو میں انعم کو کچھ نہیں ہونے دوں گا جلدی سے ہوسٹل کی طرف آیا۔ جیسے ہی وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو نادرشاہ اسکی طرف لپکا۔

کیا ہوا تم کہاں تھے اتنے دنوں سے اور یہ پٹیاں ۔۔نادرشاہ نے گھبراتے ہوئے اتنے سوال

یکدم کر ذ ا ۔ ۔۔

میں کردیار بتا تا ہوں وہ تیزی سے اپنے بکس کا سامان الٹ پلٹ کرتے ہوئے بولا۔

آخر بات کیا ہے تم کیا تلاش کر رہے ہو بتاؤ تو سہی ۔نادر شاہ نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا ندیم نے اسے تمام قصہ سنا دیا۔

اوہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔

نہیں تم نہیں جاؤ گے۔

نہیں میں بھی جاؤں گا۔۔۔۔ وہ بھی ضد کرتے ہوئے بولا۔

- - - - - - - - - - - - - -

انعم کی آنکھ کھلی تو اسے اندھیرے کے سوا کچھ بھی نظر نہ آیا۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہوئیں تو اسے یہ تہہ خانہ معلوم ہوا اسے شدید قسم کی بدبو محسوس ہوئی جس سے اس کا جی متلانے لگا وہ چند قدم آگے بڑھی ہی تھی کہ کسی گول چیز سے ٹھوکر کھا کر گر پڑی اس نے اٹھ کر ٹٹول کر دیکھا تو اسے تربوز نما چیز محسوس ہوئی ہاتھ پھیرنے اور غور کرنے پر وہ بے ساختہ چیخ اٹھی اس کا سارا جسم سنسنا اٹھا یہ انسانی سر تھا جس سے بے شمار رگیں لٹک رہی تھیں۔اس طرح کے بے شمار سر ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے بدبو انہی کٹے ہوئے سروں سے آرہی تھی خوف ودہشت سے وہ لرز رہی تھی

یہ وسیع وعریض ہال نما تہہ خانہ تھا جس میں جابجا انسانی سر پڑے ہوئے تھے انہی سروں کو دیکھتے ہوئے وہ چیخ رہی تھی وہ کافی دیر تک ان سروں سے ٹکراتی گرتی پڑتی گھوم رہی تھی ۔کہ اچانک اس کی نظر سامنے روشندان پر پڑی تو کچھ فاصلہ پر ننگے بدن کا ایک سادھو بیٹھا نظر آیا۔جس نے پیلے رنگ کی لنگوٹی باندھ رکھی تھی روشن دان کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔

کک کون ہو تم اور مجھے یہاں لائے ہو انعم نے ڈرتے ہوئے کہا۔

اس نے مڑ کر انعم کی طرف دیکھا انعم کا چہرہ حیرت وخوف سے زرد پڑ گیا تھا چہرہ اتنا بھیانک تھا کہ اگر کمزور دل اسے دیکھ لیتا تو اسی وقت مر جاتا۔

ہاہاہا تیری موت۔ اتنی دیر میں ایک دیو حاضر ہوا

مہاراج کی جے ہو جے ہو مہرو لال نے اس کی طرف دیکھا۔

مہاراج وہ نوجوان بچ گیا ہے اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔

یہ کیا کہہ رہے ہو تم مہرو لال نے غصہ سے دھاڑتے ہوئے کہا۔

ہاں مہاراج وہ بچ گیا ہے اور اب وہ صحرا میں داخل ہو چکا ہے

وہ سادھو کچھ دیر سوچتا رہا۔پھر بولا جاؤ اور اسے صحرا میں ختم کردو وہ مندر تک پہنچنے نہ پائے۔

جو حکم مہاراج اس نے سر جھکایا اور غائب ہو گیا۔انعم پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھی وہ سادھو چکر لگانے لگا وہ خاصا پریشان دکھائی دے رہا تھا۔کیونکہ وہ اکیس سال سے یہ خواب دیکھ رہا تھا کہ وہ اس لڑکی کی بلی دے کر افراسیاب جادوگر کی لاش کو اپنے قبضے میں کر کے شکتی شالی سادھو بن جائے گا مگر یہ نوجوان اس کے خواب کے پورا ہونے میں رکاوٹ ڈال رہا تھا وہ اس سوچ کے ساتھ تہہ خانے کی طرف بڑھا کہ جتنی جلدی ہو سکے وہ اس لڑکی کی بلی چڑھا دے وہ اسی ارادے سے لڑکی کی طرف بڑھا۔انعم ہراساں نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی اسنے انعم کو بازو سے پکڑا اور تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھنے لگا چھوڑو مجھے وہ چلائی اورخود کو چھڑانے کے لیے ہاتھ پاؤں چلانے لگی

دیکھنے میں وہ سادھو بوڑھا نظر آتا تھا مگر اس

کی گرفت بہت مضبوط تھی انعم کی مزاحمت جاری تھی لیکن صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اس کی مزاحمت اس چڑیا کی مانند ہے جس کو باز اپنے بے رحم پنجوں میں دبوچ چکا ہوتا ہے وہ اس کو گھسیٹتے ہوئے شیطان کے بت کی طرف لے کر جا رہا تھا۔ جبکہ انعم بے بسی سے چیخ رہی تھی

ندیم اور نادر شاہ صحرا میں داخل ہو چکے تھے ندیم اسی راستے سے آیا تھا جس سے ہیولہ کا پیچھے چلتا ہوا آیا تھا مگر اب وہ سوچ رہے تھے کہ وہ آگے کس طرف جائیں یہی وہ صحرا ہے جو میں اکثر دیکھا کرتا ہوں ندیم نے نادر شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

چلو جی اب بیداری کی حالت میں آگے چل کر دیکھتے ہیں کہ وہ مندر کہاں ہے نادر بولا۔

ہاں جی اب تو دیکھنا ہی پڑے گا وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے مشرقی سمت بڑھ رہے تھے کہ انہیں دور سے گردوغبار اڑتا ہوا دکھائی دیا۔

اب یہ کیا مصیبت نازل ہو رہی ہے نادر شاہ نے کہا دیکھتے جاؤ آگے کیا ہوتا ہے۔ میں نے تمہیں روکا تھا کہ تم ہوسٹل میں ہی رہو مگر تم ہو کہ کسی کی مانتے نہیں ہو وہ گردوغبار قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا اب وہ ایک بگولے کی شکل اختیار کر چکا تھا صحرا کی ریت اس کے حسن میں مزید اضافہ کر رہی تھی ہوا شائیں شائیں کر رہی تھی یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے کئی چڑیلیں مل کر بین کر رہی ہوں۔انہوں نے مضبوطی سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا تھا۔ پھر بھی بار بار انکے قدم ڈگمگا رہے تھے ہاہاہا۔ آواز کی گونج سنائی دی۔ یکدم نادر شاہ کو دھکا لگا وہ دونوں منہ کے بل گر پڑے کیونکہ ایک دوسرے کا ہاتھ جو تھاما ہوا تھا ندیم نے ہمت کرتے ہوئے کہا۔

اے شیطان مردود کی نسل ہمت ہے تو سامنے آ کر مقابلہ کر بزدلوں کی طرح چھپ کر کیوں وار کرتا ہے یکایک اس بگولے نے ایک خوفناک شکل اختیار کر لی اور کچھ پڑھ کر پھونک ماری تو آگ کی چنگاری ان کی طرف بڑھی ندیم نے فوراً تلوار آگے کر دی چنگاڑی تلوار سے ٹکراتے ہی بجھ گئی وہ یہ دیکھ کر اور بھی غضب ناک ہو گیا پھر وار کیا مگر ندیم نے ناکام بنا دیا۔ تو اس نے غصہ میں آ کر فضا میں ہاتھ بلند کیا تو اس کے ہاتھ میں تلوار آ گئی وہ تلوار سے ندیم پر وار کرنے لگا ندیم شروع میں تو اس کے وار روکتا رہا جب وہ کمزور پڑ گیا تو ندیم نے تلوار پر وار روکا اور پلٹ کر اس کے سینے پر فلائنگ کک رسید کر دی مگر وہ خود ہی منہ کے بل گر پڑا۔

ہاہاہا۔ ہاہاہا۔ وہ زور زور سے قہقہہ لگانے لگا ندیم کے جسم سے درد کی ٹھیسیں ابھرنے لگیں وہ درد سے بلبلا رہا تھا دیو اس کی طرف بڑھنے لگا اور جیسے ہی وار کرنے لگا ندیم نے اپنا لاکٹ اس کی طرف اچھال دیا۔ جو سیدھا اس کے گلے میں پڑ گیا وہ خوفناک انداز میں چیختے ہوئے چکر کاٹنے لگا کچھ ہی دیر میں اس کا وجود دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہو گیا۔ نادر شاہ دوڑ کر ندیم کے پاس پہنچا اس کے زخم کھل چکے تھے اب ان زخموں سے خون بہہ رہا تھا نادر شاہ نے اپنا رومال نکالا اور اس کے زخموں پر باندھ دیا۔

چلو ہمیں پاس ٹائم بہت کم ہے یہ پتہ ہو کہ وہ انعم کو۔۔۔ندیم نے جملہ مکمل ہونے سے قبل اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

نہیں نادر نہیں میری انعم کو کچھ نہیں ہوگا۔

وہ نادر شاہ کا سہارا لیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور مشرقی سمت چل پڑا۔اس کے زخموں سے خون نکل نکل کر صحرا کی پیاس کو بجھا رہا تھا مگر اسے اپنی جان انعم کی فکر ستائے جا رہی تھی طرح طرح کے وسوسوں نے اس کے ذہن میں ڈیرہ ڈال رکھا تھا وہ

تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا مشرقی جانب بڑھ رہے تھے انہیں دور سے مندر کے کچھ آثار دکھائی دیئے تو ان کے قدموں میں تیزی آ گئی سورج غروب ہو چکا تھا مگر ابھی اندھیرا نہیں چھایا تھا دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھی وہ چپ چاپ آگے بڑھتے جا رہے تھے اب کچھ ہی فاصلہ پر تھے کہ اچانک اسے چیخ سنائی دی۔

ندیم بچاؤ۔ مجھے بچالو مجھے یہاں سے نکالو۔ یہ درندہ مجھے مار دے گا۔

وہی جگہ تھی ہر طرف ویرانی ہی ویرانی تھی وہی ٹوٹا پھوٹا مندر تھا اس کے سامنے وہی منظر تھا اس کی نظروں کے سامنے آ گیا تھا جو وہ خواب دیکھتا آیا تھا اسے پھر چیخ سنائی دی تو اس نے اپنے زخموں کو بھول کر مندر کی طرف دوڑ لگا دی۔ نادر شاہ بھی اس کے پیچھے دوڑتا چلا گیا۔ جوں ہی وہ مندر میں داخل ہوا تو بت کے قدموں میں انعم کو بندھے دیکھا اس کے سامنے مہرولال بیٹھا کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ ندیم غصہ سے آگے بڑھا تو ایک خوفناک شکل کی چڑیل اس کے راستے میں حائل ہوگئی۔ اس نے ندیم کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ندیم نے غصہ سے تلوار ماری کہ اس کا ہاتھ کٹ کر دور جا گرا۔ وہ چیختی ہوئی غائب ہوگئی اس کی چیخ کی آواز سن کر ساھو مہرولال نے پلٹ کر دیکھا سامنے ندیم کھڑا تھا ندیم کو کھڑے دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اے آدم زاد تیری اتنی جرات کہ یہاں تک بھی پہنچ گیا۔

ہاں مردود شیطان کی اولاد میں تجھے جہنم رسید کرنے آ گیا ہوں۔

ہاہاہا۔ ہاہاہا۔ تو مجھے مارے گا تو یہاں آ تو گیا ہے مگر واپس نہیں جائے گا۔

اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے فضا میں ہاتھ بلند کیا تو ایک تلوار اسکے ہاتھ میں آ گئی۔ اس نے انعم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا لو بچالو۔

پھر وہ تلوار لے کر انعم کی طرف بڑھا ندیم آگے بڑھا تو بے شمار جن اسکی راہ میں دیوار بن گے ان نے تیزی سے تلوار چلانا شروع کر دی مگر جتنے مرتے اتنے ہی اور نکل آتے انعم کی چیخوں کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

ندیم بچاؤ۔ ندیم بچاؤ۔

اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ مہرولال نے انعم کو مارنے کے لیے تلوار بلند کی تو ندیم نے جمپ لگایا اور جنات کے اوپر سے اڑتا ہوا مہرولال پر جا گرا۔ مہرولال اچھل کر دور جا گرا۔ مگر فوراً پلٹ کر ندیم پر وار کرنے لگا ندیم ایک طرف پلٹا کھایا مہرولال پاگلوں کی طرح پے در پے تلوار سے وار کر رہا تھا جبکہ ندیم بمشکل اپنا بچاؤ کر رہا تھا کئی نیو زخم آ چکے تھے اور پرانے زخم سے بھی خون بہہ رہا تھا کئی بار اس کے قدم ڈگمائے مگر انعم کی چیخیں اس میں ہمت پیدا کر رہی تھیں وہ خود بھی اپنے ہاتھوں کو کھولنے کی کوشش کر رہی تھی ادھر نادر شاہ بھی جنات کے ہجوم میں گم ہو گیا تھا مہرولال نے زور سے وار کیا تو تلوار ندیم کے بازو سے گوشت کو اڑاتی ہوئی گزر گئی ندیم زخموں سے خون بہہ جانے کی وجہ سے بالکل نڈھال ہو چکا تھا اس میں کھڑا ہونے کی بھی ہمت نہ رہی تھی۔ وہ اپنے ہی خون میں نہایا ہوا تھا۔

اتنی دیر میں انعم اپنے ہاتھوں کی رسیاں کھولنے میں کامیاب ہو چکی تھی مہرولال نے ندیم کی گردن کا نشانہ لے کر تلوار بلند کی تو انعم نے پیچھے سے زور سے دھکا دیا کہ وہ منہ کے بل گر پڑا اور تلوار اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر دور جا گری انعم نے فوراً تلوار اٹھا کر ندیم کی طرف اچھال دی ندیم نے پوری ہمت یکجا کی اور سپرنگ کی مانند تلوار سیدھی کر کے مہرولال پر جا گرا تلوار مہرولال کے دل کو چیرتی

ہوئی پار ہوگئی اس کے منہ سے دلخراش چیخ نکلی اور وہی ٹھنڈا ہوگیا اس کے ساتھ ہی تمام جنات بھی غائب ہو گئے ندیم لڑکھڑاتا ہوا دوسری طرف گر گیا۔ انعم اور نادر شاہ فوراً اس کی طرف دوڑے مندر کے درو دیوار ہلنے لگ گئے انہوں نے ندیم کے ہاتھ اپنے کندھوں پر رکھے اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ جیسے ہی وہ مندر سے باہر نکلے مندر دھڑام کی آواز کے ساتھ نیست و نابوت ہوگیا انہوں نے خدا کا شکرادا کیا۔

کہاں چلے گئے تھے تم۔ کیا حال ہوا میرا جانتے ہو۔ انعم اتنا ہی کہہ پائی کہ اچانک وہاں بابا جی حاضر ہوئے اور ندیم کو مبارک باد دی۔ پھر بولا۔

چلو بیٹا فلک تم سب کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہے فلک کا نام سن کر انعم نے حیرت سے ندیم کی طرف دیکھا جیسے وضاحت چاہتی ہو کہ فلک کون ہے ندیم فوراً بھانپ گیا اور ہلکی سی مسکان اس کے لبوں پر بکھر گئی۔

ہاں بابا جی میرا بھی دل چاہتا ہے کہ ان سے مل کر جاؤں۔

سب اپنی آنکھیں بند کرلو بابا جی نے کہا۔ اور سب نے ہی اپنی آنکھوں کو بند کرلیا۔ اور انہیں یوں محسوس ہوا جیسے وہ ہوا میں اڑ رہے ہوں دو منٹ بعد بابا جی کے کہنے پر جب انہوں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو وہ ایک جھونپڑی کے پاس کھڑے تھے ان کے سامنے ایک حسین و جمیل لڑکی بھی کھڑی تھی انعم ابھی تک اس کے بارے میں متجسس تھی۔

اوہ تو یہ ہے ہمارے بھائی جان کی شہزادی۔ اس نے انعم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا تب انعم کو سکون ملا اس نے دل میں شکرادا کیا۔

بہت پیاری ہے میرے بھائی جان کی شہزادی اس نے انعم کے گلے ملتے ہوئے کہا۔ جس پر انعم بھی مسکرادی۔ پھر وہ ندیم کی طرف آئی اور بولی۔

بھائی جان نہانے کو سرخ پانی کہاں سے مل گیا جس پر سب ہی ہنس پڑے کچھ دیر بعد ندیم نے بابا جی سے اجازت چاہی فلک نے پھر آنے کا وعدہ لیا اور نم آنکھوں سے الوداع کہا۔

بابا جی کے کہنے پر انہوں نے اپنی آنکھیں پھر سے بند کرلیں جب کھولیں تو وہ انعم کے گھر کے سامنے کھڑے تھے جہاں ابھی تک لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا انعم بھاگتی ہوئی جا کر اپنی ماما جان کے گلے سے لگ گئی۔ یوں اچانک انعم کو دیکھ کر سب ہی حیران رہ گئے۔

کہاں چلی گئی تھی میری بیٹی مجھے چھوڑ کر اس کی ماما خوشی کے ملے جلے تاثرات سے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ کون لے کر آیا تجھے اس کی ماما جان نے اتنا ہی کہا تھا کہ جھٹ انعم کو ندیم کا خیال آیا اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو ندیم نظر نہ آیا وہ دیوانہ وار لوگوں کے ہجوم میں ندیم کو تلاش کرنے لگی مگر وہ جا چکا تھا اب بھی انعم اس کو تلاش کر رہی ہے۔ نجانے ندیم کہاں چلا گیا تھا۔

قارئین کرام کیسی لگی میری کہانی اپنی قیمتی رائے سے مجھے ضرور نوازیئے گا۔ بالخصوص مصباح کریم میواتی آپی کشور کرن آپی نادیہ تبسم آپی فلک زاہد۔ نادر شاہ انعم محمود بٹ اینڈ ماہ نور ہمیں ان کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔

اقوال زریں

☆ اگر تم چاہتے ہو کہ خوش رہو تو دوسروں کو بھی خوش رکھو۔

☆ اعتماد وہ شیشہ ہے جو ایک بار ٹوٹ کر کبھی نہیں جڑتا۔

تیرتے عکس

۔۔تحریر۔شکیل احمد۔کراچی۔0345.8110194

میں دھیرے دھیرے اس کی جانب بڑھتی ہوئی بولی میں ایک روح ہوں ایک بے ترار روح میں ہر ادھوری محبت کرنے والے جھوٹے آدمی کو ماردوں گی اورتم میں چھپے اس کی جھل نظر آئی جس سے میں محبت کرتی تھی وہ بھی تمہاری ہی طرح مجھے ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا تھا پر خود ہی میری خوشی چھین لی اس نے کسی کا چین چھین کر قرار لوٹ لیا اسے خوش رہنے کو کیسے کوئی کہہ سکتا ہے پانی میں تیرتے میری محبت کے عکس مجھے بے چین کرتے ہیں بے قرار رکھتے ہیں اس لیے اپنی سکون کی خاطر میں سب کو ماردوں گی یہ کہہ کر میں نے ہاتھ ہوا میں لہرایا اور چاکو خان کے دل میں اتار دیا پھر اس کا سینہ چاک کر کے دل نکال دیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ یہ سب کر کے مجھے بہت خوشی ہوئی کاش میں بابو کا بھی یہ حال کرتی پر یہ مجھ سے گوارہ نہ ہوا خان کو مار کر کچھ دن میں بہت دکھی ہوئی تھی پر کیا کرتی اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکی تھی مجھے اس کی باتوں میں سچائی دیکھتی تھی پر میں تو مر کر بھی بابو کو ہی چاہتی تھی اسے خوش دیکھنا چاہتی تھی اس لیے اپنے غصہ کسی اور پر اتار نہ تھا۔ کئی دن اس پریشانی میں گزر گئے تھے پھر ایک دن پارک میں عارف کو دیکھا جو کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور لڑکی رو رو کر کہہ رہی تھی۔ عارف کچھ کرو میں تم سے پیار کرتی ہوں اور تمہارے بغیر نہیں جی سکتی میں مرجاؤں گی عارف بولا میں مجبور ہوں میں تم سے پیار کرتا ہوں پر تمہیں پا نہیں سکتا تم خوش رہو بس مجھے اس کے ان لفظوں پر سخت غصہ آیا میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے وہیں پر ماردوں پھر میں نے اس سے ملاقات کا سلسلہ بنایا آخر کئی دن بعد وہ بھی چاہنے لگا۔ ایک دن میں نے عارف سے کہا کہ عارف تم نے کسی اور کو چاہا ہے کیا وہ بولا نہیں میں صرف تمہیں چاہتا ہوں میں اس کی بات سن کر مسکرا دی اور سوچنے لگی کہ میں اگر روح نہ ہوتی تو شاید اس کی بات پہ اعتبار کر لیتی پر میں سب جانتی تھی۔ ایک دن ہم دیر تک گھومتے رہے بہت دیر ہوگئی تھی وہ یہاں لے آیا پھر میں نے اسے مار دیا میں جنونی ہو چکی ہوں پر کس کس کو ماروں گی۔ ایک سنسنی خیز کہانی۔

کمرے میں گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا میں خاموش سر جھکائے اپنے پیروں کو تکے جا رہی تھی جیسے کوئی اپنے ہاتھوں میں تھامے کئی بار اپنی گہری اور پائیدار محبت کا اظہار کر چکا تھا۔ اسے میرے وجود میں میرے پاؤں سے بہت محبت تھی وہ ہر بار ملنے پر مجھے کہتا۔

انیلہ تمہارے پاؤں بہت خوبصورت ہیں میرا بس چلے تو ہر دم ہر پل صرف انہیں دیکھتا رہوں

جب وہ میرے پاؤں اپنوں ہاتھوں سے چھوتا تو میں ناراض ہو جاتی کہتی۔

تم ایسا نہ کیا کرو مجھے شرمندگی ہوتی ہے۔

وہ مسکرا کر کہتا۔ جب تم میری ہو تمہاری ہر شے ہر ادا پر صرف میرا حق ہے تو پھر میں کیوں نہ چھوؤں

تو میں مسکرا کر سر جھکا لیتی تھی۔ جب بھی میں اپنے دونوں پاؤں اس کے پاؤں کے اوپر رکھتی تو وہ اک سرد آہ بھر کے کہتا۔

اب انہیں ہٹانا مت۔ میرے پورے جسم میں ایک کرنٹ کی لہر سی دوڑ جاتی تھی اور میرا دل پرسکون

ہو جاتا ہے۔
میں اس کی ان باتوں پر مزید نکھر جاتی ہوں میں سر جھکائے ایسی باتوں کو سوچ رہ تھی کہ اشک میری آنکھوں سے بہہ کر رخساروں کو تر کرتے ہوئے دامن کو بھگو رہے تھے یہ میرا جنون انتقام تھا یا میری ناکام محبت اس میں الجھی میں سر جھکائے بیٹھی تھی کہ ندیم کی آواز سنائی دی۔
انیلہ بولتی کیوں نہیں۔
میں جو سوچوں میں مگھن تھی سر اٹھا کر ندیم کی طرف دیکھا اور دھیرے سے بولی۔
ندیم کیا بولوں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی میں تھک چکی ہوں اب میں واپس اپنی دنیا میں جانا چاہتی ہوں میرے دل کے سمندر میں اس کی محبت کے تیرتے عکس مجھے آج بھی بے چین کئے ہوئے ہیں وہ کہتا تھا کہ وہ صرف اور صرف میرا ہے پھر کسی اور کا کیسے ہو گیا میرا دل دماغ اس بات کو ماننے کو تیار نہیں پر حقیقت تو حقیقت ہوتی ہے اسی لیے میں نے غصے میں ہر نا کام محبت کرنے والوں کو مار دیا پر میں کس کس کو ماروں یہاں تو ہر انسان چہرے پر ایک دکھلاوے کا نقاب اوڑھے ہوئے ہے جسے سمجھنا بہت مشکل ہے
میں سوچتی ہوں کہ کیوں انسان سب جانتے ہوئے بھی کسی کی جھوٹی محبت اور جھوٹی باتوں پر اعتماد کر لیتا ہے جب کہ اسے سب خبر ہوتی ہے کچھ لوگ کسی کو اپناتے نہیں صرف جب تک ان کی زندگی میں کوئی اور مشغلہ نہ ہو تو اسی طرح دل بہلاتے ہیں مجھے بھی سب خبر تھی کہ وہ میرا ہو نہیں سکتا پر پھر بھی اپنی ساری زندگی اس کے نام کر دی اور اسکی باتوں میں آ کر سب اس پر قربان کر دیا کاش میں دل کی نہ سنتی پر محبت تو اندھی ہوتی ہے جو محبوب کے عیبوں کو بھی نہیں دیکھ سکتی اسی لیے بے خبر اس کی طرف آ کر واپسی کے سب دروازے بند کر آئی تھی پر وہ میرے آنے سے پہلے اور کسی کا ہو گیا۔ پھر میں زندہ رہ کر کیا کرتی تم ہی بتاؤ۔ میرے خاموش ہوتے ہی ندیم بولا۔
انیلہ تم مجھے شروع سے بتاؤ کہ تم نے ایسا کیوں کہا ایسا کیا ہوا تمہارے ساتھ جو تم دوستوں کی جان لینے لگی مجھے ساری حقیقت بتاؤ۔
ندیم کے سوالوں سے کھل کر میں نے ایک نظر کمرے میں دوڑائی جہاں صوفے پر عارف کی لاش پڑی تھی۔ جسے میں نے مارا تھا پر پھر اچانک وہاں ندیم آ گیا جو میرا کسی زمانے میں بہترین دوست ہوا کرتا تھا میں نے اک آہ بھری اور ندیم کی طرف دیکھا جو میرے لب ہلنے کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
ندیم میں تمہیں شروع سے بتاتی ہوں کہ میں نے تمہارے دوست اور اس جیسے کئی لوگوں کو کیوں مارا پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد دوبارہ ندیم کی طرف دیکھا جو مجھے پر اشتیاق نظروں سے گھور رہا تھا میں نے اس کی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے دوبارہ کہنا شروع کر دیا۔
عمر ہم نے جن کے پانے کی کیں تھی دعائیں
وہ کسی اور کو پا کر یہ تمنا نہیں رکھتا۔
ندیم تمہاری محبت کو ٹھکرا کر میں ایک کمپنی میں کام کرنے لگ گئی تھی جہاں میری ملاقات بابو سے ہوئی اسے پہلی ہی نظر میں دیکھتے ہی میں نے اپنا دل اسے دے بیٹھی تھی پھر اکثر بہانے بہانے سے میں اس سے بات کرنے لگی اور اسے دیکھتی تھی اس کی آنکھوں میں میں نے کئی بار اپنے لیے پسندیدگی دیکھی تھی پھر پتہ ہی نہ چلا اور اس نے محبت کا اظہار کر دیا میں انجان نمبر سے اسے محبت بھرے میسج بھیجتی رہی جس سے اسے ایک پتہ چل گیا۔
اس نے کہا انیلہ" میں تمہیں پہلی ہی نظر سے پسند کرنے لگا تھا پر تمہاری سنجیدہ طبیعت کی وجہ سے بات نہ کر سکا پر میں تم سے پیار کرتا ہوں بے پناہ۔
یہ سن کر میں بہت خوش ہوئی اس نے پہلی ہی بار

اپنے لب میرے ماتھے سے ٹکرائے جس کی شدت
اور چاہت سے میں پوری رات سو نہ سکی تھی پھر میں
نے اس کی خاطر اپنی سب عادتیں بدل ڈالی جس
طرح اس نے چاہا اسے پسند تھا میں وہ کرتی تھی اس
کی خاطر اسے پانے کی تمنا میں میں نے اپنا روکھا پن
اپنی انا اپنی شرم کو چھوڑ دیا تھا اور اپنے آپ کو اس کی
خواہشوں پر قربان کر دیا تھا۔

وہ مجھے اکثر کہتا تھا کہ تمہارے پاؤں بے انتہا
خوبصورت ہیں انہیں چھپا کر رکھا کرو کہیں میری نظر نہ
لگ جائے۔

میں تو اپنا وجود تک اسے دے چکی تھی میں اسے
جلد پانا چاہتی تھی مکمل طور پر تا کہ اس پر صرف میرا حق
ہو اور کسی کا کوئی نہ دیکھ سکے پر میرے گھر والے اس
رشتے پر رضا مند نہ تھے وہ گاؤں میں رہتا تھا پھر وہ
اچانک گاؤں چلا گیا میں بہت اداس ہوئی تھی اسے
کھونے کا ڈر تھا دل میں۔ پر وہ بول کر گیا تھا کہ وہ
مرتے دم تک صرف مجھ سے محبت کرتا رہے گا اور
صرف میرا ہی ہے۔

پھر جب کافی دن بعد وہ رابطہ نہ ہوا تو میں گھر
چھوڑ کر اس کے پاس چلی گئی۔ وہاں جا کر پتہ چلا کہ
اس نے شادی کر لی ہے اور وہ اپنی بیوی سے بہت
پیار کرتا ہے میں اس سے ملی اور کہا۔

میں سب چھوڑ کر آئی ہوں صرف تمہارے لیے
آئی ہوں۔

اس نے کہا انیلہ میری اب زندگی شروع ہوئی
ہے مجبوری ہے میں اسے نہیں چھوڑ سکتا پر میں تم سے
پیار بہت کرتا ہوں تم اپنی زندگی برباد نہ کرو اور خوش
رہو میرا خیال چھوڑ دو۔

یہ سن کر میں بہت روئی تھی پر وہ کہتا تھا میں مجبور
ہوں آخر وہاں سے لوٹ کر میں نے رات کو اندھیر
ے میں سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی اور لہروں میں
کھوتی ہوئی چلی گئی پھر میرا جسم سمندر کی لہروں میں کھو
گیا تھا پر میری روح وہی رہی تھی مجھے مر کر بھی سکون
نہیں تھا آخر میں نے فیصلہ کر لیا اور چل پڑی کہ ہر
بے وفا کو اور ادھوری محبت کرنے والے کو مار دوں گی
اس لیے وہاں سے چل پڑی سمندر میں اپنی محبت کے
تیرتے عکس کو کئی بار دیکھا پلٹ کر دیکھا پر عکس تو عکس
ہوتا ہے۔

جلد میری ملاقات امجد سے ہوگئی اور جو ہر لڑکی
سے محبت کرتا تھا میں نے خود کو خوبصورت روپ میں
تبدیل کی اور اس کے آس پاس اکثر رہنے لگی وہ جلد
مجھ پر فدا ہو گیا اور مجھ سے دوستی کی درخواست کی جسے
میں نے قبول کر لیا وہ مجھے ملنے لگا۔ پھر ایک دن اس
نے مجھے اپنے گھر بلایا وہ اکیلے ہی رہتا تھا میں جب
اس کے پاس گئی تو اس نے شربت میں بے ہوشی کی
دوائی ڈال کر پلائی پر میں تو روح تھی جب اس نے
چھونا چاہا تو اس کا ہاتھ آر پار میرے وجود سے گزر گیا
تھا جس کی وجہ سے وہ ڈر گیا اور گھبرا کر دروازے کی
جانب بڑھا تھا پر وہ کھول نہ پایا میں نے گلے میں
پھندا ڈال کر لٹکا دیا وہ تڑپنے لگا اور جلد ہی مر گیا مجھے
اس پہ بہت سکون ملا اور میں بہت خوش ہوئی کہ ایک
ادھوری محبت کرنے والے کو اس کے انجام تک پہنچا دیا

پھر میری دوسری رضوان سے ہوئی جو ایک کمپنی
میں کام کرتا تھا اور ہر خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر دل
دے دیتا تھا میں نے اسے بھی اپنی طرف مائل کیا پھر
ایک دن کمپنی کی چھت پر سے گرا دیا اور آخر کار وہ بھی
ختم ہو گیا تھا میں اس طرح کئی لوگوں کو مارا آخر میں
میری زندگی میں خان آیا جو خود پر بہت ناز کرتا تھا میں
اکثر اس سے ملنے لگی تھی اسے مارنے کو میرا دل نہیں
کرتا تھا وہ مجھ سے بے پناہ پیار کرنے لگا تھا میں کئی بار
کئی جگہ پر اس تنہائی میں ملی تھی پر اسے مجھ سے محبت
بے انتہا تھی اس لیے اس نے کبھی اپنی حد پار نہیں کی وہ
اکثر مجھے دیکھتے ہوئے کہتا۔

انیلہ میں تمہیں بے پناہ خوشیاں دینا چاہتا ہوں

تا کہ تمہارے چہرے پر اداسی نہ آئے۔

جب میں اداس رہتی تو وہ کہتا۔

جب تم اداس یا پریشان ہوتی ہو میرے دل پر آرے چلتے ہیں تم اداس نہ رہا کرو۔

اسے کیا پتہ تھا کہ میں کیوں اداس ہوتی تھی مجھے بابو اکثر یاد آتا اس کی مسکراہٹ جو میرے دل میں اتر جاتی تھی اس کے چہرے پر ڈمپل بہت پیارا لگتا تھا اور اس کی وہ محبت بھری باتیں مجھے اداس کر جاتی تھی میں اس سے بہت پیار کرتی تھی میں شروع سے بہت ضدی تھی اور انا پرست تھی کسی سے بھی سروکار نہ رکھتی تھی نہ ہی کسی سے بات کرتی تھی پر اس پر سب قربان کر کے بھی اسے نا پا سکی تھی یہ بات میرے اندر آگ لگا دیتی وہ اور کا ہے یہ سوچ میں ڈوب جاتی تھی پر اس کی خوشی کی خاطر میں اسے بھی کچھ نہ کہہ سکی تھی میں چاہتی تو اسے پل بھر میں مار سکتی تھی پر مجھے یہ بات قبول نہ تھی کہ وہ پریشان ہو یا اس پر کوئی خراش بھی آئے۔ اس لیے اس کا غصہ اوروں پر اتارنے لگی۔

مجھے آج بھی یاد ہے ایک بار کسی وجہ سے میری اس سے لڑائی ہوگئی تو اس نے مجھ سے کہا

تمہیں زیادہ ہی خوش فہمی ہوگئی ہے

اس کے یہ بات مجھے غصے میں ہی تھی پر مجھے کئی دن رات سکون نہ تھا آخر کار اس نے کہا

میری جان میں نے غصے میں کہہ دیا تھا میں تو تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔

میں ایک بار پھر اس کی باتوں میں آ گئی تھی۔ میرے دل میں ایک ڈر سا تھا کہ کہیں بابو کو کھو نہ دوں اس لیے اسے جلد پانا چاہتی تھی پر وہ تو کسی اور کو پا کر خوش تھا خان کی آنکھوں میں کئی ارمان میں نے اپنے لیے بے پناہ محبت دیکھی تھی پر اپنے غصے پر قابو نہ پا سکی مجھے اس کی باتوں میں اکثر بابو کی زبان جھلکتی تھی اس لیے ایک رات میں اس کے کمرے میں چلی گئی اس دن مجھے ہر کسی سے شدید نفرت ہو رہی تھی میرے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر غصے کے تاثرات تھے وہ اچانک بند کمرے میں مجھے اچانک دیکھ کر گھبرا گیا اور بولا۔

تم یہاں کیسے آئی اور دروازہ کس نے کھولا

تو میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

مجھے اندر آنے کے لیے دروازوں کی ضرورت نہیں میں سب کو ماردوں گی سب کو۔

پھر میں نے پاس پڑا ہوا چاکو اٹھالیا اور وہ فورا ڈرتے ہوئے بولا۔

تم کون ہو

میں دھیرے دھیرے اس کی جانب بڑھتی ہوئی بولی میں ایک روح ہوں ایک بے قرار روح میں ہر ادھوری محبت کرنے والے جھوٹے آدمی کو ماردوں گی اور تم میں چھپے اس کی جھلک نظر آئی جس سے میں محبت کرتی تھی وہ بھی تمہاری ہی طرح مجھے ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا تھا پر خود ہی میری خوشی چھین لی اس نے کسی کا چین چھین کر قرار لوٹ لیا اسے خوش رہنے کو کیسے کوئی کہہ سکتا ہے پانی میں تیرتے میری محبت کے عکس مجھے بے چین کرتے ہیں بے قرار رکھتے ہیں اس لیے اپنی سکون کی خاطر میں سب کو ماردوں گی

یہ کہہ کر میں نے ہاتھ ہوا میں لہرایا اور چاکو خان کے دل میں اتار دیا پھر اس کا سینہ چاک کر کے دل نکال دیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ یہ سب کر کے مجھے بہت خوشی ہوئی کاش میں بابو کا بھی یہ حال کرتی پر یہ مجھ سے گوارہ نہ ہوا خان کو مار کر کچھ دن میں بہت دکھی ہوئی تھی پر کیا کرتی اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکی تھی مجھے اس کی باتوں میں سچائی دیکھتی تھی پر میں تو مر کر بھی بابو کو ہی چاہتی تھی اسے خوش دیکھنا چاہتی تھی اس لیے اپنے غصہ کسی اور پر اتار نہ تھا۔

کئی دن اس پریشانی میں گزر گئے تھے پھر ایک دن پارک میں عارف کو دیکھا جو کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور لڑکی رو رو کر کہہ رہی تھی۔

عارف کچھ کرو میں تم سے پیار کرتی ہوں اور تمہارے بغیر نہیں جی سکتی میں مرجاؤں گی

عارف بولا میں مجبور ہوں میں تم سے پیار کرتا ہوں پر تمہیں پا نہیں سکتا تم خوش رہو

بس مجھے اس کے ان لفاظوں پر سخت غصہ آیا میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے وہی پر مار دوں پھر میں نے اس سے ملاقات کا سلسلہ بنایا آخر کئی دن بعد وہ بھی چاہنے لگا۔ ایک دن میں نے عارف سے کہا کہ عارف تم نے کسی اور کو چاہا ہے کیا وہ بولا

نہیں میں صرف تمہیں چاہتا ہوں

میں اس کی بات سن کر مسکرادی اور سوچنے لگی کہ میں اگر روح نہ ہوتی تو شاید اس کی بات پر اعتبار کر لیتی پر میں سب جانتی تھی۔ ایک دن ہم دیر تک گھومتے رہے بہت دیر ہو گئی تھی وہ یہاں لے آیا پھر میں نے اسے مار دیا میں جنونی ہو چکی ہوں پر کس کس کو ماروں گی تم ہی بتاؤ ندیم

ندیم جو میری باتوں کو غور سے سن رہا تھا کہنے لگا

انیلہ تم اس دنیا سے نفرت کو ختم نہیں کر سکتی نہ ہی یہاں کے لوگوں کے چہرے سے نقاب چھین سکتی ہو انسان بہت بے وفا بے قدر جنم ہے ہر چیز کھونے کے بعد بھی احساس کرتا ہے تم نے بھی میری محبت کو ادھورا چھوڑا ہے تھا پر میں تو خاموش رہا

میں نے ندیم کی طرف دیکھا تو اس کی اشک بہا رہی تھیں میں بولی۔

ندیم تم میرے دوست تھے بہترین دوست میں نے محبت کبھی نہیں کی تم سے میں تو دنیا میں صرف بابو کو ہی چاہتی ہوں صرف بابو کو جب میں نے عارف کو مارا تو اچانک تمہیں دیکھ کر حوصلہ کھو بیٹھی اس لیے اپنا آپ تم پر ظاہر کر دیا اب میں تھک چکی ہوں میں یہاں سے نفرت اور دیکھاوا ختم نہیں کر سکتی اس لیے واپس جانا چاہتی ہوں پر اس سے پہلے تم میرے ساتھ چلو میں آخری بار بابو کو دیکھنا چاہتی ہوں

ندیم میرے ساتھ چل پڑا بابو کے گاؤں جا کر اسے ندیم نے میرے بارے میں بتایا پھر بابو کے سامنے میں آ گئی وہ مجھے دیکھ کر بہت شرمندہ تھا اور بولا انیلہ میں تمہارا قصور وار ہوں تمہاری چاہتوں کو پا کر بھی کسی اور کا ہو گیا اور تم نے میری خاطر جان دے دوں گی میں کاش تمہیں واپس لا سکتا پر یہ اب ناممکن ہے میں نے بابو کو اس طرح دیکھ کر تڑپ کر کہا

نہیں بابو تم ہمیشہ خوش رہو ادھورے تیرتے عکس میرے دل کے سمندر میں قائم ہیں۔ پر میں اب ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں بس ایک بار جانے سے پہلے اپنے لبوں کو میرے ماتھے سے ٹکرادو۔

میں یہ کہتے ہوئے سسک رہی تھی بابو کی بھی آنکھیں نم تھیں وہ میرے قریب آیا اور اپنے لب میرے ماتھے پر رکھے پر میرا وجود تو تھا نہیں اس لیے آسمانوں کی طرف پرواز کر گئی۔

بابو اور ندیم آسمان کی طرف دیکھنے لگے تھے تیرتے عکس پاس گھومتے میری زندگی کے معاملے تجھے پا لینے کے شوق میں ہم نے اپنا آپ گنوا دیا۔

غزل

بتاتے جاؤ یہ بھی جائے جاتے
میری جان لوٹ کر آؤ گے کب تک
ٹپکتی ہیں میری آنکھوں سے بوندیں
تمہاری یاد کے بادل اسے اب تک
کھلے گا میرے دل کا پھول کب تک
نکل جائیں نہ جب تک جانا اطہر
نہ چھوٹے گا دو محبوب تب تک

فرزانہ خان۔ کوٹ ادو

ایس۔ امتیاز احمد کراچی
Cell # 0300-2253370

﴿ آسیبی بلّی ﴾

پراسرار کہانیاں لکھنے میں بریم سٹوکر کا کوئی ثانی نہیں۔ اُن کا تعارف کرانے کے لیے یہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ، ڈریکولا، جیسی شہرۂ آفاق کتاب کے مصنف ہیں جو ۱۸۹۸ء میں پہلی بار شائع ہوئی اور جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ہر سال اس عظیم ناول کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوتے ہیں۔۔۔۔ انہی کی ایک ہولناک اسٹوری۔۔۔

اور وہ آسیبی بلی جو ابھی تک موجود تھی، اس کی جانب لپکی اور زخم سے رستے ہوئے خون کو بڑی رغبت سے چاٹنے لگی۔۔۔

یہ ناقابل فراموش اور عبرتناک حادثہ نورمبرگ کے پرانے قلعے میں پیش آیا تھا میں جس زمانے کا ذکر کرتا ہوں، اس زمانے میں نورمبرگ کا یہ پرانا قلعہ سیاحوں کے لیے کچھ زیادہ کشش نہ رکھتا تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جرمنی کے اس دور افتادہ اور بہت پرانے شہر تک پہنچنے کی سہولتیں کچھ زیادہ نہ تھیں اور بہت کم لوگ ایسے تھے جو دور دراز کا سفر طے کر کے اور سینکڑوں مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد نورمبرگ پہنچتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں نازیوں نے نورمبرگ کو بڑے پیمانے پر استعمال کیا، اس لیے اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور جب سیر و سیاحت سے دلچسپی رکھنے والوں کو پتہ چلا کہ نورمبرگ میں بارہویں صدی عیسویں کی عمارتوں کے آثار موجود ہیں، تو وہ اسے دیکھنے کے لیے جوق در جوق آنے لگے۔

ان دنوں میری شادی ہوئے دو ہی ہفتے گزرے تھے اور ہم میاں بیوی یورپ کے کئی ملکوں کی سیر کرتے ہوئے ایک روز فرینکفرٹ کے ریلوے سٹیشن پر اترے، تو ہماری ملاقات ہوجسین سے ہوئی وہ خوبصورت نوجوان نہایت باتونی اور مسخرے پن کی حد تک ہنس مکھ امریکی سیاح تھا جس نے جلد ہی ہم سے گہری دوستی کر لی۔ وہ منہ ٹیڑھا کر کے جب تیزی سے انگریزی بولتا، تو میری بیوی کے لیے اپنی ہنسی ضبط کرنا

مشکل ہو جاتا ہو جسپین کی باتیں بڑی دلچسپ ہوتیں۔ وہ اپنی بہادری اور سیاحت کے ایسے ایسے عجیب قصے بیان کرتا کہ حیرت ہوتی تھی۔ اگرچہ مجھے بعد میں احساس ہو گیا کہ وہ جھوٹ بولنے کے فن میں اپنا ثانی نہیں رکھتا، تاہم ایسے ساتھی کی موجودگی ہمارے لیے بہت اچھی ثابت ہوئی اور وہ تفریح کا بہت عمدہ ذریعہ بن گیا۔

نورمبرگ کا قلعہ دیکھنے کی تجویز بھی اسی نے پیش کی تھی اور میری بیوی امیلیا جے ایسی عمارتیں دیکھنے کا از حد شوق تھا فوراً آمادہ ہو گئی۔ نورمبرگ دریائے پیگنیز کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ ایک حصہ پرانا شہر کہلاتا ہے اور دوسرا حصہ نیا شہر۔۔۔ پرانا شہر تمام تر قرونِ وسطیٰ کے رومن فنِ تعمیر کا بہت اچھا نمونہ ہے یہاں شہر کے چاروں طرف اونچی فصیل ہے جس میں چار بڑے بڑے دروازے اور ۱۲۸ اسیڑھیاں ہیں۔ شہر کا یہ حصہ زیادہ تر پہاڑیوں کے اوپر آباد ہے جو شمال سے مغرب کی جانب پھیلتی چلی گئی ہیں اور اسی مقام پر سرخ پتھروں کا بنا ہوا وہ عظیم الشان قلعہ واقع ہے جس کے ایک کمرے میں یہ عبرتناک حادثہ پیش آیا تھا جو میں آگے چل کر بیان کرنے والا ہوں۔

نورمبرگ کا قدیم قصبہ اس قلعے سے نیچے آباد ہے۔ چونکہ یہ قلعہ سب سے اونچی چٹان پر تعمیر کیا گیا ہے اس لیے اس کی فصیل سے شہر کا نظارہ بڑی آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ قلعے کی شمالی فصیل کے ساتھ ساتھ ایک بہت گہری کھائی ہے جو صدیوں سے پانی نہ ملنے کی وجہ سے پیاسی ہے۔ رومن بادشاہوں کے عہد حکومت میں یہ کھائی جسے دیکھ کر خوف پیدا ہوتا ہے یقیناً پانی سے بھری رہتی ہوگی اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں کتنے آدمی گر کر ہلاک ہوئے ہوں گے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ اکثر مجرموں کو جب اذیتیں دے دے کر ہلاک کیا جاتا، تو اس کے بعد لاشوں کو کھائی میں پھینک دیا جاتا تھا۔ ان دنوں اس کی گہرائیوں میں گوشت خور مچھلیاں بھی بڑی تعداد میں پرورش کی گئی تھیں، یہ لاشیں ان مچھلیوں کا من بھاتا کھاجا تھیں۔

اس خشک کھائی نے زمین کا بہت سا حصہ گھیر رکھا تھا، اس لیے نورمبرگ کے گورنر نے اسے استعمال کرنے کا عجیب طریقہ اختیار کیا۔ اس نے یہاں درختوں اور پودوں کی بہت سی قسمیں لگوادی تھیں اور کہیں کہیں پھولوں کے تختے بہار دکھا رہے تھے قلعے کی فصیل کے ساتھ ان کا نظارہ بہت ہی بھلا معلوم ہوتا ہے فصیل سے اس کی گہرائی اندازاً پچاس ساٹھ فٹ ہوگی۔ اس سے پرانے شہر کے مکانات دکھائی دیتے ہیں جن کی سرخ

سرخ ڈھلوان چھتیں تیز دھوپ میں خوب چمکتی ہیں۔ دائیں جانب قلعے کی فصیل کے ساتھ ہی وہ چھوٹی بڑی برجیاں اور گنبد دور تک پھیلے ہوئے تھے جن میں پہرے دار رہا کرتے تھے اور انہی کے درمیان ایک بڑے سے گنبد کے نیچے قلعے کا سب سے اہم کمرہ بنا ہوا تھا جسے خاص طور پر دیکھنے کے لیے ہم یہاں آئے۔

یہ وہ کمرہ تھا جو سینکڑوں آدمیوں کی جانیں لے چکا تھا۔ اسی کمرے میں وہ عجیب وغریب مشینیں رکھی ہوتی تھیں جن کی مدد سے انسان صدیوں سے اپنے ہی جیسے انسانوں پر ظلم، اذیت اور عذاب کے طریقے آزماتا چلا آیا ہے۔ یہاں بادشاہ مجرموں کو ایسی ہولناک سزائیں دیتے تھے کہ آج بھی انہیں سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ہم نے فیصلہ کیا کہ پہلے پورے قلعے کی سیر کر لیں اور پھر اس ہیبت ناک کمرے کو سب سے آخر میں دیکھیں تاکہ ہماری طبیعتیں یہ ناخوش گوار اثر کم سے کم قبول کریں۔ اسی دوران میں ہم تینوں ذرا دم لینے کے لئے فصیل کے قریب جا کھڑے ہوئے اور جھک کر کھائی میں لگے ہوئے پھولوں کے تختوں اور درختوں کو دیکھنے لگے جولائی کی تیز اور روشن دھوپ میں یہ نظارہ آنکھوں کے لیے بڑا فرحت انگیز اور خوش گوار تھا۔ رنگ برنگ پھولوں کے تختے بڑے بڑے خوشنما قالینوں کی صورت میں ہمارے سامنے جھومنے لگتے اور ہمیں یوں محسوس ہوتا جیسے قدرت کے بنائے ہوئے ان حسین قالینوں میں حرکت پیدا ہو گئی ہے۔ قلعے کی سیر کرتے ہوئے ہم واقعی تھک گئے تھے اور اب کچھ دیر آرام کرنا چاہتے تھے، مگر وہاں بیٹھنے کی کوئی جگہ نہ تھی جگہ ہوتی بھی تو اس کھلے آسمان تلے دھوپ میں بیٹھتے بھی کہاں؟ دفعتہً میری بیوی نے انگلی سے ایک جانب اشارہ کیا اور ہم نے جھک کر ادھر دیکھا، تو ایک دلچسپ تماشا نظر آیا۔

سیاہ رنگ کی ایک بڑی بلی جس کی کھال دھوپ میں خوب چمک رہی تھی، فصیل کے عین نیچے دھوپ میں آرام سے لیٹی تھی اور اس کا بچہ جس کا رنگ بھی سیاہ تھا، قریب ہی کھیل رہا تھا۔ بلی اپنی لمبی دم ہلاتی اور بچہ کی طرف جھپٹتا، کبھی وہ دم پر پنجہ مارتا اور کبھی اسے اپنے منہ میں دبا لیتا اور پھر زور لگا کر اپنی ماں کو گھسیٹنا چاہتا۔ بلی اپنے پاؤں کو جنبش دے کر بچے کو آہستہ سے پرے دھکیل دیتی اور دم زور زور سے ہلانے لگتی۔ اس پر بچہ اور جوش میں آ کر اچھلنے کودنے لگتا۔ غالباً اسے اس کھیل میں بڑا مزہ آ رہا تھا۔

چند منٹ تک ہم تینوں نہایت دلچسپی سے یہ تماشا دیکھتے رہے۔ پھر ایک امریکی نوجوان نے قریب پڑا ہوا ایک پتھر اٹھایا اور ہنس کر بولا:

ذرا دیکھنا میں آپ لوگوں کو ایک اور دلچسپ کھیل دکھاتا ہوں میں یہ پتھر ان کے قریب پھینکتا ہوں۔ وہ دونوں حیران ہوں گے کہ یہ پتھر کہاں سے آن گرا۔

''ارے یہ کیا غضب کرتے ہو''۔ میری بیوی نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ وہ ڈر جائیں گے کیوں ان کا مزا کرکرا کرنے کی فکر میں ہو۔

مادام، آپ قطعاً نہ گھبرایئے۔۔۔۔ یہ کھیل اور دلچسپ بن جائے گا۔

اچھا بھئی تمہاری مرضی۔۔۔ مگر خدا کے لئے ذرا احتیاط سے پتھر پھینکنا، کہیں تم اس پیارے سے ننھے بچے کو زخمی نہ کردو۔

اجی آپ خواہ مخواہ ڈرتی ہیں کیا میں بچہ ہوں جو ایسی بے احتیاطی کروں گا۔ امریکی نوجوان نے گردن ہلا کر کہاں مادام، میں تو ایسا رحم دل آدمی ہوں کہ میں نے آج تک کسی چیونٹی کو بھی نہیں مارا۔

اور شیر چیتے ہلاک کرتا رہا ہوں، میں نے لقمہ دیا۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور اپنا ہاتھ بڑھا کر پتھر نیچے پھینک دیا۔

آہ۔۔۔۔ وہ منحوس لمحہ جب اس امریکی نے پتھر نیچے پھینکا، مجھے ساری زندگی یاد رہے گا، کیونکہ ہوا کے زور سے وہ وزنی پتھر تیزی سے نیچے گیا اور بلی کے معصوم بچے کے سر پر جالگا اور ہمارے دیکھتے دیکھتے اس کا ننھا سا سر پھٹ گیا اور بھیجا باہر نکل آیا۔ چند سیکنڈ تک تڑپنے کے بعد وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔

اب ہم تینوں آنکھیں پھاڑے بلی کے بچے کی لاش کو دیکھ رہے تھے، جو چند ثانیے پیشتر جوانی، زندگی اور حسن کو بہترین تصویر تھا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس غیر متوقع حادثے نے میرے جسم کو بھی سرد کر دیا ہے۔ ایک لمحے کے لئے سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں بیکار ہو گئیں۔ یہی حال میری بیوی اور امریکی نوجوان کا تھا، بلکہ میری بیوی کا تو خوف کے مارے چہرہ بھی زرد پڑ گیا تھا۔

پتھر گرتے ہی سیاہ بلی نے سر اٹھا کر ہماری جانب دیکھا، خدا کی پناہ۔۔۔اس کی بڑی بڑی سبز آنکھیں یک دم انگاروں کی مانند سرخ ہوگئیں اور اس کا جبڑا بھیانک انداز میں کھل گیا۔۔اس نے اپنی شعلہ بار نگاہیں ہوچسین پر جمادیں۔ میرے بدن میں دہشت سے تھرتھری چھوٹ گئی اور میری بیوی تو تقریباً غش کھا کر میرے اوپر ہی آن پڑی۔سیاہ بلی نے پلٹ کر اپنے تڑپتے ہوئے بچے کی جانب دیکھا جو جان کنی کے آخری مراحل سے گزر رہا تھا۔اس کی چھوٹی چھوٹی ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور سر پر سے سرخ سرخ خون کی نکلتی ہوئی پتلی سی دھار نے اس کا سارا جسم لت پت کر دیا تھا۔بلی کے حلق سے ایک دردناک چیخ نکلی، وہ اچھل کر اپنی جگہ سے اٹھی اور نہایت محبت سے اپنے مرے ہوئے بچے کا جسم چاٹنے لگی۔اس کا جبڑا اپنے بچے کے تازہ خون میں بھر گیا اور جب اس نے منہ کھولا، تو اس کے لمبے سفید چمکتے ہوئے دانت دیکھ کر میرا کلیجہ بھی حلق میں آ گیا۔اس کے لمبے لمبے نوکیلے ناخن بھی پوری طرح باہر نکلے ہوئے تھے اور اس وقت وہ جوش اور انتقام کا ایسا نمونہ بن گئی تھی کہ بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔

چند لمحے تک وہ نہایت غیظ آلود اور نفرت انگیز نظروں سے امریکی کو تکتی رہی اور پھر پوری قوت سے دوڑتی ہوئی آئی اور قلعے کی پتھریلی دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔اس کے حلق سے اب غراہٹوں اور چیخوں کی دلدوز آوازیں نکل رہی تھیں۔

بلی کا یہ غیظ وغضب اور جوش کی حالت دیکھتے ہوئے مجھے یقین تھا کہ اگر اس کا بس چلے، تو وہ امریکی نوجوان کی بوٹیاں اڑا دے گی۔اس کی خوفناک شکل اور غرانے، چیخنے اور سپید دانت دکھانے کا انداز اتنا ڈراؤنا تھا کہ میری بیوی اسے برداشت نہ کر سکی۔اسے ہوش میں لانا بھی میرے لیے ایک مسئلہ بن گیا۔ بلی بار بار دوڑتی ہوئی آتی اور قلعے کی سنگین اور غیر ہموار دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرتی، مگر ہر مرتبہ پیٹھ کے بل نیچے گر جاتی، تاہم اس کے جوش وخروش میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ایک مرتبہ جب وہ اس کوشش میں ناکام ہوکر نیچے گری، تو اپنے مرے ہوئے بچے پر جا پڑی اور بلی کا سارا جسم خون میں لت پت ہوگیا۔امریکی وہیں کھڑا بلی کی ان حرکات کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔شاید اس کے لئے یہ بھی ایک پرلطف تماشا تھا میں جلدی سے اپنی بیوی کو وہاں سے ہٹا کر ذرا فاصلے پر ایک جگہ سائے میں لے گیا اور اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگا۔ چند

منٹ بعد امیلیا ہوش میں آ گئی، لیکن اس کی آنکھوں سے خوف کے آثار نمایاں تھے۔

امیلیا کو وہیں چھوڑ کر جب میں دوبارہ دیوار کے قریب گیا، تو ہوچسپن نے کہا:

میں نے دنیا میں ایک سے ایک خوفناک درندے دیکھے ہیں، مگر جس وحشی پن کا مظاہرہ سیاہ بلی کر رہی ہے، یہ میرا پہلا مشاہدہ ہے۔ اس کا غصہ ہر لمحے بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ اسی طرح کا ایک اور قصہ بیان کرنے لگا جسے میں نے ڈھنگ سے نہیں سنا، کیونکہ میں بلی کی عجیب و غریب حرکات دیکھنے میں لگا ہوا تھا۔ اس نے پندرہ یا بیس مرتبہ دیوار پر چڑھنے کی کوشش کی اور ایک بار تو وہ کافی اوپر آ گئی تھی کہ پیر پھسل جانے کے باعث دھڑام سے نیچے جا گری۔ یقیناً اسے سخت چوٹ لگی تھی، لیکن بلی نے اس چوٹ کی کوئی پروانہ کی اور نئے ولولے کے ساتھ دوبارہ دوڑتی ہوئی آئی اور دیوار پر چڑھنے لگی۔ یہ دیکھ کر امریکی کہنے لگا:

اس جانور کی ہمت پر آفرین ہے۔۔۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیوار پر چڑھ کر ہی دم لے گی، مگر افسوس کہ وہ یہاں کبھی نہ پہنچ سکے گی۔ تھوڑی دیر بعد جب اس کا غصہ سرد پڑ جائے گا، تو وہ اس حادثے کو بھول جائے گی۔۔۔ افسوس۔۔۔ صد افسوس۔۔۔ مجھے بالکل معلوم نہ تھا کہ پتھر اس کے بچے کو لگ جائے گا۔۔۔۔ یہ حادثہ بالکل اتفاقیہ ہوا ہے، ورنہ میری نیت اسے ہلاک کرنے کی نہ تھی، خیر۔۔۔ اب جو ہونا تھا ہو گیا۔۔۔ اب اس بچے میں دوبارہ جان نہیں ڈالی جا سکتی۔

اتنا کہہ کر وہ پیچھے ہٹ گیا اور اس کے پیچھے ہٹتے ہی بلی نے بھی دیوار پر چڑھنے کی کوشش ترک کر دی اور وہیں بیٹھ کر اپنی غضب ناک نظروں سے اوپر دیکھنے لگی۔

پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: کرنل، مجھے افسوس ہے کہ اس حادثے نے آپ کو ذہنی کوفت میں مبتلا کر دیا۔ آہ۔۔۔ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی بیوی نے تو اس کا بہت ہی زیادہ ناگوار اثر قبول کیا ہے۔ مجھے ان سے معذرت کرنی چاہیے۔

یہ کہہ کر وہ اس جگہ گیا جہاں میری بیوی آرام سے لیٹی تھی۔

مادام۔۔۔ کیا آپ مجھے معاف نہ کریں گی۔۔۔ یقین کیجئے اس میں میری کوئی خطا نہ تھی، بلی کے بچے کی قسمت میں اسی طرح مرنا لکھا تھا۔۔۔ اب جو ہونا تھا ہو گیا۔۔۔ اسے فراموش کر دیجئے اور آیئے قلعے کی

باقی چیزیں دیکھ کر ہم جلد از جلد اس منحوس مقام سے رخصت ہوں۔

ہم تینوں ادھر سے گزرتے ہوئے جب فیصل کے قریب آئے تو غیر ارادی طور پر ہم نے نیچے جھانکا، سیاہ بلی اسی طرح بیٹھی اوپر دیکھ رہی تھی۔ جونہی امریکی کا چہرہ اسے نظر آیا، اس نے وہیں سے چھلانگ لگائی۔ اس کے دونوں پنجے اس انداز میں باہر نکلے ہوئے تھے جیسے وہ امریکی کا منہ نوچ لینا چاہتی ہے، مگر وہ حسب معمول پھر نیچے جا پڑی۔ ساٹھ فٹ اونچی دیوار پر چڑھنا بلاشبہ بلی کے لیے ایک ناممکن بات تھی۔ امریکی نے اب خوش طبعی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بلی کو مخاطب کیا:

"پیاری بلی۔۔۔۔ مجھے معاف کر دو۔۔۔ میں نے جان بوجھ کر تمہارے بچے کو نہیں مارا۔۔۔ میں تو دراصل تمہارا کھیل اور دلچسپ بنانا چاہتا تھا۔۔۔ اب یہ اتفاق تھا کہ پتھر تمہارے بچے کو جا لگا اور وہ مر گیا۔ بخدا اس میں میرا ذرہ برابر بھی قصور نہیں۔۔۔ اب تم دیوار پر چڑھنے کی کوشش چھوڑ کر بچے کے کفن دفن کا بندوبست کرو۔ جاؤ شاباش۔۔"

امیلیا ایک بار پھر بلی کو دیکھ کر ڈر کے مارے کانپنے لگی اور اس نے نوجوان سے کہا:

ہوچسین، تم اسے مذاق نہ سمجھو۔۔۔ بلی کا ارادہ فاسد ہے وہ اگر یہاں ہوتی، تو تمہیں ضرور مار ڈالتی۔۔۔ مجھے اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے نفرت اور حقارت کی چنگاریاں سلگتی دکھائی دے رہی ہیں۔

وہ قہقہہ مار کر ہنسا اور کہنے لگا:

مادام، آپ مجھے۔۔۔ شیر دل ہوچسین کو۔۔۔ اس حقیر سیاہ بلی سے ڈراتی ہیں جس نے نہ جانے کتنے درندوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔۔ وہ بلی میرے سامنے کیا حقیقت رکھتی ہے۔۔۔ میں اب چاہوں، تو نیچے جا کر آپ کے سامنے اس کا گلا گھونٹ دوں"۔

بلی نے جب ہوچسین کا قہقہہ سنا، تو اس میں دفعتہً ایک عجیب تغیر رونما ہوا۔ اس کا سارا جوش و خروش اور غضب یک لخت ختم ہو گیا اور وہ پرسکون دکھائی دینے لگی۔ اس نے پھر ہوچسین کی طرف ایک بار دیکھا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس طرف گئی جہاں اس کا بچہ مرا پڑا تھا اور پھر زبان نکال کر بچے کا جسم چاٹنے لگی۔

واقعی بلی تمہیں دیکھ کر اب ڈر گئی ہے۔ دراصل اس نے تمہاری آواز سن کر اندازہ کر لیا ہوگا کہ یہ شخص تو

بہت بڑی بلا ہے۔ اس سے نبٹنا آسان کام نہیں۔ میں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔ امیلیا بھی یہ فقرہ سن کر ہنس پڑی اور ہم تینوں وہاں سے آگے بڑھے۔ تھوڑی دور جانے کے بعد جب ہم نے نیچے جھانکا، تو یہ دیکھ کر ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ سیاہ بلی بھی اسی جانب چلی جا رہی تھی جدھر ہم جا رہے تھے۔ اس نے منہ میں اپنے مردہ بچے کو دبا رکھا تھا، لیکن چند لمحے بعد جب ہم نے دیکھا، تو مردہ بچہ اس کے منہ میں نہ تھا، بلی نے شاید اسے کسی جگہ چھپا دیا تھا۔ اسے پراسرار انداز میں تعاقب کرتے دیکھ کر امیلیا پر پھر خوف طاری ہونے لگا اور اس نے امریکی کو ہوشیار رہنے کی تاکید کی، مگر وہ بے پروائی سے ہنسا اور کہنے لگا:

مادام، آپ کو اس بلی سے ڈرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اگر وہ ہمارے پیچھے آتی ہے۔ تو آنے دیجئے بھلا وہ میرا کیا بگاڑ سکتی ہے؟ اور فرض کیجئے اگر اس کا ارادہ مجھے نقصان پہنچانے کا ہے، تو میں ابھی آپ کے سامنے اس کا خاتمہ کیے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی کمر سے بندھا ہوا پستول نکالنا چاہا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا نا کہ ایک بلی کو مارنے کے جرم میں چند منٹ کے لئے پولیس مجھے پکڑ لے گی، وہ مجھے پھانسی پر لٹکانے سے تو رہی۔

امیلیا نے اسے پستول نکالنے سے روکا، ورنہ وہ ضرور بلی پر گولی چلا دیتا۔

ہوچسپن نے ایک بار پھر نیچے جھانکا، تو بلی اسے دیکھ کر غرائی اور پھر جلدی سے ایک پتھر کی آڑ میں ہو گئی۔ میں اس کی یہ حرکت دیکھ کر ششدرہ رہ گیا تھا؟ بلی کے یوں دبک جانے پر ہوچسپن کے مہلک ارادے کا پتہ چل گیا تھا؟ بلی کے یوں دبک جانے پر ہوچسپن نے فخریہ انداز میں ایلیا کی جانب دیکھا اور کہا: دیکھا مادام آپ نے؟ یہ شریر بلی اب مجھ سے ڈرنے لگی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے یہاں سے لوٹ کر اپنے مردہ بچے کی حفاظت کرنی چاہیے، کہیں دوسری بلیاں اسے ہڑپ نہ کر لیں جاؤ خالہ بلی، یہاں سے ٹل جاؤ، ورنہ میرا پستول کوا مخواہ چل جائیگا۔

امیلیا نے جلدی سے ہوچسپن کا ہاتھ پکڑا اور اسے گھسیٹ کر آگے لے گئی، لیکن جاتے جاتے بھی امریکی نوجوان نے نیچے جھانک کر بلی سے چند مزاحیہ فقرے کہہ ہی دیے:

اچھا الوداع۔۔۔ خالہ بلی۔۔۔ میں تم سے معذرت کر چکا ہوں کہ میں نے جان بوجھ کر تمہارے بچے

کو نہیں مارا، مگر تم ہمارا پیچھا ہی نہیں چھوڑتیں۔ بہر حال تم اب اس حادثے کو فوراً ہی فراموش کر دو۔"

جلدی ہی ہم قلعے کی اندرونی دلچسپیوں اور عجائبات کو دیکھنے میں اس قدر محو ہو گئے کہ تھوڑی دیر پہلے جس ناخوشگوار حادثے نے ہمیں مکدر کر دیا تھا، اس کی یاد بھی باقی نہ رہی۔

پھرتے پھراتے آخر کار ہم قلعے کی سب سے زیادہ مشہور اور ہیبت ناک جگہ پر پہنچ ہی گئے جہاں ۹ سو سال پیشتر مجرموں اور جاسوسوں کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کیا جاتا تھا۔

اس وسیع و عریض کمرے کے عمر رسیدہ چوکیدار نے ہمارا استقبال کیا۔ وہ ہمیں دیکھ کر خاصا خوش نظر آتا تھا، کیونکہ چوکیدار کی بالائی آمدنی کا ذریعہ سیاحوں کی دی ہوئی بخشش ہی ہوتی ہے، اس لیے وہ ضرورت سے زیادہ ہماری جانب توجہ دے رہا تھا۔ وہ عرصہ دراز سے اس کمرے کا چوکیدار تھا اور یہاں رکھی ہوئی ہر شے کے متعلق اس کی معلومات حیران کن تھیں۔

جب ہم اس کے اندر داخل ہوئے، تو ماحول کی تاریکی اور اس میں رکھی ہوئی عجیب اور پر اسرار مشینوں اور ہتھیاروں نے ہمارے اعصاب پر برا اثر ڈالا۔ یہ گنبد نما کمرہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اوپر کے حصے میں جانے کے لئے چند سیڑھیاں طے کرنی پڑتی ہیں۔ ہم نے پہلے نچلے کمرے کو دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ یہاں دن کے وقت بھی ملگجا سا اندھیرا تھا۔ اس کی دیواریں بہت چوڑی اور موٹی تھیں اور کمرے میں اوپر کی جانب کوئی روشندان نہ ہونے کے باعث روشنی اور ہوا آنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ دیواروں کا پلستر جگہ جگہ سے اکھڑ چکا تھا اور جا بجا مکڑیوں نے بڑے بڑے جالے تن رکھے تھے جنہیں صاف کرنے کا خیال شاید منتظمین کو بھی نہ آیا۔ ہم نے جب غور سے ان دیواروں کا معائنہ کیا، تو ان پر بڑے بڑے سیاہ دھبے صدیوں پرانے ہیں اور یہ خون ان لوگوں کا ہے، جن کو کسی جرم یا جاسوسی کے شک میں پکڑ کر اذیتیں دی جاتی تھیں۔ چند ہی لمحے بعد ہمیں احساس ہونے لگا کہ اس بھیانک کمرے کی دیواریں زندہ ہو رہی ہیں اور ان کے اندر سے ہمیں ان بدنصیب لوگوں کے چیخنے اور کراہنے کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ امیلیا کے چہرے کی اڑی ہوئی رنگت سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کمرے کے ماحول سے ڈر رہی ہے، لیکن میری خاطر وہ بظاہر بڑی دلچسپی سے ان چیزوں کو دیکھ رہی تھی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے آدمیوں پر ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کی داستانیں ان خونیں دیواروں میں

پوشیدہ تیں۔

ہم بہت جلد گھبرا کر اس وحشت ناک جگہ سے نکل آئے۔ چوکیدار اب ہمیں اوپر کی سیڑھیوں کے ذریعے دوسرے کمرے میں لے جارہا تھا۔

جونہی ہم دوسرے کمرے میں داخل ہوئے، دہشت کی ایک نئی لہر ہمارے جسموں میں دوڑ گئی۔ امیلیا نے میرا بازو سختی سے تھام لیا۔ اس کا ہاتھ کپکپا رہا تھا اور خود میرا یہ حال تھا کہ اپنے دل کے دھڑکنے کی آواز بخوبی سن سکتا تھا۔ اس کمرے کا ماحول نچلے کمرے کے ماحول سے بھی کہیں زیادہ خوف ناک تھا۔ اس کی ہر شے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہمیں گھور رہی تھی اور ہم نے ان اذیت دینے والی مشینوں اور دیواروں پر لگے ہوئے سینکڑوں قسم کے ہتھیاروں کے قہقہوں کی آوازیں بھی سنیں۔

بوڑھے چوکیدار نے فوراً محسوس کر لیا کہ ہم ڈر گئے ہیں۔ اس نے جلدی سے ایک موم بتی جلائی جس کی مدھم کانپتی ہوئی روشنی وسیع وعریض کمرے میں پھیل گئی۔ اب ہم آسانی سے یہاں رکھی ہوئی چیزوں کو پہنچان سکتے تھے۔ چاروں طرف دیواروں کے ساتھ ساتھ طرح طرح کی تلواریں، کلہاڑے، نیزے اور خنجر لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر تلواریں اور کلہاڑیاں اتنی بڑی اور وزنی تھیں جنہیں اٹھانا عام آدمی کے بس کی بات نہ تھی۔ غالباً ان گرانڈیل حبشی جلادوں کے استعمال میں آتی تھیں جنہیں خاص طور پر مجرموں کی گردن مارنے کے لیے تربیت دی جاتی تھی۔ ان ہتھیاروں کے قریب ہی پرانی سیاہ لکڑی کے بہت بڑے بڑے کندے بھی پڑے دکھائی دیے جن پر جابجا کسی روغن کے دھبے جمے ہوئے تھے۔ چوکیدار نے ہمیں بتایا کہ لکڑی کے یہ وہ کندے ہیں جن پر مجرموں کو لٹا کر ان کی گردن کاٹی جاتی تھی۔ ہم نے جھک کر ان کندوں پر تلواروں کے گہرے نشان بھی دیکھے۔ کمرے کے ایک حصے میں وہ تمام چھوٹی بڑی مشینیں یکجا رکھی تھیں جو مجرموں اور جاسوسوں کو اذیت پہنچانے کے لیے استعمال کی جاتی تھیں۔ انہیں دیکھ کر ہی ہیبت طاری ہوتی تھی۔ یہاں ہم نے ایک کرسی دیکھی جس کی نشست پر لوہے کی لمبی لمبی اور نہایت تیز نکیلی سلاخیں لگی تھیں۔ چوکیدار نے ہمیں بتایا کہ یہ موت کی کرسی ہے، اس پر مجرم کو بٹھا دیا جاتا تھا اور یہ سلاخیں اس کے گوشت میں پیوست ہو جاتی تھیں۔ ایسا مجرم کئی کئی دن جان کنی کی حالت میں مبتلا رہنے کے بعد مرتا تھا۔

اس کرسی کے علاوہ متعدد قسم کے شکنجے بھی موجود تھے جن میں انسانی جسم کو اس طرح جکڑا جا سکتا ہے کہ ذرا بھی جنبش نہ کر سکے۔ لوہے کی چھوٹی بڑی پیٹیاں لوہے کے جوتے، سر اور گردن کو جکڑنے والے شکنجے اور آہنی خول جو بھیجے کو کھوپڑی سے باہر نکال سکتے تھے۔ کمرے میں گھومتے ہوئے ہم ایک بڑی سی آہنی مشین کے قریب پہنچے جس کی عجیب وغریب ساخت نے امریکی نوجوان کو بہت متاثر کیا جو ایک عورت کے مجسمے سے مشابہ تھی اور اس میں بجاز نگ لگا ہوا تھا۔ اس کے عین وسط میں کچھ اوپر اٹھا ایک بڑا سا آہنی کڑا تھا۔ جس میں موٹا سا رسا بندھا تھا۔ اس رسے کا دوسرا سرا ایک ستون سے بندھا ہوا تھا۔ چوکیدار نے بتایا کہ اس مشین کو ''آئرن ورجن'' کہتے ہیں اور اذیت کر ہلاک کرنے کے لئے اس مشین سے زیادہ بہتر کوئی مشین نہیں۔ آپ اسے غور سے دیکھیے، یہ برسوں تک خون میں نہا چکی ہے۔ اور اب بھی اس کے ایک حصے پر خون کی جمی ہوئی تہہ آپ دیکھ سکتے ہیں۔

چوکیدار نے ستون سے بندھا ہوا موٹا رسا کھولا اور قوت سے اسے کھینچنے لگا۔ اب ہم نے حیرت سے اس مشین کے اوپر بنا ہوا ایک چھوٹا سا دروازہ گڑگڑاہٹ سی آواز کے ساتھ آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔ یہ آہنی دروازہ بہت بھاری تھا، کیونکہ اسے کھینچتے ہوئے بوڑھا چاکیدار جلد ہی ہانپنے لگا، تاہم اس نے دروازہ پوری طرح اوپر اٹھا دیا جس پر بہت سی نوکدار سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور ہمیں مشین کے اندر دیکھنے کا اشارہ کیا۔ آہنی دروازہ اٹھنے کے بعد مشین کے اندر اتنی جگہ تھی جس میں ایک آدمی آسانی سے لیٹ سکتا تھا۔ چوکیدار نے ہمیں بتایا: اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ مشین کس کام آتی تھی۔ ملزم کے ہاتھ پیر باندھ کر اس مشین کے اندر خالی جگہ میں لٹا دیا جاتا تھا اور لوہے کے اس سلاخ دار دروازے کو آہستہ آہستہ نیچے گرایا جاتا۔ بدنصیب قیدی جب ان خون آشام سلاخوں کو اپنی آنکھوں اور جسم کی طرف بڑھتے دیکھتا، تو موت کے لرزہ خیز خوف سے جرم کا اقبال کر لیتا اور سارے راز اگل دیتا، لیکن بعض ایسے مجرم بھی ہوتے جو اس حالت میں بھی زبان نہ کھولتے، تو رسے کو فوراً چھوڑ دیا جاتا اور یہ آہنی دروازہ پوری قوت سے نیچے گر جاتا اور سلاخیں قیدی کے تمام جسم میں پیوست ہو جاتیں اور وہ آناً فاناً موت سے ہم کنار ہو جاتا۔

امیلیا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ دوڑتی ہوئی۔ کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں اس کے پیچھے گیا۔ خدا کے واسطے مجھے اس منحوس جگہ سے فوراً لے چلو۔۔۔ میں یہاں اب ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ٹھہر سکتی، ورنہ میرے دل کی حرکت بند ہو جائے گی۔ میں نے اسے دلاسا دیا اور کہا کہ ہم تو صرف یہاں کے عجائبات دیکھنے آئے ہیں اور ہمارے ساتھ ایک مہمان بھی ہے۔ وہ کیا خیال کرے گا،، میں اسے سمجھ بجھا کر جب واپس کمرے میں لایا، تو امریکی نوجوان اس مشین کے پاس کھڑا اس کا بغور معائنہ کر رہا تھا، مجھے آتے دیکھ کر وہ بولا:

آپ کی بیوی بہت کمزور دل کی خاتون ہیں۔ بلاشبہ انہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ میں نے آپ کی غیر حاضری میں اس مشین کے بارے میں بعض دلچسپ باتیں چوکیدار سے معلوم کی ہیں۔ میں نے اپنے ملک کے ریڈ انڈین باشندوں کے متعلق بڑی بڑی داستانیں سنی تھیں کہ وہ اپنے دشمنوں اور حریفوں کو عجیب عجیب سزائیں دیتے تھے، مگر یہ مشین بے مثال ہے۔ خدا کی پناہ۔۔۔ مجھے تو اس کے تصور ہی سے اذیت ہوتی ہے، لیکن۔۔۔ میں اپنا تجربہ مکمل کر کے ہی واپس جاؤں گا۔۔

کیا کہتے ہو، کیسا تجربہ؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

وہ مسکرایا اور کہنے لگا:

یہی معمولی سا تجربہ۔۔۔ میں خود ایک منٹ کے لیے اس مشین کے اندر لیٹ کر دیکھنا چاہتا ہوں کہ لوہے کا یہ سلاخ دار دروازہ کس طرح آہستہ آہستہ نیچے آتا ہے،

نہیں نہیں، امیلیا نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ خدا کے لئے ہوچسین ایسا نہ کرنا۔ کے تم پاگل ہو گئے ہو؟

آپ جو چاہیں سمجھیں، مگر میں یہ تجربہ کر کے رہوں گا، ہوچسین نے اصرار کیا۔ اگر آپ ڈرتی ہیں، تو تھوڑی دیر کے لیے کمرے سے باہر چہل قدمی کیجئے۔۔۔ میں آپ سے کتنی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ میں ڈرپوک آدمی نہیں ہوں، نہ جانے اب تک کیسے کیسے واقعات و حادثات مجھ پر بیت چکے ہیں۔ آپ یقین نہیں کریں گی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایک مرتبہ مونٹانا کے جنگل سے میں گزر رہا تھا کہ دشمنوں نے مجھے مار ڈالنے کے لیے جنگل میں آگ لگا دی۔ میں رات بھر ایک مرے ہوئے گھوڑے کے اندر چھپا رہا، تب جان بچی۔۔ اسی طرح

نیو میکسیکو میں مجھے سونے کی ایک کان میں جو حادثہ پیش آیا، وہ بڑا خوفناک تھا۔ دو روز تک میں ایک غار میں قید رہا جس کے دروازے پر ایک بڑا پتھر آن گرا تھا۔ غور کیجئے جب ایسے ایسے عظیم حادثوں سے میں بچ گیا، تو اس ڈومنٹ کے تجربے سے کیا قیامت برپا ہو جائے گی۔

میں نے دیکھا کہ وہ اپنی ہٹ کا پکا ہے اور یہ کام ضرور کر گزرے گا، تو کہا۔۔

اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ جو کچھ کرنا ہے جلدی کر لو۔۔۔ ہم اب یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے۔ میری بیوی کی طبیعت ناساز ہو گئی ہے۔

امریکی نے مسخرے پن سے مجھے سلیوٹ کیا اور کہنے لگا:

جو حکم جناب کا۔۔۔ بس ابھی فارغ ہوا جاتا ہوں۔۔۔۔

پھر وہ چوکیدار سے مخاطب ہوا جو امریکی نوجوان کے اس خطرناک تجربے میں مدد دینے پر راضی نہ ہوتا تھا۔۔۔

بڑے میاں تم بھی ڈر گئے؟ یہ لو اپنی جیب گرم کرو۔ ہوچسین نے سونے کا ایک سکہ بوڑھے کی مٹھی میں دیتے ہوئے کہا۔۔۔ اب ایک کے ایک رسی سے میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس مشین میں مجھے لٹا دو تاکہ میں اس تجربے کا وہی مزا پا سکوں جو پرانے زمانے کے مجرموں کو ملتا تھا۔

بوڑھے چوکیدار کو پہلی مرتبہ اس معاملے کی نزاکت کا احساس ہوا۔ اس نے گھبرا کر کہا:

جناب، آپ یہ حرکت نہ کریں۔۔۔ اس میں جان کا خطرہ ہے۔ فرض کیجئے اگر رسا میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا، تو۔۔۔؟

امریکی نے جوش میں آ کر کہا: بڑے میاں تمہیں زیادہ دیر تک رسا پکڑنا نہیں پڑے گا، بس ایک یا دو منٹ کا کام ہے۔ اس کے بعد میرا دوست مجھے مشین سے باہر نکال لے گا۔ تم فکر نہ کرو۔ اس تجربے کی ساری ذمے داری مجھ پر ہے۔ کہو تو تحریر لکھ کر دے دوں۔

اچھا صاحب جس طرح آپ کہتے ہیں کرتا ہوں، مگر براہ کرم باہر کسی سے اس کا ذکر نہ کیجئے گا، ورنہ میرے ملازمت جاتی رہے گی، روزی کا معاملہ ہے صاحب۔

اجی تم پروانہ کرو۔۔۔۔۔ ذرا جلدی سے رسی تلاش کرو۔

چوکیدار باہر گیا اور پتلی رسی کے دو لمبے لمبے ٹکڑے لے کر آیا اور پہلے اس نے ہوچسین کے دونوں ہاتھ پشت کی طرف باندھ دیے اور پیر باندھنے والا تھا کہ ہوچسین نے کہا:

بڑے میاں، ذرا ٹھہرو، تمہاری دعا سے میں کافی صحت مند ہوں۔ تم مجھے اٹھا کر اس مشین کے اندر لٹا نہیں سکو گے، اس لیے میں خود اس میں داخل ہو جاتا ہوں۔ بعدازاں تم میرے پیر بھی باندھ دینا۔

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور مشین کے اندر داخل ہو کر اس اطمینان سے لیٹ گیا جیسے کسی آرام دہ بستر پر سونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ چوکیدار نے جلدی سے اس کی دونوں ٹانگیں باندھ دیں۔ ہوچسین اب موت کی اس مشین میں بالکل بے بس پڑا تھا، لیکن خوف کی کوئی علامت اس کے چہرے پر ظاہر نہ ہوئی، بلکہ وہ بچوں کی طرح اس کارنامے پر خوش ہو رہا تھا۔۔۔

واہ واہ۔۔ کیا شاندار جگہ ہے۔۔ بھئی میرا تو جی چاہتا ہے کہ اس مشین کو اپنے ساتھ امریکہ لے جاؤں بڑی آرام دہ چیز ہے۔۔۔ اچھا بڑے میاں، اب تم اس آہنی دروازے کے ذرا ڈھیل سے آہستہ آہستہ نیچے اتارو، میں دیکھوں تو سہی کہ جب یہ سلاخیں میری جانب بڑھیں گی، تو کیا مزا آتا ہے۔۔

اوہ۔۔۔ خدا رحم کرے۔۔۔ ہوچسین، کیا تم اس بے ہودہ مذاق سے باز نہیں آ سکتے؟ میری بیوی چلا اٹھی بس کافی ہے۔۔۔ تمہارا تجربہ مکمل ہو گیا۔۔ اب باہر آ جاؤ۔۔۔۔

ہوچسین نے قہقہہ لگایا اور مجھ سے کہنے لگا: کرنل صاحب مہربانی کر کے اپنی ڈرپوک بیگم کو ذرا باہر گھمانے لے جایئے۔۔۔ غضب خدا کا میں آٹھ ہزار میل کا سفر طے کر کے محض اس مشین کی خاطر آیا ہوں اور اب اس کے اصل تجربے سے محروم ہی چلا جاؤں؟ ہرگز نہیں ہو سکتا۔۔۔۔ آپ پانچ دس منٹ ان کو سیر کرایئے، اتنی دیر میں یہ تجربہ پورا ہو چکے گا۔ پھر ہم اسے یاد کر کر کے خوب ہنسیں گے۔

امیلیا کی حالت اگرچہ ابتر ہو رہی تھی، مگر وہ کمرے سے باہر جانے پر تیار نہ تھی۔ وہ خاموشی سے میرا بازو پکڑے ہوچسین کی طرف تکتی رہی۔ بوڑھا چوکیدار آہستہ آہستہ، ایک ایک انچ کر کے رسا چھوڑنے لگا اور آہنی دروازہ مشین کی طرف جھکتا گیا۔ ہوچسین کا چہرہ فرط مسرت سے سرخ ہو رہا تھا، اس کی آنکھیں لمبی نوک

دار سلاخوں پر جمی ہوئی تھیں۔ یکا یک وہ کہنے لگا:

کرنل، سچ کہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں اتنا لطف میں نے پہلے کبھی نہیں اٹھایا۔ بخدا تم بھی اس تجربے کو آزما دیکھو۔ اے بڑے میاں، ذرا آہستہ۔۔۔۔تم تو ایک دم رسا چھوڑ دینے پر تلے ہوئے ہو؟

بوڑھے چوکیدار نے رسا پوری قوت سے پکڑ کر رکھا تھا، لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ لحظہ بہ لحظہ اس کی پریشانی اور اضطراب میں اضافہ ہو رہا ہے۔ پانچ منٹ کے قلیل عرصے میں آہنی دروازہ صرف تین انچ کے قریب جھک سکا تھا۔ دفعتہ میں نے اپنے بازو پر ایک تھرتھراہٹ سی محسوس کی۔ امیلیا کی انگلیوں کی گرفت نرم پڑ رہی تھی۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، اس کے چہرے کا رنگ ہلدی کی مانند زرد ہو رہا تھا اور ہونٹ سپید پڑ گئے تھے۔ وہ پلک جھپکائے بغیر مشین کے ایک جانب گھور رہی تھی۔ میں نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا، تو دہشت سے میری رگوں کا خون جم گیا۔ خدا کی پناہ۔۔ وہی منحوس کالی بلی کمرے کے دروازے میں کھڑے مشین کی جانب دیکھ کر غرا رہی تھی۔ اس کی زرد آنکھیں مشعل کی مانند روشن تھیں۔ اس کے جسم کا رواں رواں کھڑا تھا اور وہ اپنی معمولی جسامت سے دوگنی نظر آتی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ اپنا خون آلود جبڑا کھول کر آگے بڑھی۔ ہوچسپن نے بھی اس کی آواز سن لی تھی، وہ وہیں سے چلایا:

کرنل، ذرا اس شریر بلی کو دھتکار کر نکال دو۔۔

لیکن۔۔۔۔آہ۔۔۔۔اس سے پیشتر کہ میں آگے بڑھتا، بلی نے اپنی لمبی دم کو گردش دی اور بجلی کی مانند اچھل کر بوڑھے چوکیدار پر حملہ کیا۔ بلی کا دایاں پنجہ چوکیدار کی آنکھ پر پڑا اور آنکھ باہر آ گئی۔۔ بوڑھے کے حلق سے ایک دل دوز چیخ نکلی، وہ لڑکھڑا کر زمین پر گرا اور موٹا رسا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ میں نے رسے کو پکڑنے کے لیے چھلانگ لگائی۔ میری انگلیوں نے اسے چھو لیا، مگر اگلے ہی ثانیے میں رسا کڑے میں سے گزر چکا تھا۔ بدنصیب ہوچسپن کے چہرے کی آخری جھلک میں مرتے دم تک نہ بھولوں گا موت کے خوف سے اس کا چہرہ دھلے ہوئے کپڑے کی طرح سفید پڑ چکا تھا اور آنکھیں تارہ بن گئی تھیں۔ آہنی دروازہ ایک دھماکے کے ساتھ بند ہو گیا۔ ہوچسپن کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی اور اسی لمحے میری بیوی غش کھا کر دھڑام سے فرش پر گر گئی۔

میں نے امیلیا کو وہاں سے اٹھایا اور کمرے سے باہر برآمدے میں لے جا کر ایک بنچ پر ڈال دیا۔ اس وقت میرے ہوش و حواس بھی گم تھے۔ امریکی نوجوان کی بھیانک موت کا تصور خود میرے لیے جان لیوا تھا۔ جب میں کمرے میں گیا، تو بوڑھا چوکیدار تکلیف کی شدت سے زمین پر لوٹ رہا تھا۔ اس کا چہرہ اور کپڑے خون میں تر ہو چکے تھے میں نے رسا پکڑ کر پوری قوت سے مشین کا آہنی دروازہ اٹھایا۔ ہوچسپن کا حال دیکھ کر میری روح لرز گئی۔ لوہے کی سلاخیں اس کی کھوپڑی، سینے اور پسلیوں کو توڑ کر باہر نکل گئی تھیں۔ دروازہ اوپر اٹھتے ہی ہوچسپن کا مردہ اور مسخ شدہ جسم پر شور آواز کے ساتھ کمرے کے فرش پر گرا اور وہ منحوس سیاہ بلی جو ابھی تک موجود تھی، اس کی جانب لپکی اور ہوچسپن کے جسم سے نکلتے ہوئے خون کو بڑی رغبت سے چاٹنے لگی میں نے جھپٹ کر وہاں رکھی ہوئی بہت سی تلواروں میں سے ایک تلوار اٹھائی اور بلی کے دو ٹکڑے کر دیے۔

پچھتاوا

کاش تمہیں دیکھا نہ ہوتا
دل میں غم کے پھول نہ کھلتے
ہونٹوں پر فریاد نہ ہوتی
تنہائی کے درد نہ ملتے
اپنی ہستی بار نہ ہوتی
مرنے کا ارمان نہ ہوتا
سانس بھی اک تلوار نہ ہوتی
کاش تمہیں دیکھا نہ ہوتا
آج اتنے مجبور نہ ہوتے
سب لوگوں سے الفت کرتے
اور خدا سے دور نہ ہوتے
کاش تمہیں دیکھا نہ ہوتا

فیصل طیب۔ احمد پور سیال

اب پڑ رہی ہیں ہم کو بھلانی محبتیں
سب سر سبز فریب ہیں کیا انکا اعتبار
یہ پیار حسین عشق جوانی محبتیں
کن کن رفاقتوں کے دیئے واسطے مگر
اس کو نہ یاد آئیں پرانی محبتیں
گزری رتوں کے زخم ہی اب تک بھرے نہیں
پھر اور کیا کسی سے بڑھائی محبتیں
جانے وہ آج کون سے رستے سے آئے گھر
ہر موڑ ہر گلی میں بچھائی محبتیں

یا دل کی حالت کا بیان سب کے سامنے
یا اپنے آپ سے بھی چھپائی محبتیں
نفرت کے واسطے کبھی فرصت نہیں ملی
ہے اپنی مختصر سی کہانی محبتیں

فیصل طیب۔ احمد پور سیال

غزل

دونوں کو آ سکیں نہ نبھانی محبتیں

کوئی چاند رکھ میری شام پر

خواجہ عاصم سرگودھا

توقع کے عین مطابق پہلا انعام ماروی کو ہی ملا وہ بہت خوش تھی اور پھولی نہیں سما رہی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا دن تھا۔ یہ سب اس کی خواہشوں میں سے تو نہیں تھا مگر وہ بڑی جذباتی سی لڑکی تھی۔ اپنی ہر خوشی کو اپنوں کے ساتھ بانٹ کر اسے سکون ملتا تھا۔ اسی لیے انعام لینے کے بعد اپنے گاؤں کی سکھی سہیلیاں، اپنی بہن زینب، اس کا شوہر دادا نور محمد اور اپنی بہن کی تینوں بیٹیاں اُجالا روشنی اور کرن شدت سے یاد آ رہی تھیں۔ یہ چھوٹا سا تحفہ جو ماروی کو ملا تھا وہ ان سب کے لیے کتنا بڑا ہوگا یہ سب صرف ماروی کا دل جانتا تھا۔

ماروی نے میٹرک اپنی حسین وادی کشمیر کے قریب آباد ایک شہر سے کیا تھا جب کہ کالج کی تعلیم کے لیے وہ بڑے شہر کے ایک کالج میں زیرِ تعلیم تھی، اپنوں اور گاؤں سے دور رہ کر ماروی میں بہت تبدیلی آ گئی تھی جب کہ شہر کی تعلیم نے اس کا دیہاتی پن بہت پہلے ختم کر دیا تھا اب وہ گاؤں کی لڑکی سے زیادہ شہر کی رکھ رکھاؤ والی اور مہذب لڑکی دکھائی دیتی تھی۔

ماروی جو کشمیر کی حسین وادی کی طرح حسین و جمیل لڑکی تھی اس کی برف جیسی سفید رنگت اناروں کی طرح کھلتے ہوئے ہونٹ اور گال اسے اپنے کالج میں دوسری تمام لڑکیوں سے ممتاز کر دیتے تھے، لوگ یہ ضرور پوچھتے تھے کہ اس کا تعلق کس علاقے سے ہے اور کشمیر کا نام سن کر سبھی مسکرانے پر مجبور ہو جاتے تھے کیونکہ وہ لگتی بھی کسی ایسی ہی حسین وادی کی پیداوار تھی، اس کے سیاہ گھٹاؤں کو شرماتے بال اور گہری کالی رات جیسی سیاہ
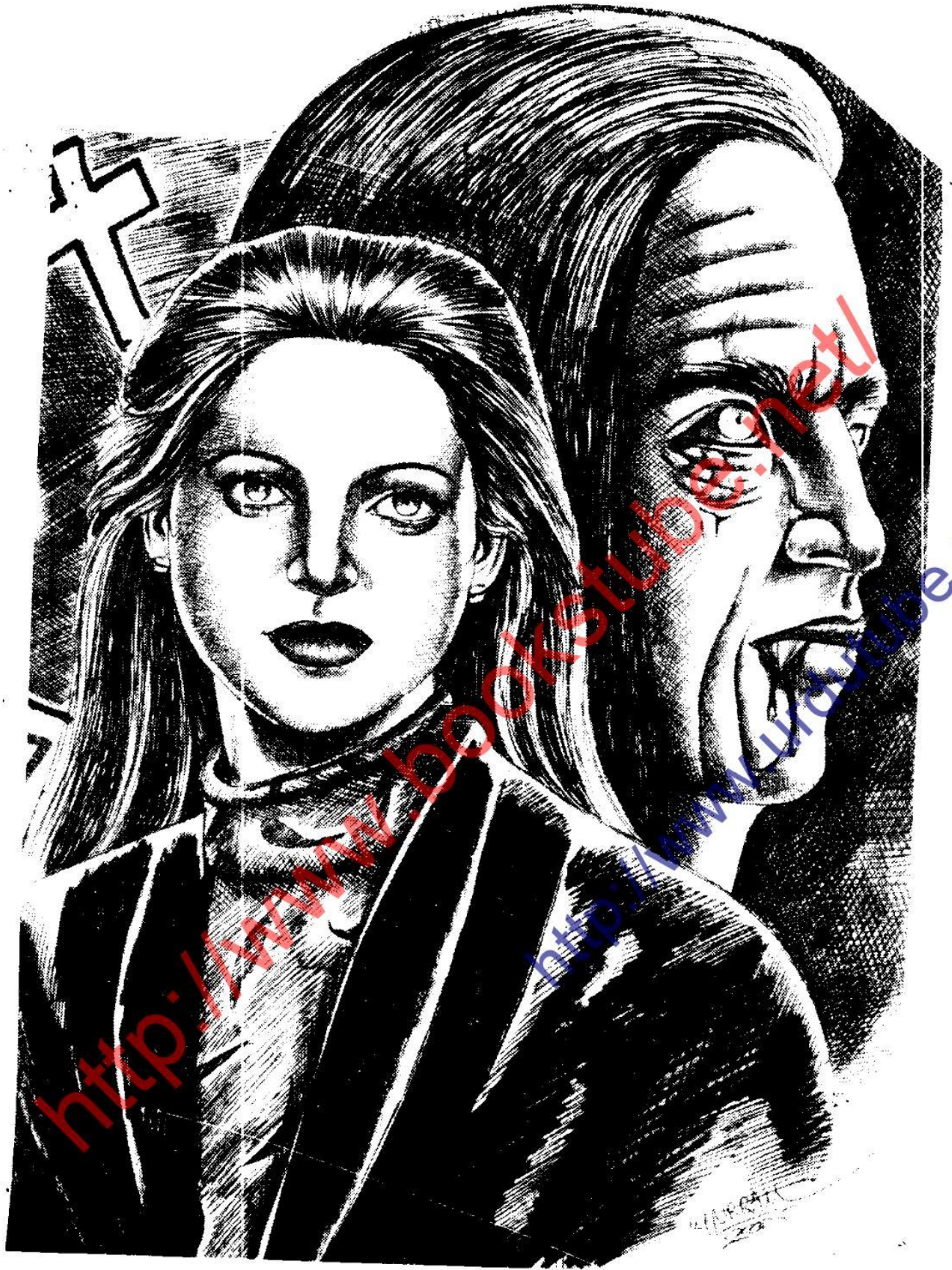
آنکھیں سبھی کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی تھیں اور اس سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک زندہ دل اور ہردم مسکراتے رہنے والی لڑکی تھی وہ خاموش بھی ہوتی تو انوکھی سی ہنسی اس کے چہرے پر رقص کرتی رہتی تھی اس کا معصوم چہرہ دنیا کے ہر غم ہر دکھ سے آزاد تھا وہ اپنی دنیا میں مست رہنے والی ایک ایسی لڑکی تھی جس کی البیلی چال دیکھ کر آسمان بھی جھوم اٹھتا تھا اور زمین بھی نئے گیت الاپنے لگتی تھی۔

ایسا نہیں تھا کہ ماروی صرف حسین تھی وہ حسن پسند بھی تھی دنیا میں اپنی آنکھوں سے ہردم حسن کی پرچھائیاں تلاش کرتی رہتی تھی حسین چہرے اور حسن فطرت اسے بہت متاثر کرتے تھے۔ایسا شاید اس لیے بھی تھا کہ اس کی آنکھ اس حسین وادی میں کھلی تھی جس میں شاید خدا بھی چاہنے کے باوجود کوئی داغ نہ ڈھونڈ سکتا تھا۔اس کا دل ایسی چیزوں کا ہمیشہ سے دیوانہ تھا جنہیں دیکھ کر ایک پل کو انسان پلکیں جھپکنا بھول جائے۔

ماروی کی ایک ہی بہن تھی جس کا نام زینب تھا اور ماروی اسے ''ادی'' کہہ کر پکارتی تھی۔ یہ زینب کی ہی خواہش تھی کہ ماروی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو، اور اس کی اسی خواہش کے حصول کے لیے ہی ماروی کالج میں تعلیم حاصل کر رہی تھی۔آج ان کے کالج میں ایک فیشن شو ہو رہا تھا ماروی چونکہ اس کالج کی حسین ترین لڑکیوں میں شمار ہوتی تھی اس لیے اپنی دوستوں کے کہنے پر اس نے اس شو میں حصہ لیا تھا۔لباس وہ اپنے وطن سے لائی تھی، نیلا رنگ ماروی کا پسندیدہ رنگ تھا، کیونکہ کشمیر کے جھرنوں اور جھیلوں کا رنگ ایسا ہی نیلا تھا، کشمیر پر جس آسمان نے قنات تان رکھی تھی وہ بھی ایسا ہی نیلا تھا ایسا حسین جو اس شہر میں آکر گدلا اور ماند پڑ جاتا تھا ایسے گہرے کھلتے ہوئے نیلے رنگ کی بے شمار گھیر والی پٹھانی فراک جس پر اس کی ادی زینب نے پورے سال بھر کی محنت کے بعد سنہری تاروں سے حسین کڑھائی کی تھی، زیب تن کیے اور بڑے سے دوپٹے کو خود پر لپیٹے جب وہ اسٹیج پر آئی تو ہال زبردست تالیوں سے گونج اٹھا حسین نیلے رنگ پر حسین کڑھائی اور ماروی کے حسن نے اس لباس اور وقت کو ایسا ناقابل فراموش بنا دیا کہ بہت دیر تک تالیاں بجتی رہیں ماروی کا چہرہ بے شمار روشنیوں میں اس قدر چمک رہا تھا کہ کسی کی نظر اس کے چہرے پر ٹھہر نہ سکی چاروں طرف سے کیمرے کے فلیش پڑ رہے تھے۔

رات کے وقت اپنے ہاسٹل کے کمرے میں اپنے بستر پر لیٹی وہ کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر جگمگ کرتے سیاہ آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ اس رات میں کتنا حسن تھا ستارے اس کی سنگت میں تھے، اتنا حسین چاند اس کے سنگ سنگ تھا آخر آسمان کو کیا غم تھا جو وہ ماتم کے رنگ میں نہایا ہوا تھا۔ شاید کہ دن سے بچھڑنے کا غم ہوگا۔

ماروی سوچ میں گم تھی کہ دوسرے بیڈ پر گہری نیند سوئی ہوئی اس کی روم میٹ اور دوست صدف کسمسا کر اٹھی۔ اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی پھر ماروی کو دیکھا جو بڑے انہماک سے آسمان کو تک رہی تھی۔

''اے بی بی'' صدف نے میز پر انگلی سے کھٹ کھٹ کرتے ہوئے کہا۔

ماروی نے چونک کر اسے دیکھا اور بولی'' کیا ہوا اٹھ کیوں گئیں؟''

''رات کے دو بجے اگر اس طرح کھڑکی سے چھنتی ہوئی روشنی اور یہ ٹھنڈی ہوا کمرے میں آ رہی ہو تو مجھ جیسے بے وقوف اکثر اٹھ ہی جایا کرتے ہیں۔ لیکن آپ کو تارے گننے کا مرض کیوں لاحق ہو گیا''؟ وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

''نہیں تو تارے کہاں!'' وہ لیٹے لیٹے مسکرائی۔ اس کھڑکی سے بھلا پورا آسمان کہاں نظر آتا ہے۔ ماروی تکیہ گود میں رکھ کر اٹھ بیٹھی'' یہ تو ایک الگ بحث ہے لیکن تم اتنی رات کو کیوں جاگ رہی ہو؟'' صدف پھر گھڑی دیکھتی ہوئی بولی۔

''اس لیے کہ چاند جاگ رہا ہے میرے کشمیر میں میری ادی زینب کے آنگن میں بھی یہی چاند جھانک رہا ہوگا'' وہ ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھتی ہوئی دلکش لہجے میں بولی۔

''اف خدا! تم دونوں بہنوں کی رومیو جولیٹ والی محبت کیا اس رات میں بھی ڈسکس ہوگی''۔ صدف مکمل طور پر جاگ گئی تھی اس۔ لیے مسکرا کر بولی۔

''یہ محبت تو قیامت کے دن بھی ڈسکس ہوگی مائی ڈیئر''۔ روی نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

''اچھا! ارے ہاں یاد آیا ماروی جو سوٹ آج تم نے شو میں پہنا تھا وہ غضب کا تھا تمہاری ادی تو زبردست کاریگر لگتی ہیں۔''

''ہاں وہ تو وہ ہیں۔'' ماروی فخر کے انداز میں مسکرا کر بولی۔

''اور تم؟'' صدف نے سوال کیا۔

''میں تو بس تھوڑا بہت بنالیتی ہوں، دراصل بچپن میں گڈے گڑیا کے کھیل کے ساتھ ساتھ کڑھائی سلائی بھی ہمارے ساتھ ساتھ پروان چڑھتی ہے۔ عمر جوں جوں بڑھتی ہے رنگ اور دھاگے بھی بڑھتے چلے جاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ میں صفائی بھی آجاتی ہے مگر صدف ادی زینب جیسا تو میں سالوں کی محنت کے بعد بھی نہیں سیکھ سکتی، وہ تو اپنی ایک ایک سوئی میں ایک ایک ٹانکے میں میرے لیے سو سو دعائیں کاڑھتی ہیں'' ماروی محبت پاش لہجے میں بول رہی تھی۔

''کیا ایک ایسا سوٹ مجھے بنوا کر دے سکتی ہو جس کے ایک ایک ٹانکے میں سو سو دعائیں بندھی ہوں؟'' صدف دلچسپی سے بولی۔ ''کیوں نہیں صدف مگر آج کل ادی کی طبیعت اچھی نہیں رہتی جب میں پچھلے دنوں گئی تھی تو اسے بخار بھی تھا اور شدید کھانسی بھی۔ میں وہاں دو دن رہی تھی۔ مگر ادی کی طبیعت نہیں سنبھلی، مجھے تو فکر لگ گئی، گاؤں کے بڑے حکیم سے دوائی بھی لائی تھی مگر افاقہ نہیں ہوا، امتحان سے پہلے جاؤں گی تو یہاں کے اسپتال سے دوائی لے جاؤں گی ماروی کے لہجے میں بولتے بولتے بے شمار فکریں عود آئیں۔'' ''اوہو موسم کی تبدیلی بھی تو عموماً کھانسی بخار لے آتی ہیں، تم فکر نہیں کرو وہ ٹھیک ہوگئی ہوں گی۔'' صدف نے تسلی دی۔ ''اللہ کرے'' ماروی کے دل سے دعا نکلی۔ ''ماروی آخر کتنا بڑا ہے تمہارا گاؤں تمہارا کشمیر۔'' صدف نے تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے پوچھا، اس کی نیند تو رفو چکر ہوچکی تھی اس لیے اسے باتوں میں لطف آرہا تھا۔ سو اس نے اپنا پسندیدہ ٹاپک چھیڑ دیا، کشمیر کے بارے میں وہ ہمیشہ سے بہت کچھ جاننا چاہتی تھی جہاں سے اس قدر حسین ماروی آئی تھی کیا اس کا گاؤں بھی اتنا ہی حسین تھا؟

''بہت بڑا ہے بے تحاشا وسیع وہاں کی کھلتی ہوا میں سانس لینے سے ہی وہاں کی وسعت کا اندازہ ہوجاتا ہے سراپا جنت ہے، جنت نہیں تو جنت سے کم بھی نہیں ہے۔ نیلے آسمان سے باتیں کرتے نیلے گہرے جھرنے اونچے اونچے لامحدود وسعت کے پہاڑی سلسلے اور ان گنت اور بے شمار درخت لامحدود سبزہ ہریالی اور کھلکھلاتی ہوئی اجلی فضا، تمہارا یہ شہر تو کشمیر کے آگے بالکل پھیکا ہے، ایک پیسے کا بھی نہیں''، ماروی سوچتی ہوئی بولنے لگی

کشمیر کے ذکر پر اس کے چہرے پر بے شمار رنگ پھیل گئے۔

''کشمیر کے نیلے جھرنوں کا رنگ تمہارا پسندیدہ رنگ ہے نا ماروی؟'' صدف نے سوال کیا۔

''ہاں یہ رنگ مجھے بہت پسند ہے، دنیا کا کوئی رنگ مجھے اتنا اچھا نہیں لگتا، تمہیں پتہ ہے صدف، جب کشمیر میں مدھم سی ہوا چلتی ہے تو اس کا رنگ بھی نیلا ہو جاتا ہے، ماروی آنکھوں میں چمک بھر کر بولی۔

ہوا کا رنگ! بھلا ہوا کا بھی کوئی رنگ ہوتا ہے؟ صدف نے حیرت سے سوال کیا۔

ہاں ہوا کا رنگ بھی نیلا ہوتا ہے، جب آسمان نیلا ہو، جھرنے نیلے ہوں، تو ان کے درمیان چلنے والی ہوا کا رنگ بھی نیلا ہو جاتا ہے، ماروی حسن کی منزلوں کی تلاش میں لگی تھی۔

بھئی! واہ تم تو شاعری کرنے لگیں، صدف جواباً ہنستی ہوئی بولی۔

ماروی بھی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کے موتی جیسے دانت کمرے کی ہلکی روشنی میں چمک سے اٹھے، اس کے بال اس کی پشت پر کھلے تھے اور اس کے بیڈ کو چھو رہے تھے کھڑکی میں سے آنے والی ہلکی اور نرم ہوا اس کے چہرے پر بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ اٹھکیلیاں کرنے میں مصروف تھی صدف اسے انہماک سے دیکھنے لگی۔ ماروی نے اسے دیکھ کر چٹکی بجائی تو صدف ہنس پڑی۔

ماروی کشمیر میں بھی اس قدر حسین ہیں جتنی تم ہو؟

ارے نہیں میری ادی مجھ سے بے تحاشا زیادہ حسین ہیں، تم انہیں ایک بار دیکھ لو تو تم مجھے گھاس بھی نہ ڈالو، ماروی نے تکیہ پشت پر رکھا اور بستر پر دراز ہو گئی زینب کا چہرہ اس کی نظروں میں گھوم گیا تھا۔

وہاں کا تو حسن ہی ایسا ہے کہ میں کہیں کھڑی نظر ہی نہ آؤں، صدف تم میرے ساتھ چلو نا بلکہ امتحانوں کے بعد ہی چلو خوب گھومیں گے بہت انجوائے کرو گی تم ماروی نے آفر کی۔

نہیں ماروی، اس بار نہیں جا سکوں گی۔۔۔ مگر ایک بار ضرور جاؤں گی، ویسے

بھی اب کی بار ممی اور ڈیڈی کے درمیان معاہدہ ہوا ہے کہ ایک ماہ ڈیڈی کے ساتھ اور باقی دو ماہ ممی کے ساتھ رہوں گی۔ صدف ایک دم اُداس سی ہو گئی کیونکہ اس کے والدین کے درمیان علیحدگی ہو چکی تھی۔

اچھا اب اتنی حسین رات میں اداس مت ہونا، ماروی تیزی سے بولی۔ نہیں تو اداس ہونا میں نے چھوڑ دیا ہے مگر ماروی تمہارے سوٹ پر میرا دل اب بھی اٹکا ہوا ہے وہ بچوں کے انداز میں آنکھیں گھما کر بولی۔

"کیا سچ؟" ماروی نے سوالیہ انداز میں پوچھا "ہوں" صدف بھر دلچسپی سے بولی۔

ماروی تیزی سے اٹھی بیگ میں سے وہ سوٹ نکالا اور صدف کے آگے رکھ دیا صدف حیرانگی سے اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔ کیا ہوا! یہ کیوں نکالا ہے؟

تم رکھ لو۔

کیا! صدف کے لہجے میں مزید حیرت در آئی۔

ہاں تم لے لو، اور ساتھ میں قسم بھی کہ آج پہلی بار پہنا ہے پرانا نہیں ہے، تم لے لو گی تو مجھے زیادہ خوشی ہو گی، ماروی وضاحت میں لگ گئی۔

ماروی! افار گاڈ سیک۔۔۔۔ میرے کہنے کا مطلب یہ تو نہیں تھا، صدف ماتھے پر بل لاتے ہوئے بولی۔

مگر مجھے تو خوشی ہو گی۔ ماروی نے سادگی سے کہا۔

لیکن مجھے دکھ ہو گا، جو چیز تم پر اتنی جچ رہی ہے وہ تم سے چھین لوں کیا میں پاگل ہوں؟

ارے نہیں صدف جب ادی زینب ٹھیک ہو جائے گی تو مجھے اور بنا دے گی ماروی کے لہجے میں اصرار تھا۔

نہیں ہرگز نہیں اسے فوراً اٹھاؤ۔۔۔۔ پگلی یہ تو کشمیر کی حسین وادی میں رہنے والی حسین ماروی کے لیے تخلیق کیا گیا ہے اور اسے وہی پہنے گی اس گدلے شہر کی گدلی فضا میں رہنے والی صدف کی ذات سے میل نہیں کھائے گا، صدف آہستہ سے بولی۔

مگر ماروی کے ماتھے پر بل آ گئے ۔

اگر مگر کچھ نہیں اگر تم نے اسے واپس نہ رکھا تو میں ناراض ہو جاؤں گی میرا مطلب یہ تو نہیں تھا اچھا تم وعدہ کرو جیسے ہی تمہاری ادی کی طبیعت ٹھیک ہو گی تم ایسا سوئٹ بنوا دو گی ، صدف اس کے قریب آ کر بولی ۔

مگر یہ بھی ، ماروی کی زبان پر اب بھی مگر تھا۔

اگر مگر نہیں وعدہ بھی نہیں کر سکتیں؟

اچھا تو پھر ایسا ہے کہ میں اب کی بار جاؤں گی تو کہہ آؤں گی جب امتحانوں کے ختم ہونے کے بعد میں جاؤں گی تو تیار ہو گا واپسی پر لیتی آؤں گی ٹھیک ہے نا ماروی نے پلان بناتے ہوئے کہا۔

بالکل ٹھیک ہے ، اور اب گھڑی دیکھو صبح ہونے میں کم وقت ہے اب سو جاؤ ورنہ پتہ ہے نا پورے سات بجے وارڈن آدم بو آدم بو پکارتی آ جائیں گی ، صدف نے مذاحیہ انداز میں اپنی سخت گیر وارڈن کا ذکر کیا۔

ماروی کھلکھلا کر ہنس پڑی اور پھر رات کے تین بجے شب بخیر کہتی ہوئی دوبارہ ہنس پڑیں۔

☆☆☆

ماروی اور صدف کینٹین سے نکل رہی تھیں کہ کسی نے ماروی کو آواز دی یہ پلوشہ تھی ۔ ان کے کالج کی سینئر ترین لڑکی ماروی اور صدف کی اطلاع کے مطابق ہر کلاس میں دو تین سال لگانا اس کا محبوب مشغلہ تھا ، پلوشہ کی پکار پر ماروی نے حیرانگی سے پلٹ کر دیکھا کیونکہ آج تک ان دونوں کی جان پہچان تو کیا سلام دعا بھی نہ تھی ۔

صدف نے ناگواری سے پلوشہ کو دیکھا جو ان دونوں کے قریب آ چکی تھی ، پلوشہ یقیناً ایک خوب صورت لڑکی تھی جدید تراش خراش کے یونیفارم میں دوپٹے سے بے نیاز سنہرے بالوں کو جدید اسٹائل میں سنوارے نہ جانے کیوں وہ ماروی کو انداز سے اچھی لڑکی دکھائی نہ دی ، اس کے کردار سے ماروی سے زیادہ صدف واقف تھی اس لیے صدف کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات شدید تھے۔

''ہیلو ماروی!۔۔۔۔ ہیلو صدف'' پلوشہ نے ایک ادا سے کہا۔

''ہیلو!'' ماروی سادگی سے بولی جب کہ صدف نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

''بھئی کل کا فیشن شو تو تم نے لوٹ لیا'' وہ پھر اسی ادا سے بولی۔

اوہ! ماروی سمجھ گئی کہ وہ کیوں مخاطب تھی۔

شکریہ، ماروی نے سادگی سے جواب دیا۔

تم بہت حسین لگ رہی تھیں۔۔۔۔ اس بات کا اندازہ تو مجھے ہمیشہ سے تھا کہ تم بے تحاشا حسن کی مالک ہو مگر کل تمہارے دو آتشہ حسن نے بہت لوگوں کے دلوں پر وار کیا ہے، وہ ٹھہرے ٹھہرے دلکش انداز میں بول رہی تھی۔

مگر نہ جانے کیوں ماروی کو اس کے الفاظ اچھے نہیں لگے ''کیا مطلب'' ماروی ناسمجھی سے بولی جب کہ صدف کے ماتھے کی لکیریں گہری ہوگئیں اسے، باقاعدہ غصہ آچکا تھا۔

یہ دیکھو ثبوت۔ پلوشہ نے تصویروں کا ایک البم اس کے سامنے کر دیا۔

ماروی نے وہ البم تھاما اور پہلا صفحہ کھولا تو لحہ بہ لحہ ہر صفحہ دیکھتی چلی گئی تمام تصویریں فیشن شو کی تھیں لیکن سب جگہ ماروی تھی نہ جانے کتنے زاویوں سے یہ تصویریں اتاری گئی تھیں ہر انداز میں ماروی کی ہر تصویر بذات خود آرٹ کا ایک خوبصورت نمونہ لگ رہی تھی، ماروی ان تصویروں کو دیکھ کر خود آنکھیں جھپکنا بھول گئی تھی۔ یہ، یہ سب ماروی چند لحوں بعد حیرت سے بولی۔

یہ سب کل میں نے اتاری ہیں، پلوشہ فخر سے بولی۔

مگر کیوں، ماروی نے سخت لہجے میں سوال کیا۔

اس لیے کہ ہر حسین چہرے کو اپنے کیمرے میں قید کرنا میں اپنا پیدائشی حق سمجھتی ہوں، وہ مزاحیہ انداز میں بولی۔

ماروی اب بھی حیرت سے تصویریں پلٹ رہی تھی اس کے اتنے خوبصورت کلوز اپس تھے کہ وہ خود حیرت میں تھی۔

ماروی ڈیئر! تم جیسی چیز ہاسٹل کے ایک سڑے ہوئے کمرے میں رہنے کے لیے پیدا نہیں ہوئی، تم تو محلوں میں رہنے والی چیز ہو کیوں پڑھائی میں وقت برباد کر رہی ہو، میرے ایک بہت امیر کزن کی ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی ہے کام کرو گی؟

ماروی جواب میں مسکرا اٹھی اور چند ثانیے بعد گویا ہوئی شکریہ پلوشہ مگر میں اپنی زندگی سے خوش ہوں مجھے دولت وغیرہ کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔

مائی ڈیئر ضرورت تو ہر چیز کی ہوتی ہے بات گنجائش کی ہوتی ہے، اپنے اس فرسودہ دماغ میں سے گنجائش نکالو پھر دیکھو کائنات کتنی حسین ہوتی ہے، پلوشہ پھر اپنے مخصوص انداز میں بول رہی تھی۔

کائنات بہت حسین ہے، یہ بات میں شاید تم سے زیادہ جانتی ہوں اس لیے کہ میں کشمیر کی رہنے والی ہوں، جو حسن کی سلطنت ہے اور اس سلطنت کی شہزادی کو نہ محل چاہیے اور نہ ہی دولت کیونکہ کشمیر کی شہزادی کے پاس یہ سب کچھ موجود ہے۔ وہ سادہ انداز میں بولی۔

چھوڑو میں بھی کیا باتیں لے بیٹھی یہ تصویریں تم رکھ لو ہمارے پاس تو اور کاپیاں بھی ہیں اور ہاں یہ تمہارے لیے ہے پلوشہ اپنے بیگ سے ایک چمک دار سنہرے کاغذ میں لپٹے پیکٹ کو نکالتی ہوئی بولی، اس کے ساتھ موجود خط کو ضرور پڑھنا شاید تمہیں کشمیر کے علاوہ پوری دنیا پر حکومت کرنے کا خیال آ جائے، اس نے ماروی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا پھر وہ پیکٹ ماروی کے ہاتھ میں تھمایا اور اپنے بالوں کو دلکش انداز میں جھٹکا دیتی ہوئی واپس پلٹ گئی۔

یہ کیا بکواس کر کے گئی ہے، صدف نے غصے سے کہا۔

بکواس! کیا مطلب؟ ماروی نے پیکٹ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

تم پوری بے وقوف ہو، اس نے یہ سب دیا اور تم نے لے لیا، دیکھو تو اس میں کیا ہے؟ صدف نے ماتھے پر بل لا کر بولی۔

چلو کہیں بیٹھ کر دیکھتے ہیں، ماروی نے کہا۔

دونوں لان کے ایک کونے میں آ بیٹھیں اس پیکٹ کو کھولا تو ماروی کی چیخ نکلتے

نکلتے رہ گئی وہ نیلم کے حسین پنوں سے جڑا سونے کا انتہائی نفیس سیٹ تھا جسے دیکھ کر صدف بھی یک دم حیران رہ گئی، ماروی نے جھٹ ڈبہ بند کر دیا دونوں نے ایک دوسرے کو ہونق نظروں سے دیکھا، ماروی نے فوراً وہ لفافہ چاک کیا جو اس ڈبے کے ساتھ موجود تھا کسی نے کاغذ پر موتی بکھیرے تھے جنہیں چننے کے بعد ماروی اور صدف غصے میں بھنا اٹھی تھیں لکھا تھا۔حسن کی شاہ تاج ماروی!

بہت سوچا کہ کس نام سے پکاروں پھول، خوشبو یا چاند مگر لفظ جواب دے دیتے ہیں تمہاری تصویریں دیکھیں تو یوں لگا جیسے دل سینے سے نکل کر کہیں گم ہو گیا ہے کیا ڈھونڈنے میں مدد کرو گی؟ نیلا رنگ تم پر بے مثال جچتا ہے، خدارا دوبارہ مت پہننا کہیں کسی مسلمان کو کافر نہ کر دے، تمہیں کسی مصنوعی شان وشوکت کی ضرورت تو نہیں البتہ میرا حقیر تحفہ ضرور قبول کر لینا چاہے یہ تمہارے ڈسٹ بن کی زینت نہ بن جائے، تا عمر تمہارا احسان مند رہوں گا اگر ایک بار مجھ سے مل سکو تو۔۔۔۔

تمہارا منتظر

فرقان شفقت

اس کی اتنی ہمت صدف غصے سے بپھر گئی۔ابھی جا کر اس کے منہ پر مارو آخر اس نے سمجھا کیا ہے۔

نہیں اس کے منہ پر نہیں ماروں گی، ماروی سنجیدگی سے بولی چلو میرے ساتھ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

صدف بھی اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی اور تھوڑی دیر بعد دونوں پرنسپل کے آفس میں تھیں ماروی نے وہ خط اور وہ نیکلس پرنسپل کے حوالے کر دیا۔

پرنسپل چند لمحے سوچنے کے بعد گویا ہوئیں، میرے پاس اس لڑکی کی بہت شکایات آئی ہیں مگر ثبوت آج ملا ہے میں نے اسے بلوا بھیجا ہے مگر مجھے نہیں لگتا کہ وہ مانے گی، وہ ہمیشہ سے اپنا کیا دوسروں پر ڈالنے کی عادی ہے اس سلسلے میں اسے اپنے امیر والدین کی فیور بھی حاصل رہی ہے، اب دیکھو کیا کہتی ہے پرنسپل حلیم لہجے میں بول رہی تھیں۔

میں اندر آ سکتی ہوں میڈم؟ پلوشہ معصوم صورت بنائے دروازے پر کھڑی تھی۔
آ جائیے پرنسپل نے آہستہ سے جواب دیا۔
تھینک یو میڈم، وہ اجنبی نظریں ان پر ڈالتی پرنسپل کے اشارے پر قریب ہی بیٹھ گئی۔
پلوشہ مراد یہ ہونے کا ئیکلس اور یہ واہیات خط آپ نے ماروی کو دیا ہے؟ وہ سختی سے گویا ہوئیں۔
میں نے! نہیں! بھلا میں کیوں دینے لگی میڈم؟ اس نے اجنبی نظروں سے ان دونوں چیزوں کو دیکھا۔ اور میں کس حساب سے دینے لگی، میری تو ان لوگوں سے دوستی بھی نہیں ہے، اب کی بار وہ اطمینان سے بولی۔
پلوشہ جھوٹ مت بولو ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے یہ مجھے دیا ہے، ماروی بھڑک اٹھی۔
ماروی کیوں کسی دوسرے کا الزام میرے سر ڈال رہی ہو میرا خیال ہے ہمارے درمیان تو کوئی دشمنی نہیں ہے؟ پلوشہ کے چہرے پر بھر زبردست اطمینان تھا۔ پلوشہ اس میں تمہارا نام موجود ہے پرنسپل بول اٹھیں۔
میڈم دنیا میں پلوشہ نام کی صرف ایک لڑکی میں ہی تو نہیں اور بھی کئی پلوشہ اسی کالج سے نکال سکتی ہوں ویسے بھی میڈم میرے بہت سے دشمن پیدا ہو گئے ہیں، مجھے تو یہ ان لوگوں کی کوئی چال لگتی ہے، نہ جان نہ پہچان بن بلایا مہمان، وہ ڈھٹائی اور سکون سے بول رہی تھی جب کہ ماروی اور صدف غصے میں پک رہی تھیں۔ میں جانتی ہوں پلوشہ کہ تم جھوٹ بول رہی ہو اور اس غلط بیانی کو ماروی ثابت بھی نہیں کر سکتی، مگر ایک بات یاد رکھنا مجھے تمہارے بارے میں بہت سی شکایتیں ملی ہیں میں کسی بھی دن تم سے جواب طلب کر سکتی ہوں، تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم اپنی عادات بدل لو ورنہ نتائج کی ذمہ دار صرف تم ہو گی پرنسپل نے سرزنش کی۔ میں جانتی ہوں کہ تم جیسی لڑکیاں اپنے پیچھے کتنے ہاتھ لے کر چلتی ہیں مگر مجھے بھی ہر مسئلے کا حل آتا ہے، میں تمہیں آخری وارننگ دے رہی ہوں ورنہ پھر کوئی سخت قدم اٹھانا میری مجبوری ہو گی، اب تم جا سکتی ہو۔

پلوشہ نے گہری نظریں ان دونوں پر ڈالیں اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

آپ دونوں بھی جائیں میرا خیال ہے اب یہ الرٹ رہے گی ویسے بھی آپ لوگوں کے فائنل ہونے والے ہیں پڑھائی کی طرف مکمل دھیان دیجئے، ایسی لڑکیاں اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کرنے کی ماہر ہوتی ہیں، پرنسپل غصے سے بولیں۔

پھر وہ دونوں وہاں سے نکل آئیں برآمدے سے باہر آتے ہی پلوشہ اپنی دوستوں کے ساتھ ان کے سامنے آ گئی ماروی کے مقابل آ کر بولی، میں نے یہ بات بتائی نہیں تھی کہ میں کسی کو معاف نہیں کرتی کیونکہ یہ میری مجبوری ہے میں نے تمہیں زمین سے اٹھا کر آسمانوں کی سیر کی دعوت دی تھی اور تم نے ٹھوکر ماردی۔ ماروی زندگی میں پہلی بار کسی کی ہمت ہوئی ہے کہ وہ پلوشہ مراد کو ڈانٹ سکا، پرنسپل تو شاید بھول جائیں تم بھی بھول جاؤ لیکن پلوشہ کبھی نہیں بھولے گی، کبھی نہیں، ایسا زخم کھاؤ گی کہ تڑپ بھی نہیں سکو گی یہ میرا تم سے وعدہ ہے، وہ تیزی سے بولتی چلی گئی اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی جس کی پُراسراریت کو ماروی سمجھ نہ سکی۔

اس سے پہلے کہ ماروی کوئی جواب دیتی وہ واپس پلٹ گئی تھی اور صدف نے بھی ماروی کو سمجھایا کہ بات بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں اور ماروی غصے سے کھولتی ہوئی کینٹین میں آ بیٹھی۔

☆☆☆

ڈیئر گرلز آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ کورس ختم ہو چکا ہے اور میں ہر لحاظ سے پڑھائی میں آپ لوگوں کی مدد کر رہی ہوں، مگر اتنی سخت پڑھائی کے دنوں میں آپ لوگوں کو فریش کرنے کے لیے میں نے ایک کام نکالا ہے اس طرح آپ لوگوں کی تیاری کا اندازہ بھی ہو جائے گا اور مجھے پوری امید ہے کہ آپ اس سے انجوائے بھی کریں گی نفسیات کی ٹیچر اپنی کلاس سے مخاطب تھیں۔

انجوائے سے آپ کی کیا مراد ہے میڈم؟ ماروی کے برابر بیٹھی لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

ابھی پتہ چل جائے گا، میڈم نے کہا۔ انہوں نے اپنا چشمہ اتار کر سامنے میز پر رکھا اور گویا ہوئیں۔ دراصل آج کل میں ایک رپورٹ پر کام کر رہی ہوں جس کا عنوان ''ٹین ایجرز لڑکیوں کی نفسیات'' ہے۔ مجھے اس بات کی وضاحت کرنی ہے کہ اس عمر کی لڑکیاں کس طرح اور کیا سوچتی ہیں ان کے خواب کس قسم کے ہوتے ہیں ان کی چھوٹی بڑی خواہشات کیا کیا ہیں یہ لڑکیاں انسان بلکہ صنف مخالف کو کس روپ میں دیکھتی ہیں اور کس روپ میں دیکھنا چاہتی ہیں اس کے علاوہ میں یہ بھی جاننا چاہوں گی کہ اس عمر کی لڑکیوں کے نزدیک ایک مکمل انسان کی کیا خصوصیات ہیں۔

وہ کچھ دیر کو رکیں اور جب لڑکیوں کے مسکراتے ہوئے چہروں پر نظر پڑی تو خود بھی مسکرانے لگیں اور دوبارہ بولیں، آئیڈیلزم نے دنیا کے ہر شخص کو متاثر کیا ہے، کوئی آئیڈیل بنائے یا نہ بنائے مگر اس فلسفے نے ہر شخص پر اثر ضرور کیا ہے آپ سب اگر اسی اثر کے کامیاب یا ناکام ہونے پر بات کریں تو آپ کیا لکھیں گی میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں۔

وہ پھر خاموش ہوگئیں لڑکیوں کے چہرے پر مسکراہٹ تھی کئی نے حیرت سے ناک سکیڑی اور دو ایک ایسی بھی تھیں جو بےزار نظر آئیں۔

مجھے اس عنوان پر باقاعدہ ایک رپورٹ لکھنی ہے آپ لوگ کل کم از کم دس لائنوں پر مشتمل مضمون لکھ کر لائیں گی کیونکہ مجھے صرف سوچ کا ایک رخ سمجھ آجائے آنے والی ہوا کا تعین میں خود کر لوں گی۔ لیکن میڈم اگر کسی کو آئیڈیلزم پر یقین نہ ہو تو؟ یہ صدف تھی۔

میرا خیال ہے کہ اظہار کر دینا اچھی بات ہے جیسا کہ آپ نے کہا کہ آئیڈیلزم پر یقین نہ ہو تو۔۔۔۔ تو پھر آپ کو اس وجہ کی وجہ لکھنی ہے اگر آپ اس بات پر یقین رکھتی ہیں کہ آئیڈیل میں سچائی نہیں ہے تو آپ کو اس بات کی وجہ بھی ضرور بتانی چاہیے ٹھیک ہے، وہ وضاحت کرتی ہوئی بولیں۔ گھنٹی کی آواز پر سب کھڑے ہوگئے۔

ماروی مسز فراست بیگ کا ٹاپک یاد ہے، آئیڈیل پر دس لائنیں؟ صدف نے ماروی کو یاد دلایا جو نوٹس لکھنے میں مصروف تھی۔ ماروی نے سر اٹھا کر صدف کو دیکھا اور پھر شرارت سے مسکرائی ''ارے جناب کیوں یاد نہیں ہوگا۔ بس یہ فائزہ کے نوٹس پورے کر

لون، ایک صفحہ رہ گیا ہے کل اسے واپس کرنے ہیں پھر دونوں اکٹھے بیٹھ کر "کھی کھی" کریں گے۔ اکٹھے نہیں صرف تم کھی کھی کرنا، مجھے ان فضولیات میں پڑنے کا شوق نہیں ہے میں تو کل کلاس نہیں لوں گی۔

ماروی کی روشن اور وسیع آنکھیں حیرت سے مزید پھیل گئیں وہ تیزی سے بولی کیوں؟ اس لیے کہ مجھے آئیڈیل کے "آ" پر بھی کوئی یقین نہیں ہے کیونکہ کوئی انسان مکمل نہیں ہم خود مکمل نہیں ہیں تو آئیڈیل کیا خاک مکمل بن سکتا ہے۔

تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے تم سے آئیڈیا لے کر وہ تمہارے لیے کوئی موصوف۔ تلاش کرنے جا رہی ہوں، ماروی جھٹ سے بولی اور کتاب بھی بند کر دی کیونکہ اس کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ مگر ماروی اس سلسلے میں کیا مغز ماری کروں جس سلسلے میں خود کلیئر نہ ہوں، وہ پھر بے زاری سے بولی۔ ماروی کی روشن پیشانی پر سلوٹیں بکھر گئیں، چند لمحوں بعد مسکرا کر بولی" میں تمہاری کمپنی سے تنگ آتی جا رہی ہوں تم اس قدر دقیانوسی کیوں ہو؟ حالانکہ دیہات سے تعلق میرا ہے۔ اس میں دقیانوسی والی کون سی بات ہے، صدف سٹپٹا کر بولی۔ بات ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کے پاس بہت ہی ننھے منے اور میرے خیال میں پیارے دماغ ہیں جو کہ حتیٰ الامکان نازک بھی ہیں، اگر ان پر بلاوجہ اور بار بار اتنا بوجھ ڈالیں گے تو یہ بہت جلد بوڑھے ہو جائیں گے ان پر فلسفے زندگی کی تلخ حقیقتوں اور آزمائشوں کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے بلکہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو انجوائے کر کے، پرانے بوجھ بھی ہلکے کر دینے چاہئیں، ماروی نے بات کی گہرائی میں جا کر کہا۔

لیکن یہ تو حقیقت ہے کہ آئیڈیل ایک فضول مفروضہ ہے تمہیں پتہ ہے کہ میری ممی کو ڈیڈی کی ذات میں ایک آئیڈیل انسان نظر آیا تھا تو پھر وہ سب کیوں ہوا جس نے آج مجھے تقسیم کر کے رکھ دیا؟ ایسے تلخ تجربے کی بنیاد پر میں بھلا اس ٹاپک پر کیا لکھ سکتی ہوں۔"

ماروی ایک پل میں اس کی بات کی گہرائی کو سمجھ گئی مگر موڈ خوشگوار بنا کر پہلے ہنسی اور پھر سنجیدگی سے بولی، صدف! مسز فراست ایک رپورٹ لکھ رہی ہیں اور پھر یہ تلخ تجربہ تمہارا نہیں بلکہ تمہارے والدین کا ہے تمہارے زندگی کے تجربات تو ابھی باقی ہیں اور اس معاملے میں ساری دنیا کے تجربے تو غلط ثابت نہیں ہوئے، پھر مسز فراست لڑکیوں کی ذہنی

سوچ پر بات کر رہی ہیں، ہم جتنی ٹین ایجرز سے یہ سوال پوچھ کر وہ صرف اپنی رپورٹ تیار کرنا چاہتی ہیں اور بس۔۔۔۔ یہ سب کاغذی باتیں ہیں کاغذی باتیں جو حسین ہوتی ہیں انسان کے اچھے دل کی طرح جو کوئی بھی بدنمائی قبول کرتے ہوئے ہچکچاتی ہیں ہم لوگ ابھرتی ہوئی جوانی کے خوب صورت روشن خیال البیلے اور اٹھلاتے وجود کو اپنے تلخ تجربوں کی زد میں لا کر منفی پیکر میں کیوں ڈھالیں، یہ تو ایک رپورٹ ہے اور بس ہمارے لیے بھی ایک تھرل ہے اور بس۔۔۔ آخر دس لائنیں لکھ لینے میں کیا حرج ہے۔

ماروی کی پر جوش تقریر سن کر صدف دھیرے سے مسکرائی اور پھر چند لمحوں بعد خوشگوار لہجے میں بولی، میں جانتی ہوں کہ تم ایک آئیڈیل پرست لڑکی ہو، اس لیے مجھے قائل کر رہی ہو، تو لیجئے جناب میں قائل ہو گئی لاؤ قلم اور کاغذ ابھی ہوائی قلعہ تعمیر کرواتی ہوں جس کا بادشاہ بے شک کوئی گھامڑ ہی کیوں نہ ہو۔

ماروی اس بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور قلم اور کاپی اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

اور پھر صدف نے ایک اچھے انسان کی خوبیوں پر ایک مختصر مضمون تحریر کیا اختتام میں اس نے یہ بھی تحریر کیا کہ سچائی شرط ہے جو کسوٹی ہونی چاہیے۔

ماروی کا لکھا ہوا مضمون پڑھ کر صدف نے دانتوں تلے انگلی دبالی پھر وہ اسے اونچی آواز میں پڑھنے لگی۔ میں آج زندگی میں پہلی بار وہ کہنے جا رہی ہوں جو آج سے پہلے نہیں کہا شاید دنیا کی یہ بات سچ ہو کہ میں حسین ہوں کیونکہ مجھے اپنا چہرہ اچھا لگتا ہے مجھے حسین چیزیں اور چہرے ہمیشہ سے بہت پسند ہیں یہ بھی سچ ہے کہ میں خوب صورتی کی دیوانی ہوں گل بکاؤلی اگر عین دلدل میں بھی کھلا ہو تو میں دلدل کی پرواہ کیے بغیر چھم چھم کرتی اس میں اتر جانے کی ہمت رکھتی ہوں بشرطیکہ اگر کوئی مجھے یقین دلا دے کہ گل بکاؤلی مجھے مل جائے گا، یہ سب سے بڑا سچ ہے کہ مجھے کسی ایسے چہرے کو دیکھنے کی تمنا ہے جس کو دیکھنے کے بعد میں کشمیر کے حسین و جمیل جھرنے بھول جاؤں بلند و بالا اور مضبوط پہاڑ بھول جاؤں جن کی پناہ میں بے پناہ وسعت ہے اور دل لوٹ کرلے جانے والا سبز مخمل بھول جائے جس پر قدم دھرنے سے دل کا ہر ڈر خوف اور آسیب بھاگ جاتا ہے کیا کہیں کوئی ایسا ہوگا جس پر میں اپنے کشمیر کا حسن بھی قربان کر سکوں، اتنا سچا اور اجلا حسن۔

جو کسی کی گرمئی نظر بھی برداشت نہ کر سکے، کاش کہ انسان کو اپنی سوچ پر اختیار ہوتا تو میں کبھی اس تاج محل کی خواہش نہ کرتی جس کی اجلاہٹ مجھے ہمیشہ دیوانہ بنا دیتی ہے میں جانتی ہوں کہ تاج محل ایک بادشاہ نے بنایا تھا اور آج کل بادشاہوں کے وجود ختم ہو چکے ہیں بادشاہوں جیسے وجود رکھنے والوں کی پناہ گاہیں اختصار کا شکار ہو چکی ہیں۔ شیر کچھاروں کو چھوڑ کر جا چکے ہیں اور اونچی پرواز پر رہنے والا عقاب شاید میری پہنچ سے بہت دور ہے مگر اگر میں ایسا سوچتی ہوں تو کسی کو کیا اعتراض کسی کا کیا نقصان ہے کسی سے کچھ مانگتی تو نہیں کسی سے کچھ لیتی تو نہیں۔

صدف خاموش ہوئی تو ماروی کے ہونٹوں پر موجود مسکراہٹ کو دیکھ کر بول اٹھی کیا ایسا نہیں ہے ماروی کہ تم بہت غیر حقیقت پسند ہو؟ یہ سب باتیں تو افسانوی باتیں ہیں کتابوں میں اچھی لگتی ہیں ماروی کیا تمہاری اصل زندگی سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی؟

صدف کو حیرت اس بات پر تھی کہ زندگی جو بیش بہا دکھوں سے بھری پڑی ہے جہاں خوشی کا ایک پل انمول ہے ایسی زندگی میں ماروی اتنی بے فکر اتنی من موجی اور اتنی موڈی کیسے ہے کہ جو اس کا دل چاہا اس نے لکھ دیا ایسے معاشرے میں رہتے ہوئے جہاں قلم کے ساتھ ساتھ دل پر بھی پہرے لگے ہوئے ہوں ماروی اتنی آزاد کیسے تھی کہ دل کی آواز پر لبیک کہتی تھی کیا وہ کسی سے نہیں ڈرتی؟ کیا وہ اس قدر بہادر ہے جتنی دکھائی دیتی ہے؟ کیا اسے زندگی کی کسی بدصورتی اور بھیانک حقیقت کی موجودگی کا احساس نہیں؟ کیا وہ سچ کہتی ہے کہ اسے کشمیر کے حسین جھرنوں کے ساتھ اٹھلا کر چلنا آتا ہے؟ کیا وہ بلا خوف و جھجک اونچے اونچے پہاڑوں پر چڑھ جاتی ہے؟ کیا یہ بھی سچ ہے کہ سہانے موسم میں وہ خود موسم کا حصہ بن جاتی ہے؟ صدف اس کے چہرے کو دیکھتی رہ گئی جہاں ان تمام باتوں کی سچائی موجود تھی۔

ماروی اس کی بات سن کر خوشدلی سے مسکرائی چند لمحے کو کچھ سوچتی رہی پھر بولی ''زندگی سے ملاقات ۔۔۔۔ ہوئی ہے اور بہت حسین زندگی سے ملاقات ہوئی ہے جسے کل کی کوئی فکر نہیں جو چھوٹے سے بچے کی طرح آزاد کھلنڈری اور بے فکر ہے مائی ڈیئر تم تو پوری قنوطی ہو ہر بات کو دل میں لے کر بیٹھ جاتی ہو اور بہانے تلاش کرتی ہو کہ کسی نہ کسی

طرح اس بات پر آ ہیں بھری جا سکیں۔

مگر ماروی تمہاری اتنی اجلی زندگی سے کیسے ملاقات ہوگئی کیا وہ زندگی تمہارے قریب نہیں آئی جہاں دکھ ہیں بے بسی ہے بے حسی ہے غم کے الاؤ جلتے ہیں؟

نہیں اس لیے نہیں کہ میں نے خود اپنی زندگی کی پرواز کے پر نہیں باندھے بلکہ وقتاً فوقتاً انہیں تراشتی رہتی ہوں تا کہ اڑنے میں مزید آسانی رہے صدف مجھے اس بات کا غم نہیں کہ آج کل کس ڈیزائن کا فیشن چل رہا ہے مجھے یہ فکر نہیں رہتی کہ جوتوں کے اسٹائل تبدیل ہو گئے ہیں میک اپ میں آج کل کون سے کلرز ان ہیں اور یہ لڑکیاں کن رنگوں کو زیادہ اہمیت دے رہی ہیں۔ مجھے تو اس بات کی بھی فکر نہیں کہ میرے پاس زندگی کی تعیشات نہیں ہیں۔ میرے پاس نئے تو کیا پرانے ماڈل کی کار بھی نہیں ہے، نئے اسٹائل کا فرنیچر میرا مسئلہ نہیں ہے میں اپنے ناخنوں کو کسی بھی رنگ سے نہیں رنگتی، کہ مجھے نیا رنگ خریدنے کے لیے پیسے درکار ہوں تمہیں پتہ ہے میں تاج محل کی خواہش تو کرتی ہوں مگر میرا دل ایک چھوٹے سے تاج محل سے بھی بہل سکتا ہے مجھے تاج محل کی عمارت اس لیے پسند ہے کہ وہ بے تحاشا حسین ہے اس لیے نہیں کہ وہ سنگ مرمر جیسے قیمتی پتھر سے بنی ہے، صرف اور صرف اس لیے کہ وہ خوب صورت ہے انوکھی شان رکھتی ہے، کیچڑ اور دلدل کے درمیان اگر گل بکاؤلی کھلا ہو تو مجھے اس کیچڑ اور دلدل سے بھی محبت ہو سکتی ہے، ماروی اپنے ہاتھوں کی ٹھوڑی کے نیچے ٹکائے اس طرح بولتی جا رہی تھی جیسے وہ دنیا پر حکومت کرنے جا رہی ہو جیسے اسے روکنے ٹوکنے والا دور تک بھی کوئی نہ ہو۔

صدف اس کی حسین باتوں میں گم تھی آخر وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی کہ انسان کا ہر مسئلہ خود اس کا ہی پیدا کردہ ہوتا ہے اور قصور اطمینان سے قسمت کو دے دیا جاتا ہے، اپنی غلطیوں کے بارے میں آج تک سوچا ہی کس نے ہے صدف اس کی باتوں پر مسکرا کر بولی، تو یہ کہو نا کہ تمہیں کسی اجلے پھول کی تلاش ہے گل کی آرزو ہے۔

ہاں گل کی آرزو تو ہے مگر جانتی ہوں کہ بے سود ہے کیونکہ چمن بھی بہت بڑا ہے اور گل بھی بہت ہوں گے مگر میری خواہشوں کی فصل میں کھلا پھول ایک تنہا اور یکتا چاند اس زمین پر ملنا شاید بہت مشکل ہے۔

خوش قسمت ہو تم کہ مقصد حیات تو رکھتی ہو، میرے پاس تو زندگی بسر کرنے کا سیدھا راستہ بھی نہیں ہے، آخر اتنا لاابالی پن اتنی بے فکری تمہیں کہاں سے مل گئی ہے، ماروی میری روح بے کل رہتی ہے تھوڑی سی بے فکری مجھے بھی سونپ دو، ممی اور ڈیڈی مجھے دو مختلف دنیاؤں میں اپنی اپنی دنیا میں رکھنا چاہتے ہیں تم مجھے بتاؤ میں کس کے ساتھ رہوں دونوں ہی مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔

صدف تم کسی کا ساتھ مت دو صرف اپنا ساتھ دو، اپنے دل کی بات کرو صرف ایک بار ملنے والی زندگی ابہام و تفہیم میں گزار دینے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا، جس دنیا میں رہنے کو تمہارا دل چاہے وہاں رہو، بے شک وہ کوئی نئی دنیا ہی کیوں نہ ہو، ماروی اٹھ کر صدف کے بالکل قریب بیٹھ چکی تھی، سکون نہیں ملتا کہیں بھی چلی جاؤں سکون نہیں ملتا۔۔۔ بے کل رہتی ہوں۔۔۔۔ تم مجھے کوئی ایسا منتر بتا دو جسے پڑھ کر خوشی کے سارے دروازے میرے لیے کھل جائیں۔ صدف نے ماروی کے چہرے پر نظریں گاڑ کر کہا۔

سکون تو دل کے بہت اندر قید ہوتا ہے اسے ڈھونڈنا پڑتا ہے انمول چیزیں راہوں میں پڑی نہیں ملتیں، میں جب بھی اداس ہوتی ہوں تو اپنے گھر کے قریب سب سے بڑے جھرنے میں جا کر نہاتی ہوں گرتی ہوئی متواتر بوندوں کو اپنے جسم ہی نہیں اپنے دل کے بھی بہت قریب محسوس کرتی ہوں ان بوندوں کی ٹھنڈک بے مثال ہوتی ہے اس کا پانی اتنا ٹھنڈا اور میٹھا ہوتا ہے کہ چاہے روح کو بخار چڑھا ہوا ہو اُتر جاتا ہے اتنا سکون ملتا ہے جیسے بچہ ابھی ابھی ماں کی گود سے اتر کر آیا ہو، دنیا نئی لگنے لگتی ہے ہر غم دور ہو جاتا ہے پھر میں سب سے اونچے پہاڑ پر چڑھتی ہوں اور وہ گیت گاتی ہوں جو برسوں سے ہمارے گاؤں کی جوان لڑکیاں گاتی چلی آئی ہیں جب میں وہ گانا گاتی ہوں تو میرے ساتھ وہاں کی ہوا بھی گانے لگتی ہے میں جوں جوں اوپر جاتی ہوں ہوا اور بھی ٹھنڈی ہو جاتی ہے بادل میرے ہاتھوں کو چھونے لگتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ آسمان اور زمین پر میری سلطنت قائم ہو گئی ہو، پھر میں اس پہاڑ پر موجود وہ نیلے جنگلی پھول توڑ کر اپنی جھولی بھر لیتی ہوں جو پورے کشمیر میں صرف اسی پہاڑ پر اگتے ہیں بے تحاشا خوب صورت اور بے شمار، اور انہیں

مھولی میں بھر کر میں کسی بچے کی مانند خوش ہو جاتی ہوں۔

وہ چند لمحے فضا میں دیکھنے لگی وہ باتیں کرتی جا رہی تھی اور لگ رہا تھا کہ جس جگہ کے وہ قصیدے پڑھ رہی تھی وہ جگہ ان دونوں کے بالکل سامنے ہو، ماروی کی آنکھوں کی چمک دیدنی تھی، وہ رکی اور پھر چند لمحوں بعد بول اٹھی۔ اور تم جانتی ہو، صدف یہ سب، مجھے میری ادی زینب سے ملا ہے حتیٰ کہ کھلکھلا کر ہنسنا بھی میں نے اسی سے سیکھا ہے اسی کے پیار نے مجھے یہ سب محسوس کرنے کی طاقت بخشی ہے میں جانتی ہوں کہ یہ دنیا فکروں سے آزاد نہیں ہے مگر میں جو اتنی بے فکر ہوں اس کی وجہ صرف ادی زینب ہے ساری فکریں اس نے خود پال رکھی ہیں، زینب کے ذکر پر ماروی ٹھہر گئی زینب کی محبت وہ ہر پل اپنی پلکوں پر سنبھال کر رکھتی تھی اسی لیے زینب کے ذکر پر اس کی آنکھوں میں ستارے جھلملانے لگے۔

چند لمحوں بعد صدف نے ماروی کی خوب صورت باتوں کے سحر کو توڑا اور بولی، مگر یہ سب تو تمہاری قسمت ہے نا! کیونکہ کشمیر کی شہزادی تم ہو، میں تو اس گدلے شہر کی گدلی فضا میں رہنے والی ہوں، نہ تو مجھے کوئی ایسا جھرنا نصیب ہے جس کا پانی اتنا میٹھا اور ٹھنڈا ہوتا ہے کہ روح کو سکون مل سکے نہ ہی ایسا پہاڑ جہاں اتنے حسین پھول کھلتے ہوں اور نہ ہی ایسی بہن جو میرے سارے دکھ سمیٹ لے۔ اسی لیے تو کہتی ہوں کہ چلو ایک بار ہو آؤ روح کی ہر بیماری اچھی ہو جائے گی، سب دکھ بھول جاؤ گی جب ایک بار میری طرح بے فکری سے چلنا سیکھ لو گی تو دنیا کا کوئی غم کوئی آسیب تمہیں ڈرا نہیں سکے گا، ماروی اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے بول رہی تھی۔

ضرور چلوں گی ماروی ایک بار ضرور چلوں گی امتحانوں کے بعد ڈیڈی کے ساتھ مجھے امریکہ جانا ہے اور واپسی پر ممی کے ساتھ کچھ دن رہنا ہے لیکن رزلٹ سے پہلے میں تمہارے گاؤں ضرور آؤں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے، وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

او کے! اگر تمہیں خیال ہے کہ میری فضول باتوں نے کتنا وقت برباد کر دیا ہے اتنی دیر میں پوری ہسٹری یاد کی جا سکتی تھی چلو اٹھو ماروی چھلانگ لگا کر پلنگ سے اٹھی اور اپنے بستر پر آ بیٹھی۔

خیر اب ان سب کو فضول باتیں بھی مت کہو، صدف مسکرا کر کتاب کھولتی ہوئی

بولی۔ ماروی جواباً کھڑی ہوئی اور کمرے میں موجود واحد کھڑکی کی طرف بڑھی جو بند تھی، ماروی نے کھڑکی کھولی تو ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا کا جھونکا اندر آ گیا۔

ہزار دفعہ تمہیں کہا ہے کہ یہ کھڑکی بند مت کیا کرو، ماروی نے صدف سے کہہ کر دوبارہ باہر جھانکا۔

''اچھا بابا سوری، میں بھول جاتی ہوں، صدف کی آواز عقب سے آئی۔

یہ بھولنے کا مرض بھی تم شہری لوگوں کو بہت ہوتا ہے ماروی سر کو ہلکا سا خم دے کر بولی وہ اپنی بات کے جواب میں صدف کی مسکراہٹ بغیر دیکھے محسوس کر سکتی تھی۔

ماروی گاؤں پہنچ گئی، وہ صرف دو دن کے لیے گاؤں آئی تھی، ایک تو اسے اپنی بہن زینب کی فکر تھی، جسے وہ بیمار چھوڑ کر گئی تھی، دوسرا وہ نیلا فراک جو اس نے شوہن پہنا تھا واپس کرنا تھا، ساتھ میں زینب کے سونے کے جھمکے بھی تھے، جو ماروی صرف اس شو کی خاطر زینب سے لے گئی تھی اور ماروی نے ہاسٹل میں بھی سنبھال سنبھال کر رکھے تھے، گاؤں آنے سے پہلے اس نے کالج کی ڈسپنسری سے زینب کے لیے دوائی بھی لی تھی۔

ماروی جب گاؤں کے بس اسٹینڈ پر اتری تو کشمیر کی ٹھنڈی ہوا نے اسے پہلا سلام کیا۔ سفر کی ساری تھکن دور ہو گئی، زینب کا شوہر ادا نور محمد اسے لینے آیا تھا۔ ماروی اپنے آنے کی اطلاع کر چکی تھی ماروی نے نور محمد کو سلام کیا، تو اس نے ماروی کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر اس کا حال چال پوچھا، اور پھر دونوں گھر کی طرف چل دیے، اس وقت ماروی حقیقت میں ایک پہاڑن لڑکی لگ رہی تھی، بڑی سی کالی چادر سر پر احتیاط سے جمائے وہ نور محمد کے پیچھے قدم اٹھاتی جا رہی تھی۔ اس کا چاند سا چہرہ دن کی روشنی اور کالی چادر کے ہالے میں چمک رہا تھا، وہ پگڈنڈیوں سے سفر طے کرتی جانے پہچانے راستے پر چلتی، اپنے آنگن میں داخل ہو گئی تو اس کی تینوں بھانجیاں اوپر کے کسی پہاڑ سے تیزی سے اترتی ہوئی اس سے آ چمٹیں۔

''ماسی ماسی'' وہ یک زبان بول رہی تھیں۔ ماروی بھی اجالا، روشنی اور کرن کو بازوؤں میں سمیٹے پیار کرنے لگی ادا اسے آنگن کے قریب چھوڑ کر کھیتوں کی طرف چلا گیا، ماروی نے بچیوں کے پیچھے دیکھا تو زینب اپنے چہرے پر بے شمار ممتا لیے کھڑی تھی۔

ادی وہ بڑھ کر زینب کے گلے لگ گئی۔

"تو کیسی ہے میری پیچ پھلاں رانی" زینب کی آنکھوں میں پیار کے دیے جل رہے تھے۔

"میں بھلی چنگی ہوں، مگر تو بتا کیا تیری طبیعت ٹھیک ہے؟ تیری کھانسی ٹھیک ہے؟ بول؟ ماروی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"ہاں ٹھیک ہے" زینب آہستہ سے بولی، لیکن ساتھ ہی کھانسنے لگی۔

ماروی بھڑک اٹھی، یہ ٹھیک ہے! مجھے تو پہلے سے زیادہ لگتی ہے۔

"نہ۔۔۔۔نہ۔۔۔۔رانی۔۔۔۔نہ۔۔۔۔غصہ نہ کر۔۔۔۔پہلے سے ٹھیک ہے بڑے حکیم جی کی دوائی کھائی ہے تیرا ادا برابر لا رہا ہے، آجائے گا آرام۔۔۔۔تو کیوں فکر پالتی ہے۔۔۔۔بتا امتحان ہو گئے؟ زینب اپنا دوپٹہ سر پر جمائے ہوئے حلیم لہجے میں بولی وہ دونوں چارپائی پر بیٹھ چکے تھے۔

"بس ہونے والے ہیں۔۔۔۔دو دن کے لیے آئی ہوں اب امتحانوں کے بعد ہی آؤں گی لمبی چھٹی ہوگی، ماروی نے بتایا اجالا، روشنی اور کرن بھی ان کے قریب آ بیٹھیں اب ان میں لڑائی شروع ہو گئی تھی کہ ماسی کی گود میں کون بیٹھے گا، اس سے پہلے کہ ہمیشہ کی طرح ماروی ان تینوں کو گود میں بھر لیتی اندر کے کمرے سے نور محمد کی ماں جو رشتے میں زینب اور ماروی کی رشتے کی خالہ بھی لگتی تھی باہر آ گئی۔

"آہا۔۔۔۔ماروی۔۔۔۔آ گئی۔۔۔تو" زلیخا اسے دیکھتے ہی بولی۔

"سلام ماسی" ماروی نے اٹھ کر سلام کیا تو ماسی زلیخا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا

"بول جی تو اچھا ہے نا تیرا" وہ اس کے قریب بیٹھ کر بولی۔

ماروی بھی بیٹھ چکی تھی ہاں ماسی میرے جی کو کیا ہونا ہے پر ادی مجھے بہت پیار لگتی ہے وہ منہ بسور کر بولی، مگر زینب نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ ماروی کو خاموش رہنا کہاں آتا تھا اسی اثناء میں نور محمد کھیتوں سے لوٹ آیا ماروی براہِ راست نور محمد سے مخاطب ہو کر بولی۔ ادا جب میں شہر جاؤں گی تو ادی کو بھی شہر لے جاؤں گی ہم بھی چلنا، بڑے اسپتال سے دوائی لائے گی تو ٹھیک ہو جائے گی یہ بڑے اور چھوٹے حکیم اب کسی کام کے بھی تو نہیں رہے۔

نہ پگلی، ایسا نہ بول، یہ حکیم ہی تو ہیں جو ہم سب بھلے چنگے دکھتے ہیں، ورنہ تو شہر کی طرح یہاں بھی بیماریاں پھیلنے لگی ہیں، نور محمد نے حقے کا کش لیتے ہوئے کہا۔

''نہ ادا، شہر کی بیماریاں ہم گاؤں والوں کو نہیں چڑھ سکتیں، بڑی عجیب بیماریاں ہیں وہاں کی۔ وہاں کے لوگوں کو جسم کی نہیں روح کی بیماریاں لگی ہیں، اصل میں وہاں کی گندی ہوا نے سب کی روحوں کو گدلا کر دیا ہے، ماروی نے مسکرا کر کہا تو نور محمد کے ساتھ زینب بھی ہنس پڑی پھر وہ باتوں میں مصروف ہو گئیں۔

اسی اثناء میں نور محمد حقہ پی چکا تھا وہ اٹھتا ہوا بولا ''اچھا میں چلتا ہوں سفیر کو بٹھا کر آیا تھا کھیت پر گندم تیار کھڑی ہے ادھر ادھر ہو جاؤ تو کوئی نہ کوئی گڑ بڑ ہو جاتی ہے، اور پھر وہ اللہ لوگ سفیر بھی کسی سے لڑنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، بولتا نہیں ہے بس لڑتا ہے۔

نور محمد اپنے اکلوتے نوکر سفیر کی بات کر رہا تھا لوگ کے کہنے کے مطابق سفیر کا دماغی توازن درست نہیں تھا کئی طرح کی کہانیاں گردش کرتی تھیں کسی کا کچھ خیال تھا اور کسی کا کچھ نور محمد نے پندرہ سال پہلے اسے رات کے وقت اپنے گھر میں پناہ دی تھی، تب سے اب تک وہ نور محمد کے ساتھ تھا، نور محمد اسے اللہ لوگ انسان سمجھتا تھا اور ہمیشہ اسے اپنوں کی طرح رکھتا تھا اور سفیر بھی نور محمد کے ایک اشارے پر جان دینے والوں میں سے تھا، نور محمد چلا گیا اور ماروی بچوں کے لیے لائی ہوئی ٹافیوں کے پیکٹ ان میں تقسیم کرنے لگی، بچیاں ٹافیاں ملتے ہی اچھلتے کودتے باہر کی طرف بھاگیں، ماسی زلیخا بھی کسی وقت گھر سے باہر نکل چکی تھی۔

کھانا رکھ دیا، پھر وہ کھانا لے کر ماسی کی طرف بڑھی وہ ہائے ہائے کرتی اٹھ بیٹھی اس کے سر میں ہمیشہ کی طرح درد ہو رہا تھا۔ بچیوں کی روٹی اپنی چارپائی پر رکھی اور سفیر کی چنگیر لے کر سر پر دوپٹہ جماتی ہوئی مسکراتی ہوئی اس کی طرف آئی۔

لے کھا لے، چنگیر آگے رکھتی ہوئی وہ بولی۔

سفیر نے ہاتھ کے اشارے سے ماروی کی خیریت پھر دریافت کی۔۔

ہاں میں ٹھیک ہوں، تو بول۔۔۔۔تو کیسا ہے، ماروی نے جواباً پوچھا۔

جواب کے طور پر سفیر آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر دھیرے سے مسکرایا، جس کا مطلب تھا کہ اس کا خدا خوش ہے تو وہ بھی خوش ہے۔

ماروی مسکرا کر اپنی چارپائی پر آ بیٹھی اور بچیوں کے ساتھ کھانے میں مصروف ہو گئی زینب چولہے پر بیٹھی لقمے توڑ رہی تھی۔

رات گہری ہو گئی سب سو چکے تھے سارا کشمیر نیند میں ڈوبا تھا۔ مگر ماروی جاگ رہی تھی۔ اس نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھا تو دس بج رہے تھے۔ کھلے آسمان پر تنہا چاند اور اس کے بہت سے ساتھی جھلمل جھلمل کر رہے تھے۔ لطیف ہوا چل رہی تھی ایسی ہوا جو لمحوں میں میٹھی نیند کی وادیوں میں پہنچا دے، مگر ماروی زینب کی وجہ سے فکر مند تھی۔

ماروی اپنے بستر سے اٹھ بیٹھی، ساتھ ہی زینب کی چارپائی تھی، اجالا اس کے پاس سو رہی تھی ماروی آہستہ آہستہ اٹھی اس نے زینب کا کاندھا ہلایا تو زینب نے آنکھیں کھول دیں، ماروی نے اسے اشارہ کر کے اٹھایا اور ساتھ چلنے کا اشارہ کیا وہ دونوں گھر کے پچھلے آنگن میں موجود ایک بڑے سے پتھر پر آ بیٹھیں۔

کیوں جگایا اتنی رات کو؟ زینب سر پر دوپٹہ جماتی ہوئی بولی۔

ابھی کہاں ادی، ابھی تو رات شروع ہوئی ہے۔

پگلی چاند گھر کے عین اوپر ہے۔ جس کا مطلب ہے رات آدھی گزر گئی ہے۔

زینب نے اپنے اندازے سے بتایا۔

شہر میں تو ابھی دن نکلا ہوگا، وہ مسکرا کر بولی۔

اچھا یہ تیرا شہر تو بڑا نرالا ہے۔۔۔وہ مسکرا دی مگر اس کی چمکدار آنکھیں مصنوعی

مسکراہٹ کا ساتھ نہ دے سکیں۔ ''ادی'' ماروی نے اس کے بالکل قریب بیٹھ کر محبت سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

تو مجھے بہت اداس لگتی ہے تیری آنکھیں کہہ رہی ہیں کہ تجھے کوئی دکھ ہے کیا دکھ ہے ادی۔۔۔۔ مجھے بتا۔۔۔ بول۔

زینب چند لمحے اپنی بہن کو دیکھتی رہی پھر لمبا سانس لے کر بولی تیرا خیال غلط ہے۔ کچھ بھی تو نہیں ہے۔ کچھ بھی تو نہیں۔

اپنی ماروی سے جھوٹ بولے گی تو ماروی کا زندگی پر سے یقین اٹھ جائے گا۔ ماروی نے غصے سے کہا۔

زینب چند لمحے خاموش رہی۔ اور ماروی بھی ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی رہی، پھر زینب سر اٹھا کر آہستہ آہستہ بولی۔ ماسی نے نور محمد کی دوسری شادی کی بات کی ہے۔ زینب سادگی سے وہ بات کہہ گئی جو ماروی کے لیے کسی بم کے دھماکے سے زیادہ خطرناک تھی۔

کیا ماروی تقریباً چیخ اٹھی۔

آہستہ۔۔۔ آہستہ رانی آہستہ ماسی اٹھے گی تو کہے گی کہ تجھ سے شکایت لگا رہی ہوں۔

مگر کیوں؟ اب کی بار ماروی غم ناک لہجے میں بولی۔

کہتی ہے کہ نور محمد اس کا اکلوتا بیٹا ہے اور نام بڑھانے کے لیے نور محمد کا ایک بیٹا ہونا بہت ضروری ہے۔ زینب سر جھکا کر دھیمے لہجے میں بولی، ساتھ ہی اس کی کھانسی بھی اکھڑ آئی اس نے اپنے دوپٹے کا پلو منہ پر رکھ لیا۔

چند لمحوں بعد اس نے نظریں اٹھا کر ماروی کو دیکھا جو اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھی تھوڑے دن پہلے تک بھی ماروی کو زینب کے چہرے پر گلاب کھلے نظر آتے تھے زینب کا حسین اجلا اور خوش نما چہرہ اسے چاند سے بھی پیارا لگتا تھا آج چاند پر گہن لگا تھا دکھ کا بے چین گہن۔

ماروی بے چینی سے بولی تیری بیماری کا علاج تو کرواتے نہیں الٹا بیٹا مانگتے ہیں۔

تو ٹھیک ہوگی تو بیٹا ملے گا نا، تیری ہی صحت ٹھیک نہیں ہوگی تو بیٹا کہاں سے آئے گا۔

''میری رانی ایسے نہ بول، بیٹا تو سب کو چاہیے ہوتا ہے، ٹھیک بھی ہے بیٹا تو نام آگے بڑھاتا ہے، آج میرا اور تیرا کوئی بھائی ہوتا تو آج اس طرح تو میرے ساتھ نہ رہ رہی ہوتی۔ ہمارے ماں باپ کا نام اس طرح ختم تو نہ ہوتا، آج اس نام کو آگے بڑھانے والا کوئی تو ہوتا، اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

اور اگر خدا نے قسمت میں بیٹا نہ لکھا ہو تو کیا ماسی قسمت سے لڑے گی؟ کیا خدا سے لڑے گی؟

مجھ سے نہ سہی شاید دوسری شادی سے اسے بیٹا مل جائے۔

زینب کی بات سن کر ماروی کرب سے تڑپ اٹھی اور تیزی سے بولی، ''دی ایسا نہ بول، بھلا کیا ادا دوسری شادی کرے گا؟ کیا ادا کرے گا دوسری شادی؟ بول کیا کہتا ہے وہ۔

اس نے تو سختی سے منع کر دیا ہے مجھے بھی بعد میں کہا تھا کہ وہ دوسری شادی ہرگز نہیں کرے گا، مگر اجالا روشنی اور کرن کے لیے ایک بھائی کی دعائیں تو میں بھی مانگتی ہوں نا رانی۔

زینب کی ان چند باتوں نے جیسے ماروی کے جلتے سینے پر ٹھنڈا پانی برسا دیا ہو، ادا نور محمد انکار کر چکا تھا تو دنیا کی کوئی طاقت اسے مجبور نہیں کر سکتی تھی۔ ماروی سکون کا سانس لیتے ہوئے بولی'' جب ادا نے ماسی کی بات سے انکار کر دیا تو، تو کیوں دکھ کرتی ہے؟ خواہ مخواہ غم لگا کے بیٹھی ہے۔

ماروی خوش تھی۔ اسے لگا جیسے آج سارے دن کی اداسی چھٹ گئی ہے، ادا کتنا اچھا تھا، یہ اسی کا تو دم تھا جو آج ماروی شہر میں پڑھ رہی تھی شاید وہ زینب سے بہت پیار کرتا تھا۔ تبھی تو شادی سے بھی انکار کر دیا تھا۔

لیکن ماروی ان تینوں کے لیے ایک بھائی ہونا چاہیے، زینب پھر اسی لہجے میں بولی اب کی بار تو بولی نا تو میں بڑے جھرنے سے جا کر چھلانگ لگا دوں گی، ماروی نے جھٹ سے کہا زینب نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

کیا بولتی ہے؟ بڑ بڑ کرتی رہتی ہے۔

اور نہیں تو کیا؟ تو بے وجہ دکھی رہے گی۔ تو کیا تیری ماروی خوش رہے گی۔ تیری آنکھوں کا غم دیکھ کر تو ماروی کو نیند نہیں آتی، اور تو چلی ہے روگ لگانے، جس دن ادا نور محمد آنکھیں پھیرے گا۔ اس دن تیری ماروی تیرے ساتھ سر میں خاک ڈال کے، پورے کشمیر میں ماتم کرے گی مگر ابھی نہیں۔ ادی ابھی نہیں۔

ماروی بے تکان بولتی چلی گئی۔

بہت بڑی پگلی ہے تو، زینب اس کی بات پر ہنس پڑی۔

اگر تو اسی طرح اداس رہے گی تو واقعی پگلی ہو جاؤں گی۔ اور سفیر کے سرہانے جا بیٹھوں گی۔ سبز چولا پہنوں گی اور کالے دانوں کی تسبیح گلے میں ڈال لوں گی، ماروی نے مسکراتے ہوئے دھمکی دی۔

زینب اس کی بات سن کر ہولا گئی، اب میں تجھے جوتی سے پیٹوں۔۔۔۔ آں، زینب نے مسکرا کر دونوں ہاتھ کھول دیئے اور ماروی نے ہنستے ہوئے اس کی گود میں سر رکھ دیا۔ میں ایویں تو تجھے پگلی نہیں کہتی، زینب کے چہرے پر خوشی لوٹ آئی تھی۔

چند لمحوں میں ماروی کی پیاری باتوں نے یہ بھلا دیا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ کس غم میں گھری تھی۔

اور ایویں ہی تو تو مجھے شہزادی اور رانی بھی نہیں کہتی نا، ماروی اٹھلا کر بولی۔

اور نہیں تو کیا رانی تو تو ہے سچ پھلاں رانی اور شہزادی تو ہے پورے کشمیر کی، زینب۔ اس کے بالوں میں محبت سے انگلیاں پھیرتی ہوئی بولی۔

پتہ ہے ادی مجھے وہ نیلا سوٹ پہننے پر کالج والوں نے انعام دیا ہے، ماروی نے اس کی گود سے نکل کر اشتیاق سے بتایا۔

کیا واقعی وہ اچھا لگا؟ زینب خوشی سے بولی۔

ارے ادی ایسا ویسا سب نے تیری کڑھائی کی بہت تعریف کی میری سہیلی ہے نا صدف اُس نے فرمائش کی ہے، ویسی ہی کڑھائی بنا کر دینا، بنا دے گی نا؟

سر آنکھوں پر رانی کیوں نہیں بنا کر دوں گی، میری ماروی کی سہیلی میری اپنی سہیلی

جیسی ہوئی۔ بالکل ویسا بنادوں گی۔ زینب نے شفقت سے کہا۔

اور ہاں ادی میں تیرے سونے کے جھمکے بھی واپس لے آئی ہوں صرف ایک دن پہنے تھے اور بہت سنبھال کرر کھے تھے۔ ماروی نے پھر سر اس کی گود میں دھر دیا۔ اچھا کیا کنواری لڑکیوں کے پاس سونا زیادہ دیر نہیں رہنا چاہیے، زینب نے سادگی سے، کہا۔ اب اس کے چہرے پر اطمینان پھیل رہا تھا۔

زینب کی یہ بات سن کر ماروی اس کی گود میں سر رکھے دھیرے سے مسکرائی زینب کا خیال تھا بلکہ اس نے بچپن سے آج تک یہی سنا تھا کہ کنواری لڑکیوں کو سونا نہیں پہننا چاہیے، لڑکیاں سونا صرف اپنی شادی کے دن پہنتی تھیں، ورنہ ایک روایت کے مطابق سونے کا استعمال کرنے سے ان پر جن اور بھوت، پریت کی نظر ہو جاتی تھی۔ زینب کے سونے کے جھمکے بھی ماروی بہت ضد کر کے اور ماسی زلیخا سے چھپا کر لے گئی تھی کیونکہ ماروی کے پاس کوئی زیور نہیں تھا جو وہ شو میں پہن سکتی، ویسے بھی شہر میں اکثر و بیشتر لڑکیوں کو پہنے دیکھا تھا۔ جنہیں کبھی کچھ نہیں ہوا تھا، مگر وہ ایسی بحث زینب سے نہیں کرنا چاہتی تھی۔ زینب کی ہر بات وہ ہمیشہ سر جھکا کر مانتی تھی چاہے وہ صحیح ہوتی یا غلط۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ ماروی زیورات کی بہت شوقین تھی۔ سونے اور چاندی کے زیورات اسے بہت پسند تھے، اسی لیے وہ ضد کر کے زینب کے جھمکے لے گئی تھی۔

تجھے زیور اچھے لگتے ہیں نا، اسی لیے میں نے تیرے لیے چاندی کی بڑی خوب صورت زنجیر بنوائی ہے، بالکل تیری طرح خوب صورت، زینب نے ماروی کو بتایا۔

ماروی کی خوشی کی انتہا نہ رہی، کیا سچ ادی؟

ہاں اپنے سنار چاچا سے بنوائی ہے، اور چاچا نے بھی ایسا خوب صورت، اور حسین کام کیا ہے کہ جو بھی دیکھتا ہے نظر ہٹانا بھول جاتا ہے!۔

کیا آ گئی ہے؟ مجھے دکھائی کیوں نہیں؟ ماروی بے چینی سے بولی۔ اس کے لیے ایسے سیکریٹ تحفے بہت خوشی لاتے تھے۔ اس بات کا احساس کہ کسی کو اس کا خیال رہتا ہے کوئی اس کے لیے سوچتا پریشان ہوتا اور خوشیاں تلاش کرتا رہتا ہے۔ بہت حسین اور دلکش تھا آ تو گئی تھی مگر تیرے ادا نور محمد نے واپس کر دی، زینب ایک ادا سے بولی۔

کیوں؟ کیوں واپس کردی، ماروی ایک دم غصے میں آ گئی۔

زینب ہنس پڑی زینب کی کھوئی ہوئی ہنسی واپس آ گئی تھی اسی لیے ماروی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی، اری پگلی وہ کہتا ہے کہ ماروی کو سونا پہننے کا بہت شوق ہے تو اس چاندی کی زنجیر کا کنڈا سونے کا بنوایا ہے اس طرح تیرا شوق بھی پورا ہو جائے گا اور بڑوں کی بات بھی رہ جائے گی۔

اوہ اچھا، وہ اطمینان سے بولی۔

کل آ جائے گی وہ سب سے نایاب ڈیزائن ہے حالانکہ چاچا کو کم دکھائی دینے لگا ہے مگر میرے اصرار پر اس نے سارا کام اپنے ہاتھوں سے کیا ہے اور تو دیکھنا وہ تیری چاندی جیسی شفاف گردن پر کتنی پیاری لگے گی، وہ دلار سے بولی۔

اچھا اب چل وہاں کوئی اٹھ گیا تو جانے کیا سوچے کہ ہم پتہ نہیں کس کی برائی کرتے بیٹھے ہیں، زینب نے اٹھنے کا ارادہ کیا اور بول اٹھی۔

چلتی تو میں ہوں، مگر تو ہر کسی سے ڈرا مت کر، ماروی اپنے اسٹائل میں بولی۔

اچھا ری اچھا اب چل، زینب ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گئی۔

وہ دونوں وہاں سے آ کر اپنی چارپائیوں پر آ چکی تھیں سب اسی طرح سو رہے تھے فرق تھا تو بس اتنا کہ زینب اور ماروی کے دلوں کو سکون آ گیا تھا اور میٹھی نیند بھی۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ سویرے ہی اٹھ بیٹھی، زینب تو شاید بہت پہلے ہی اٹھی ہوئی تھی، ماروی جانتی تھی کہ وہ اس وقت اٹھتی ہے جب اندھیرے نے دھرتی پر سے مکمل راج بھی نہیں اٹھایا ہوتا۔ بچیاں ماروی کے اٹھنے سے پہلے ناشتہ کر چکی تھیں اجالا اسکول جا چکی تھی۔ کونے میں بیٹھا سفیر آسمان پر نہ جانے کیا دیکھے جا رہے تھا نور محمد حقہ پی رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ ناشتہ کر چکا تھا اور نور محمد کا حقہ پینے کا مطلب تھا کہ سفیر بھی ناشتہ کر چکا ہے۔

زینب نے اسے جاگتا دیکھ کر آواز لگائی، منہ ہاتھ دھو کے آ جا ماروی تیرے لیے پراٹھا بنا رہی ہوں، زینب کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

ماروی اس کی مسکراہٹ دیکھ کر خوش ہوگئی زینب کی ایک بھرپور مسکراہٹ اس کا پورا دن حسین بنانے کے لیے کافی ہوتی تھی وہ اٹھی اور جھرنے کی طرف چل پڑی۔

ادی میں نہا کر آتی ہوں، وہ کہتی ہوئی گزری تو روشنی اور کرن نے جلدی جلدی پراٹھے کے آخری نوالے توڑے اور اس کے ساتھ ہولیں دوسری طرف سے نور محمد اور سفیر بھی کھیتوں کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔

جھرنے پر نہاتے وقت بہت سی بچپن کی سہیلیاں ماروی کے ساتھ تھیں وہیں اسے اپنی پرانی دوست فریدہ کے بارے میں علم ہوا کہ وہ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں قتل ہوگئی ہے۔ ماروی پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور جب اسے حقیقت کا علم ہوا تو اس نے سکون کا سانس لیا کیونکہ وہ ایک برادری کی ریت تھی جس سے بغاوت کے نتیجے میں فریدہ موت کے گھاٹ اتار دی گئی تھی حقیقت یہ تھی کہ کسی شہری لڑکے کے چکر میں فریدہ نے گھر والوں کے منع کرنے کے باوجود گھر سے قدم نکالے، اس کا ارادہ شاید ہمیشہ کے لیے گاؤں چھوڑنے کا تھا مگر وہ اپنے ہی گھر والوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دی گئی۔

اس گاؤں میں ایسا قدم اٹھانے والی لڑکیوں کا انجام ہمیشہ یہی ہوتا تھا، یہ بات ماروی اچھی طرح جانتی تھی اسی لیے اس نے سکون کا سانس لیا تھا، کیونکہ اگر وہ اپنے گھر والوں کے ہاتھوں موت قبول نہ کرتی تو موت سے بھی زیادہ بھیانک اور تکلیف دہ زندگی اس کی منتظر ہوتی۔ اگر وہ زندہ چھوڑ دی جاتی تو اپنی عمر سے لے کر ہر عمر کے لوگوں کے لیے وہ ایک بدنما داغ بن جاتی اور اس کی زندگی کسی کھوٹے سکے سے بھی بدتر گزرتی اس لیے بہتر ہوا کہ وہ مرگئی حقیقتاً ماروی کے لیے یہ قصہ کوئی نیا نہیں تھا۔

ماروی نہا دھو کر واپس زینب کے پاس آئی ناشتہ کیا اور دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی، زینب کی حالت کل سے قدرے بہتر تھی اس لیے ماروی کو بھی سکون تھا۔ شام کے قریب وہ جب جھرنے کے قریب بیٹھی اپنی دوسری سہیلیوں کا انتظار کر رہی تھی تو بہادر خان نے اسے آگھیرا۔

بہادر خان رشتے میں نور محمد کے تایا کا بیٹا لگتا تھا، اس لیے ہمیشہ وہ ماروی کو اپنی

سلطنت سمجھ کر اس پر رعب جماتا تھا، عادات و خصائل میں وہ ایک بدنیت انسان تھا۔ اس لیے ماروی اسے دیکھتے ہی بدک کر کھڑی ہو گئی۔

واہ ماروی تو آئی اور مجھ سے ملی بھی نہیں، وہ اسے دیکھتے ہی بول اٹھا...

کیوں میں کیا تیرے ماسٹر کی کچھ لگتی ہوں جو تجھ سے ملتی، ماروی نے تنک کے جواب دیا اور اپنی سبز اور سنہری چادر کو سر پر درست کرتے ہوئے آگے چلنے لگی۔ بچیاں کہیں ادھر ادھر تھیں۔

میری بات تو سن پنج پھلاں رانی، بہادر نے اسے زینب والے خطاب سے پکارا۔

بہادر خان! ماروی چلا کر پلٹ آئی۔ آئندہ تو نے مجھے اس طرح پکارا تو تیری زبان گدی سے کھینچ لوں گی، ماروی اپنے ٹھیٹ انداز میں بول رہی تھی۔

ارے اتنا غصہ نہ کیا کر۔۔۔ میں بے چارہ بہہ جاتا ہوں۔ تیرے غصے کے سیلاب میں۔ بہادر خان مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا عجیب سے انداز میں بولا۔

دیکھ بہادر۔۔۔ اگر تو نے دوبارہ اس طرح مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی تو مجھے اپنی مری ماں کی قسم ہے، تیرا جینا حرام کر دوں گی، ماروی نے اسے دھمکی دی اور گھر کی طرف واپس آ گئی۔

بہادر خان اسے بہت دیر تک دیکھتا اور جواباً مسکراتا رہا۔

گھر آ کر اس نے زینب کو سارے واقعے سے آگاہ کیا اور کہا اگر دوبارہ بہادر نے اس سے ایسا سلوک کیا تو وہ اسے جان سے مار بیٹھے گی۔ زینب اس کے غصے اور تیز مزاج سے واقف تھی اس نے ہنستے ہوئے ماروی سے وعدہ کیا کہ وہ نور محمد سے بات کر کے بہادر کے مزاج ٹھیک کروا دے گی اس وعدے کے بعد ماروی کو سکون سے نیند آ گئی تھی۔

اگلے دن جب نور محمد اور سفیر اسے بس کے اڈے پر چھوڑنے جانے کے لیے تیار کھڑے تھے تو ماروی نے زینب کو قسم دے کر کہا۔ دیکھ ادی اب تو یہ اداسی کا موسم ختم کر دے، اب تو اداس ہوئی تو سمجھنا کہ شہر میں تیری ماروی اداس ہو جائے گی۔ ماروی اداس ہو گئی تو ماروی کے امتحان اچھے نہیں ہوں گے اور اگر امتحان اچھے نہیں ہوں گے تو

ماروی پاس ہو جائے گی۔

بس کر! زینب ڈانٹ کر بول اٹھی۔ بہت ٹر ٹر کرتی ہے، یہ لے یہ تعویز بڑے درگاہ سے لائی تھی۔ ہر مشکل میں ہر بیماری میں شفا دیتا ہے اپنے بازو پر باندھ کر پرچے دینا، اللہ سوہنا چاہے گا تو تو ضرور پاس ہو جائے گی، اس نے تعویز ماروی کے ہاتھ پر دھر دیا۔

ماروی نے اسے سنبھال کر اپنے بیگ میں رکھ دیا۔

اور یہ تیری زنجیر، زینب نے مسکراتے ہوئے چاند کی طرح چمکتی ہوئی بے حد حسین زنجیر ماروی کے ہاتھ پر رکھ دی۔ ماروی چند لمحے اسے حیرت سے دیکھتی رہی نور محمد بھی اب قریب آ گیا تھا۔ وہ بھی مسکرا رہا تھا ماروی سانس روکے اسے دیکھے جا رہی تھی بے حد حسین نقش و نگار کی چپٹی زنجیر تھی جس کا سونے کا کنڈا الگ ہی چمک رہا تھا ماروی نے جھٹ اسے اپنے گلے میں ڈال لیا۔

پسند آئی میری بچی کو نور محمد نے مسکرا کر سوال کیا۔

بڑی سوہنی ہے! ــــــ لگتا ہے سنار چاچا نے سالوں سال کی محنت اور ریاضت اسی پر لگا دی ہے۔

اچھا اب چل دیر ہو جائے گی، نور محمد سورج کو دیکھ کر وقت کا جائزہ لیتا ہوا بولا۔ ماروی زینب سے گلے ملی اور پھر سب کو خدا حافظ کہتی کالی چادر کو اچھی طرح سر پر جما کر گھر کا آنگن پھلانگ آئی۔

ہاسٹل کا پھر وہی کمرہ تھا جہاں آ کر ہمیشہ اسے گھٹن کا احساس ہوتا تھا۔ امتحانوں کی وجہ سے پڑھائی زوروں پر تھی۔ صدف نے کچھ سامان خریدنا تھا اس لیے وہ وارڈن سے اجازت لے کر بازار کی طرف نکل آئیں۔ ایک بڑے اسٹور میں ماروی کو اپنی پسندیدہ چیز نظر آ گئی۔ آج سے پہلے اس نے تاج محل کے کئی ماڈل دیکھے تھے مگر یہ نہایت چھوٹا سا ماڈل ماروی کو منفرد لگا۔ کیونکہ یہ جس اسٹینڈ پر بنا تھا وہ تمام کا تمام نیلا تھا۔ صدف بھی اسے دیکھتے ہی سمجھ گئی ماروی کم از کم اس ماڈل کو اس دکان میں نہیں چھوڑے گی اور ایسا ہی ہوا ماروی اسے خرید کر لے آئی۔ کیسا عجیب اتفاق تھا کہ بنانے والے تو شاید سرسری طور پر اس ماڈل کو نیلے اسٹینڈ پر جما دیا تھا مگر ماروی کے لیے یہ بڑی موت قد اور دلچسپی کی

بات تھی۔ صدف نے ہاسٹل واپس آکر ماروی سے کہا، بھئی تمہارے ساتھ حسین اتفاقات بہت ہوتے ہیں۔

حسین اتفاقات!۔۔۔ ماروی نے سرسری لہجے میں صدف کی بات کو دہرایا اور ماڈل کو اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر سجا دیا۔۔۔ ہوتے ہیں نا؟۔۔۔صدف۔۔نے دہرایا۔

ہاں شاید، ماروی نے سادگی سے کہا۔ شاید نہیں بھئی ہوتے ہیں۔۔۔۔اور آج مابدولت صدف صاحبہ آپ کو دعا دیتی ہیں کہ آپ کی ساری خواہشیں اسی طرح حسین اتفاقات ہوتے ہوتے پوری ہو جائیں، صدف شاہانہ انداز میں مسکراتی ہوئی بولی۔

موسم گرم ہے اور تمہیں شدید ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہے کیونکہ اسی طرح آپ کے سر سے حسین اتفاقات کا بھوت اترے گا اور یہ یاد آ جائے گا کہ عنقریب امتحان ہونے والے ہیں، ماروی پانی کا گلاس صدف کے آگے رکھتی ہوئی بولی۔

تو یہ ہے تم تو امتحانوں کے دنوں میں پوری ڈکٹیٹر ہو جاتی ہو۔ صدف پانی کا گلاس اٹھا کر بے زاری سے بولی ماروی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ امتحان شروع ہوئے اور پھر ختم بھی ہو گئے۔ آخری پرچے والے دن صدف نے ماروی کو چھوٹی سی ٹریٹ دی۔ تمہارے گلے کی یہ چین واقعی بہت خوب صورت ہے، کینٹین میں بیٹھتے ہوئے صدف نے تقریباً پچاسویں دفعہ اس کی چین کی تعریف کی۔

شکریہ تمہیں دیتی ہوں تو تم لیتی نہیں ہو کاش میں ابھی گاؤں جا سکتی اور تمہارے لیے ایسی چین بنوا سکتی، ماروی بے بسی سے بولی ہمیشہ سے ہر کسی پر فدا ہونے کی عادت سے وہ مجبور تھی۔

اگر میں کسی چیز کی تعریف کردوں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ مجھے دے دو کئی چیزیں ایسی ہیں جو تم پر بے شمار جچتی ہیں مثلاً تمہارا نیلا فراک اور یہ زنجیر اور سب سے بڑھ کر تمہارا حسن اس کی بھی تو میں اتنی تعریف کرتی ہوں یہ بھی مجھے کیوں نہیں دیتیں۔ لینے والی چیز تو یہ ہے اس نے شرارت سے ماروی کا گال کھینچا۔

ماروی گھور کر اسے دیکھنے لگی۔ کیسے دوں اس کے منہ سے بے ترتیب سا نکلا۔

صدف کھلکھلا کر ہنس پڑی ماروی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

میں داخل ہوئی سفیر بھی ادھر ادھر حیرت سے دیکھ رہا تھا جس کا مطلب صاف تھا کہ وہ سب کو یہیں چھوڑ کر گیا تھا، اوپر والے گھر سے ماسی کی ایک رشتے دار پیچھے آ گئی، تینوں بچیاں اس کے ساتھ تھیں۔ بچیاں آتے ہی ماروی سے چمٹ گئیں۔

اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے ہیں، فیروزہ سنجیدہ سا چہرہ لیے ماروی سے مخاطب تھی۔ ڈاکٹر؟ کون سا ڈاکٹر؟ ماروی بے بسی سے بولی گلے سے الفاظ ٹھیک طرح سے ادا نہیں ہو رہے تھے۔ ماروی ڈاکٹر کا نام سن کر حیران بھی ہوئی کیونکہ اس کی اطلاع کے مطابق تو کوئی ڈاکٹر ان کے گاؤں میں موجود نہ تھا پھر یہ کس ڈاکٹر کی بات ہو رہی تھی۔

ایک نیا ڈاکٹر تھوڑے دن پہلے ہی آیا ہے اسی کے پاس لے گئے ہیں۔ بڑے جھرنے کے اس پار جا سفیر تو ماروی کو ڈاکٹر کی دوکان پر لے جا۔ بچیاں میں سنبھال لوں گی فیروزہ سفیر سے بولی تو ماروی فوراً سفیر کے ساتھ ساتھ چل پڑی۔

دل دھک دھک کر رہا تھا اس کے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں اور وہ چلتی جا رہی تھی شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ آج کا سارا دن اس نے سفر میں گزارا تھا اور اب مسلسل چل رہی تھی۔ پاؤں شل ہو رہے تھے مگر نہ جانے کہاں کی طاقت تھی کہ ایک قدم بھی ہلکا نہیں پڑ رہا تھا وہ ڈاکٹر کی دکان میں داخل ہوئی نور محمد اسے سامنے ہی نظر آیا۔

زینب بینچ پر لیٹی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں چہرہ مرجھائے ہوئے گلاب کی طرح زرد پڑ رہا تھا اسی لمحے زینب کا چہرہ اور اس کی ارزاں حالت دیکھ کر ماروی کو زمین آسمان گھومتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے نہ جانے وہ کس اذیت میں دن گزار رہی تھی جانے کیا تکلیف تھی؟ جانے کب سے بیمار تھی؟ ماسی زلیخا اور گاؤں کی دو عورتیں اس کے سرہانے کھڑی تھیں ڈاکٹر زینب کی کلائی پکڑے شاید مرض جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

کیا ہو گیا ڈاکٹر؟ کیسی ہے میری ادی؟ ٹھیک تو ہو جائے گی نا؟ جلدی بولو ڈاکٹر، ماروی نے تیزی سے ڈاکٹر سے پوچھا۔

تم! تم کون ہو؟ ڈاکٹر نے جواباً ماروی سے پوچھا۔

میں بہن ہوں اس کی، اس نے زینب کا بازو پیار سے تھام کر کہا۔

جانے کیا ہو گیا تھا ماروی کے حسین گلاب کو جانے کس کی نظر کھا گئی تھی کشمیر کی اس

کلی کو ماروی کے آنسو مسلسل بہنے لگے۔

تم نور محمد کو لے کر دوسرے کمرے میں آؤ، ڈاکٹر کے ماتھے پر بل ماروی سے کوئی نئی کہانی کہہ رہے تھے، ڈاکٹر یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

ادا ادا سن، وہ باہر کی طرف بھاگی۔ ڈاکٹر بلا رہا ہے۔ اس نے ہانک لگائی اور واپس ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہوگئی نور محمد بھی پیچھے پیچھے اندر آ گیا اس کی داڑھی بڑھی تھی، چہرہ ایسا تھا جیسے کئی دن سے ٹھیک طرح سے سویا بھی نہ ہو ماروی کے دل میں خنجر سا گڑ گیا کیا وہ کئی دن سے بیمار تھی؟

میرا خیال ہے کہ مریضہ کو ٹیوبر کلاس یعنی ٹی بی ہے اور بہت عرصے سے ہے، ڈاکٹر میز کی دوسری جانب بیٹھا کاغذ پر کچھ لکھتا ہوا ان دونوں سے کہہ رہا تھا۔

ٹی بی، ماروی کے دل کو دھچکا سا لگا اس نے نور محمد کو دیکھا۔

تم لوگ مریضہ کا علاج کہاں سے کرواتے رہے ہو، کیا کبھی کسی ڈاکٹر کو دکھایا تھا؟

کہاں جی۔۔۔۔بس حکیم جی نے جو دوائی دی وہی کھا لیتی تھی کوئی ڈاکٹر تھا ہی نہیں، نور محمد سر جھکا کر آہستہ آواز میں بولا۔

اور میں جو کہتی تھی کہ شہر لے چل تو نے کبھی میری بات مانی میری بات، مانتا تو وہ بھلی چنگی ہوتی، ماروی لرزتے ہوئے لہجے میں بولی کسی کل چین نہیں آ رہا تھا اس۔ لیے وہ کھڑی ہوگئی، چہرہ غصے اور غم کی شدت سے تپ رہا تھا۔

تم نے بہت برا کیا نور محمد جو اسے ڈاکٹر کو نہیں دکھایا لیکن میں۔

ڈاکٹر، ڈاکٹر، دوسرے کمرے سے ماسی کے چیخنے کی آواز آئی۔

ڈاکٹر سے پہلے ماروی کمرے سے باہر بھاگی وہ زینب کے بالکل قریب آ گئی زینب زور زور سے سانس لے رہی تھی۔

ادی، وہ اس کے سرہانے بیٹھ گئی۔

ڈاکٹر، زینب کا سانس اوپر نیچے ہوتا دیکھ کر پریشان سا ہو کر اندر کے کمرے میں داخل ہوگیا ماروی نے تیزی سے جھانکا تو وہ انجکشن تیار کر رہا تھا۔

ادی، ماروی روہانسی ہوگئی اتنے میں زینب نے آہستہ سے آنکھیں کھول دیں۔

ماروی کی جان میں جان آئی، ادی تو ٹھیک ہو جا، دیکھ میں کتنے ڈھیر سارے دنوں کے لیے تیرے پاس رہنے آئی ہوں ہم ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔ بس تو جلدی ٹھیک ہو جا، وہ آہستہ آہستہ زینب کا ہاتھ مسلتے ہوئے بولی۔

اجالا، زینب نے سرگوشی کی۔

ہاں۔۔۔۔ ہاں ادی وہ گھر میں ہے ٹھیک ہے، ماروی اس پر جھک کر بولی۔

اجالا۔۔۔۔ روشنی۔۔۔۔ کرن، زینب آہستہ آہستہ بولی۔

وہ تینوں گھر پر ہیں میں سفیر سے بلواتی ہوں، ماروی اٹھنے لگی، تو زینب نے اس کا آنچل پکڑ لیا ماروی پھر بیٹھ گئی۔

خیال رکھنا ان کا خیال رکھنا۔۔۔۔ میرے بعد، زینب کی سرگوشی ابھر کر گونجی۔ اس کا سانس اکھڑتا ہوا محسوس ہو رہا تھا صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ جبر کی حالت میں تھی۔

تو ایسی باتیں کرے گی تو ماروی تجھ سے پہلے بڑی جھیل میں چھلانگ لگا دے گی، وہ دیوانوں کی طرح بولی۔

"خیال رکھنا۔۔۔۔ اپنا بھی۔۔۔۔ اپنا بھی، وہ تیز تیز سانس لینے لگی اور پھر اچانک اس کا سانس بند ہو گیا ماروی کے ہاتھ میں اس کا بے جان ہاتھ رہ گیا۔

زینب مر گئی ماروی آنکھیں پھاڑے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ڈاکٹر نے اس کی نبض چیک کی اور افسوس سے بازو چھوڑ دیا۔

آپ لوگوں نے بہت دیر کر دی۔ یا پھر شاید میں ہی اس جگہ دیر سے پہنچا ہوں۔ اس نے افسوس کرتے ہوئے چادر کو زینب کے چہرے پر ڈھک دیا۔

"نہیں" ماروی نے تیزی سے چادر ہٹا دی، ماسی زلیخا اور دوسری دونوں عورتوں نے باقاعدہ رونا پیٹنا شروع کر دیا تھا نور محمد بھی کونے میں کھڑا آنسو بہا رہا تھا۔

باہر سے سفیر بھی اندر آ گیا اس کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے سب رو رہے تھے ڈاکٹر نے ماروی کا کاندھا تھپکا، تم تو پڑھی لکھی ہو اب تمہیں ہی ان سب کو سنبھالنا ہے حوصلہ کرو، یہ کہہ کر وہ واپس کمرے میں مڑ گیا۔

ڈاکٹر تو ٹھیک کہہ رہا تھا مگر ماروی کو کون سنبھال سکتا تھا، زینب مر گئی تھی۔ اور

ماروی یقین ہی نہیں کر رہی تھی وہ اپنی جگہ سن کھڑی آنکھیں پھاڑے زینب کے خاموش اور مردہ چہرے کو دیکھ رہی تھی جس کی ایک ہنسی پر وہ قربان ہو جاتی تھی جس کے ایک غم پر ماروی کی آنکھوں پر اندھیاریاں چھا جاتی تھیں اس کا اتنا بڑا غم وہ کیسے برداشت کرتی۔ اتنی لامحدود ہمت وہ کہاں سے لاتی یقین ہی تو زندہ نہیں تھا۔

مگر آخر اسے یقین کرنا پڑا۔ سب کی آنکھیں جھوٹے آنسو بہا سکتی تھیں مگر سفیر تو کبھی نہیں روتا تھا آج سفیر رو رہا تھا اور پھر ماروی بھی روئی اتنا روئی کہ کئی دنوں تک جھیلوں کے پانی سوکھ گئے اتنی کڑکتی دھوپ نکلی کہ چشموں کے چشمے سوکھتے چلے گئے لوگوں کو پانی کی تلاش میں دور دور جانا پڑا۔ ماروی کی زندگی میں پہلی بار کشمیر میں اس قدر شدید گرمی پڑی تھی کہ ماروی کے زندگی سے بھرپور چہرے کی نمی تک ختم ہو گئی تھی تینوں بچیاں ایسی مرجھائی ہوئی لگ رہی تھیں کہ کسی دوسری بہار کی امید تک نہیں تھی ان کے گھر کے آنگن کے پانچوں درخت آہستہ آہستہ جل گئے۔ پہلی بات تو یہ کہ انہیں پانی دینے والا کوئی بھی نہیں رہا تھا اور دوسرا موسم ہی اتنا گرم تھا۔

کئی دن گزر گئے روح کو چین نہیں تھا زندگی بے چین تھی ماروی اس اداس موسم میں ایک بار بھی نہانے کی غرض سے چشمے پر نہ گئی۔ کتنا کچھ بدل گیا تھا جو چیزیں آسودگی اور زندگی کا چین تھیں وہی چیزیں مارے ڈال رہی تھیں ٹھنڈا اور میٹھا چشمے کا پانی غائب ہو گیا تھا۔

اور پھر سب ٹھیک ہو گیا۔

اس دن جب اجالا نے اسے زبردستی اور بہت محبت سے چھاچھ پلائی ٹھنڈی میٹھی چھاچھ زندگی سے ٹھنڈک سے اور مٹھاس سے بھرپور اجلی سفید، سب ختم ہو گیا تھا لیکن چھاچھ پیتے ہی اجالا کے معصوم سے ہاتھ تھام کر ماروی بہت دیر تک روتی رہی اجالا کے معصوم چہرے کو دیکھا تو زینب کی بات یاد آ گئی ان سب کا خیال رکھنا تھا اجالا کا روشنی کا کرن کا اور اپنا بھی۔ ماروی نے اپنے آنسو صاف کر لیے اور ان تینوں کو قریب کر کے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ ٹھنڈک کی لہر دل میں اترتی چلی گئی۔

آسمان پر سورج کو ایک گہری کالی بدلی نے چھپا لیا لگتا تھا کہ گھٹائیں بال کھول کر

کشمیر پر دیوانی ہونے آئی ہوں یا پھر کشمیر کا سارا کھویا ہوا حسن اسے واپس لوٹانے آئی ہوں، پل بھر میں موسم بدل گیا اور پھر۔۔۔جل تھل ہوئی اتنا مینہ برسا کہ ماروی کا آنگن پانی سے بھر گیا۔ پاؤں رکھنے کی جگہ نہ رہی سفیر کونے میں دبکا بیٹھا تھا سردی شروع ہو گئی تھی۔ ماروی اندازہ لگا سکتی تھی کہ سارے چشمے ٹھنڈے اور میٹھے پانی سے پر ہو گئے ہوں گے سبزہ پھر سے ہرا ہو گیا ہو گا اور اب کے یہ موسم بہت عرصے رہے گا کیونکہ آگے سردیاں بھی آ رہی تھیں اب خزاں تو آ سکتی تھی لیکن اتنی گرمی کبھی نہیں ہو گی اس گرمی نے تو ثابت کر دیا تھا کہ اب کی بار پڑ کر دوبارہ نہیں پڑے گی۔

بارش کی جل تھل ختم ہو گئی زندگی اپنی ڈگر پر چل پڑی۔ زینب کی یاد آتی تو آنکھیں پانی کے کٹورے بن جاتے کیسی بے بسی تھی کیسی مجبوری تھی کس قدر لاچاری تھی یقین اب بھی محکم نہیں تھا مگر اس کی غیر موجودگی سب سے بڑی حقیقت تھی دل کا حال کیا تھا یہ تو نہ ختم ہونے والی ریگستانی اور جلی سی کہانی تھی جانے زبان تک لاتے کتنے بھالے سہنے پڑتے اسی لیے تو ماروی خاموش تھی بالکل خاموش۔

وہ ہاتھ ماروی کے سر سے اٹھ چکا تھا جس نے ماروی کو بچوں کی طرح اٹھلا کر بے فکری سے چلنا سکھایا تھا مگر ماروی کو سب کچھ بھول جانا تھا۔ اپنی بے فکر چال، اڑتی ہوئی سوچیں، اپنا انداز، اپنا چلن، اپنا تاج محل، اپنا حسن پسند دل، سب کچھ اب یہ آنگن اس کی ساری زندگی لے لے گا، میں ان تینوں کی خاطر خود کو مٹا دوں گی آزادی کی خواہش کے مطابق ان تینوں کو پڑھاؤں گی ضرور پڑھاؤں گی اور بہت سارا پڑھاؤں گی۔

نہ جانے کہاں سے ماروی میں اتنی ہمت آ گئی کہ اس نے اطمینان سے اور یقین سے یہ فیصلہ کر لیا بہت ساری سوچیں صرف ان تینوں کے لیے تھیں اپنے لیے تو وہ کچھ بھی نہیں سوچ رہی تھی زندگی کا محور اب وہ تینوں رہ گئی تھیں سوچ کے خاکوں میں ان تینوں کے چہرے ہی رنگ بھر رہے تھے اس نے خود کو بہت دلیر محسوس کیا۔

زیادہ پرکشش دکھائی دینے لگی اور ہامون بالکل اسی طرح تھا۔ وہ جیسے وقت پر سے بالکل بھی نہ بدلا تھا۔ کیونکہ وہ جیسے پہلے تھا اب بھی بالکل اسی طرح تھا۔ گیت پورے ساڑھے سترہ سال کی ہوچکی تھی اس نے قد بہت زیادہ اچھا نکالا تھا اس وقت تک تو ہامون اسے خون کی بوتلیں اور انسانی گوشت پتہ نہیں کہاں سے ڈھونڈ کر لے آتا تھا مگر ایک دن ہامون نے گیت سے کہا۔

اب وقت آگیا ہے کہ تم حویلی سے باہر نکلو۔ اور اپنے شکار آپ تلاش کرو چھ مہینے تک تم نے اتنے جوان لڑکوں کا خون اور گوشت کھانا ہے کہ سارے علاقے والے خوف سے مرجھا جائیں۔ اور شیطانی طاقتوں کے آگے ہار مان لیں اور تیری عبادت پر مجبور ہو جائیں جا شیطان کی بیٹی تو ضرور اپنے عظیم مقاصد میں کامیاب ہوگی اور ضرور تم امر ہوگی جس دن تم امر ہوگی اس دن شیطان جس دن تم امر ہوگئی اس دن شیطان تمہیں لینے آئے گا اور اور تمہیں آکر لے جائے گا۔ پھر تم قیامت تک زندہ رہو گی جب تک قیامت نہیں آئے گی تب تک تم امر رہوگی ۔گیت دلچسپی سے ہامون کی باتیں سن رہی تھی بس صرف چھ ماہ باقی رہ گئے ہیں اس کے بعد تم امر ہونے کا عمل شروع ہو جائے گا۔ گیت نے ہامون کی باتوں پر گردن ہلائی۔ اور حویلی کا تنقیدی نظروں سے جائزہ لینے لگی۔

دھیرے دھیرے دن ڈھلنے لگا شام کے سائے حویلی مین اترنے لگے میں خاص طور پر گیت اور ہامون کی نگرانی کرنے لگا مجھے ہر وقت ایک انجانا خوف گھیرے میں رکھتا تھا جیسے میں بھی ایک ان آدم خور شیطان لڑکی اور اس کے جادوگر رشتہ دار کی خوراک بن جاؤں گا۔ ہامون اور گیت نے سب نوکروں کو حویلی سے نکال دیا تھا مگر میں چوکیدار تھا ہمیشہ رات کو حویلی کے بڑے گیٹ سے باہر کھڑا رہتا تھا یا شاید ہامون نے مجھ پر آنکھیں بند کرر کھی تھیں اس شام گیت پہلی بار حویلی سے باہر نکلی میرا دل بہ زور زور سے دھڑک رہا تھا یہ قصبہ اس وقت گاؤں تھا گاؤں کا سب سے خوبصورت لڑکا اس وقت آفاق ہوا کرتا تھا وہ گھبرو خوبصورت حسین وجیہہ اور انتہائی خوبرو نوجوان تھا آفاق نڈر بھی تھا یں کے چوڑے شانے اسے سب سے نمایاں کرتی تھیں گاؤں کی لڑکیاں اس کو دور سے ایک بار دیکھ لیتی تب تو جیسے اس کی نظروں کی پیاسی ہوجاتی آفاق نے کبھی بھی گیت کو نہیں دیکھا تھا مگر اس شام وہ گیت سے ملا گیت حویلی سے بہت زیادہ دو چلی گئی تھی اور گھنے درختوں کے جھنڈ میں بیٹھ گئی تھی رات کا سماں ہو چکا تھا ہامون حویلی میں کہیں گم ہو گیا تھا اور میں چوری چھپے گیت کا پیچھا کرتے کرتے حویلی سے دور چلا گیا۔ آفاق اچانک گیٹ کے بالکل سامنے آفاق کھڑا ہو گیا دونوں ایک دوسرے کو چند لمحے دیکھتے رہے اس سے پہلے کبھی بھی گیت اکیلی حویلی سے باہر نہیں نکلی تھی وہ تبھی ہامون کے کہنے پر آفاق اس کے بالکل سامنے رک گیا کچھ دیر وہ بے خود سا گیت کو دیکھتا رہا اسکے بعد گیت سے پوچھا تم یقیناً بڑی حویلی میں رہتی ہو تم اور تمہارا ماموں اکثر حویلی کے راستے میں دکھائی دیتے ہیں آج مجھے حیرت ہورہی ہے کہ تم اکیلی حویلی سے باہر کیسے نکلی ہو اور وہ بھی اتنی دور اور وقت دیکھا ہے تم نے رات ہو چلی ہے کسی کی بھی نظر پڑ سکتی ہے تم پر اور شاید اکیلی لڑکی سمجھ کر اس کی نیت نہ خراب ہو جائے آفاق کے لہجے میں تشویش تھی اس نے گیت کو پہلے بھی کئی بار دیکھا تھا مگر بات چیت اور روبرو ملاقات پہلی بار کر رہا تھا گیت اپنے مترنم آواز میں بولی۔

نہیں ایسی بات نہیں ہے حویلی میں آج بہت دل گھبرا رہا تھا میں نے سوچا شاید باہر نکل کر آزاد

فضاؤں میں سانس لے سکوں اور یہ سوچ کر میں حویلی سے باہر نکلی۔

گیت مسکرانے لگی اس کی مسکراہٹ بڑی دل آویز تھی اور اس کے سفید دانت اندھیرے میں موتیوں کی طرح چمکنے لگے جیسے سیاہ رات میں ستارے چمکتے ہیں آفاق اس لمحے حیران رہ گیا۔

ارے یہ کیا تمہاری مسکراہٹ تو بڑی سحر انگیز ہے۔ آفاق رہ نہ سکا گیت کے خوبصورت چہرہ یہ بات سنکر مزید نکھر گیا اور اس نے آفاق کی طرف اپنی سحر انگیز مسکراہٹ ایک بار پھر اچھائی بالکل سفید قمقموں کی باریک روشنی اس کے دانتوں سے نکلی تھی اور اس بار تو آفاق بھی جیسے اس کے سحر میں بری طرح سے گرفتار ہو گیا۔

میرا نام آفاق ہے اور تمہارا۔

گیت۔۔ گیت نے صرف اپنا نام بتایا

بہت ہی خوبصورت نام ہے۔ تمہاری طرح۔ آفاق مسکرایا۔ وہ مسکراتا ہوا بہت پیارا لگ رہا تھا اس پہلی ملاقات میں گیت پر آفاق دل ہار بیٹھا تھا اور گی کو بھی پہلی بار یقیناً صنف وجاہت کا شاہکار وجود کا احساس ہوا تھا ورنہ اسے وہ باپ ہامون تو گوشت کا پہاڑ تھا گیت نے رات دیر تک اس سے ہنس ہنس کر بات چیت کی اس کے بعد آفاق نے اسے حویلی کے دروازے پر چھوڑ دیا اور خود پیدل ہی آگے بڑھ گیا میں بھی حویلی پہنچ چکا تھا حویلی میں گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا کچھ دیر کے بعد ہامون کی گرجتی ہوئی آواز سنائی دی۔ گیت آج تم نے کسی کا شکار کیا ہے۔ میں نے تمہیں اس لیے باہر بھیجا تھا کہ تم کسی کا شکار کر کے اس کو اوپر پہنچا سکو۔ مگر میں نے اپنے جادو کے زور پر تم پر نظر رکھی تھی۔

میں کیا کرتی میں نے بہت کوشش کی کہ اس کو شکار کر سکوں مگر اس کے ساتھ باتوں میں پتہ ہی نہیں چلا اور پھر میرا ارادہ خود بخود بدل گیا اور اس کے ساتھ حویلی کے دروازے پر آ گئی۔ اور وہ آگے بڑھ گیا۔ میں بہت بے بس ہو چکی تھی گیت واقعی اس سے متاثر ہو چکی تھی مگر وہ شیطان کی بیٹی تھی اور ابھی تک شیطان نے سے قبول نہیں کیا تھا مگر صرف اور صرف شیطان اس سے ایک صورت میں اپنا لیتا کہ وہ امر ہو جائے۔

ٹھیک ہے آئندہ شیطان کو ناراض نہ کرنا ورنہ تمہیں بہت تکلیف دے گا کیونکہ شیطان عنقریب تمہیں اپنی بیٹی بنانے والا ہے اور تم بہت ہی عظیم ہو گی

ٹھیک ہے ہامون ماموں۔ میں آئندہ ہر کام شیطان کی سوچ کے مطابق کروں گی اپنے دماغ کی نہیں سنوں گی۔

اس کے بعد ہامون نے جو کام اپنی بیٹی کے سپرد کیا تھا اسے ادھورا نہ چھوڑنا۔

ٹھیک ہے میں گیت کے باہر بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ہامون آ گیا سے دیکھ کر میں بہت ہی زیادہ گھبرا گیا۔ اور خوف سے کانپ گیا۔ میں ایک اعتراف کرنا چاہتا ہوں دراصل میں بہت بزدل تھا ورنہ اتنے سالوں میں اتنی بڑی حقیقت کو جانتا تھا اور کسی کو بھی بتا نہیں سکا۔ ہامون کو دیکھ کر میرے دل میں انجانے خوف نے جنم لے لیا۔ اور میں اس کے سامنے بالکل ادب واحترام کے ساتھ کھڑا تھا وہ دیر تک مجھے یک ٹک گھورتا رہا۔ اس کے بعد بولا۔

قیام الدین میں جانتا ہوں کہ تو گیت کے بارے میں سب کچھ جانتے ہو اور یہ تمہیں پتہ ہے کہ گیت شیطان کی خواہش پر ہی دنیا میں آئی ہے اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اور میری تو جیسے جان پر بن آئی تھی اج تک میں سمجھتا آیا تھا کہ میں نے ہامون اور گیت کا راز جان لیا ہے مگر میں اس خوش فہمی میں بھی مبتلا تھا کہ ہامون اور گیت مجھ سے بے خبر ہیں مگر نہیں یہ میری غلط فہمی تھی گیت تو بے خبر تھی سوتھی مگر

ہامون بالکل بھی بے خبر نہیں تھا اس کے منہ سے یہ باتیں سن کر میں اندرونی طور پر جیسے خوف سے ڈھے گیا کہ پتہ نہیں اب میرا حال کیا ہوگا۔ اس کی باتوں سے مجھے خوف آنے لگا تھا مگر مجھے اس کا سامنا کرنا تھا اس لیے اس کی بات پر خوف زدہ ہو کر صرف اور صرف اکتفا کرنے پر سر ہلایا قیام الدین مجھے تم سے ایک ضروری کام ہے اس لیے میں تمہارے پاس آیا ہوں مجھے پتہ ہے کہ تم تیرہ سالوں سے ہمارے بارے میں جانتے ہو بلکہ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ جب گیت اور اس دنیا میں آئی بھی نہیں تھی تمہیں معلوم تھا کہ نواب زادی کو میں نے ورغلایا ہے اور اس شیطانی عمل کروایا ہے کیونکہ تمہاری ایک عادت بری ہے اور وہ ہے چھپ چھپ کر باتیں سننے کی مگر یہ عادت اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہتے ہو کسی سے اپنی بات شیئر نہیں کرتے اور میں نے تمہیں تیرہ سالوں میں آزما کر دیکھ لیا ہے تم ہمارے راز داں ہو اس لیے اب میں چاہتا ہوں کہ تم وہ کرو جو میں تجھے کہوں مانو گے ناں میری بات۔ ہامون میری آنکھوں میں دیکھ کر بولا جواب میں میں نے صرف اثبات میں سر ہلایا۔

ٹھیک ہے قیام الدین مجھے تم سے یہی امید تھی

مگر مجھے کرنا کیا ہوگا۔ میں نے حیرانی سے پوچھا۔

وہی جو اب تک کرتے آئے ہو یعنی میرا مطلب ہے کہ تمہیں گیت پر نظر رکھنی ہوگی میں نے تو جادوئی طاقتوں سے گیت پر نظر رکھی ہوئی ہے مگر اب آگے میں اس پر نظر نہیں رکھ سکتا کیونکہ میں ایک عمل شروع کرنے والا ہوں اور مجھے اپنے عمل پر توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے دن کے وقت تم تہہ خانہ میں آ سکتے ہو کیونکہ دن کے وقت میں تہہ خانہ میں آرام کروں گا حویلی کا تہہ خانہ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

تم صرف اس صورت میں آؤ گے جب کوئی غیر معمولی بات ہوگی آج شیطان کے حکم کے مطابق میں نے گیت کو شکار پر بھیجا تھا مگر گیت نے شکار کو زندہ چھوڑ دیا جب بھی وہ کسی کا شکار کرنے جائیں اور اسے زندہ چھوڑ دے تب تم نے تہہ خانہ میں آنا ہے اگر وہ شکار کو چھوڑتی نہیں ہے۔

ٹھیک ہے۔

ہاں ٹھیک ہے۔ ہامون وہاں سے چلا گیا اگلا دن ہامون حویلی میں سے جیسے غائب ہو گیا مجھے معلوم تھا کہ وہ کسی شیطانی عمل کی وجہ سے تہہ خانے میں مقید ہو کر رہ گیا ہے اب وہ تب تک تہہ خانہ سے باہر نہیں نکلے گا جب تک اس کا عمل پورا نہیں ہو جاتا۔ اور اس نے جو بات چیت مجھ سے کی تھی وہ مجھے حیران کر رہی تھی کیونکہ میں آج تک یہی سمجھتا آیا تھا کہ شید میں ان سے دامن کے پیچھے ان پر نظر رکھ رہا ہوں اور انکو خبر بھی نہیں ہے مگر نہیں یہ میری بھول تھی ہامون نے صرف الفاظ میں میری غلط فہمی دور کر دی تھی اتنے دنوں سے جو میں یہ محسوس کر رہا تھا اور سوچ کر مطمئن تھا کہ میں کامیابی سے انکے علم میں لائے بغیر ان پر نظر رکھے ہوئے ہوں شاید یہی وجہ تھی کہ میں یہی سوچ کر مطمئن تھا مگر اب میرا اطمینان غارت ہو چکا تھا کیونکہ ہامون نے مجھے گیت کی جاسوسی پر مجبور کر رہا تھا اور جو کام میں اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر تا تھا اب وہی کام مجھے مسلسل کرنا تھا۔

دوسرے دن میں نے گیت پر خاص نظر رکھنی شروع کر دی شام کو گیت جب معمول کے مطابق حویلی سے باہر چلی گئی اور اس بار اس کو اتفاق گاؤں نما قصبے کے ایک نوجوان نے دیکھ لیا نوجوان گیت کے پیچھے پیچھے چلنے لگا میں دور سے دونوں پر نظریں مرکوز رکھی تھیں اور وہ نوجوان جیسے بے خود انداز میں اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ کچھ دیر دونوں

چلتے رہے گیت کی آنکھوں میں ستارے ناچ رہے تھے اور شام کے دھندلکے اندھیرے میں اس کے سفید دانت موتیوں کی مانند چمک رہے تھے جب وہ دونوں گھنے درختوں میں داخل ہوگئے وہ لڑکا گیت کے قریب جا پہنچا۔ مگر اگلہ مرحلہ حیران کن تھا گیت کے ڈریکولے کی مانند دونوکیلے دانت باہر نکلے اور اس نوجوان کے شہ رگ میں پیوست ہوگئے کچھ ہی دیر میں گیت نے اس کا خون چوس لیا۔ اس نے پانی کی طرح اس نوجوان کا خون پی لیا اور پھر وہ وہاں سے چلی گئی۔ تو جیسے گی کا معمول بن گیا وہ قصبے کے نوجوانوں کی دشمن ہوگئی انکی خون کی پیاسی ہوگئی اور رفتہ رفتہ قصبے کے نوجوان گم ہونے لگے آفاق گاؤں نما قصبے میں اس کی اموات پر بے حد پریشان تھا اور دل سے چاہتا تھا کہ کسی آفت سے قصبے کو بچالوں گیت نے ایک مہینے میں بیس نوجوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور پھر قصبے والوں کا تماشا دیکھنے لگی گیت کی کوئی بھی سہیلی نہیں تھی وہ اکیلی تھی قصبے والے پریشان ہوگئے جن لوگوں کے بچے یعنی نوجوان مرے تھے وہ لوگ انجانی بلا کے کوسنے لگے پیا ۔ سے بن گئے تھے مگر گیت آرام وسکون اور نہایت صفائی سے اپنا کھیل کھیل رہی تھی ماموں بھی چلے میں مصروف تھا ایک دن اچانک حویلی کے گیٹ پر آفاق آ گیا مجھے دیکھ کر اس نے ادب سے سلام کیا میں نے اسے جواب دیا آفاق بہت زبردست لڑکا تھا مجھ سے کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ پھر مطلب پر آ گیا چاچا جی مجھے گیت سے ملنا ہے اس نے خود اعتمادی سے کہا میں نے اسے باہر بٹھایا اور گیٹ کے پاس چلا گیا۔ گیت سے کہا تجھ سے کوئی آفاق ملنے آیا ہے آفاق کے ذکر پر گیت کھل اٹھی بابا اسے جلدی سے اندر مہمان خانے میں لے آئیں بہت دن ہوئے اسے دیکھا تک نہیں میں نے آفاق کو اندر مہمان خانے میں بلایا اور خود دوبارہ باہر آ گیا مگر کچھ دیر کے بعد دبے پاؤں چلتا ہوا مہمان خانے کے قریب کھڑا ہوگیا اور دونوں کی باتیں سننے لگا گیت نے اس کے سامنے چائے اور دیگر خشک میوہ جات رکھے تھے۔

ارے آفاق میں سمجھی کہ آپ مجھے بھول چکے ہوں گے۔ رات ٹھہر یات گھر۔

نہیں کچھ مصروف ہوگیا تھا اور قصبے میں میرے تین جگری دوست کی اموات کے بعد میں انجانی طاقت جس نے معصوم اور بے گناہ نوجوانوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا ان کی تلاش میں لگ گیا مگر بے سود کچھ حاصل نہیں ہوا تب مجھے احساس ہوا کہ آپ بھی ایک دن اکیلے باہر نکلی تھیں اس لیے میں سیدھا یہاں چلا گیا آپ آئندہ بالکل بھی اکیلی باہر نہ نکلیں کیونکہ قصبے میں کوئی انجانی بلا آ گئی ہے جو نوجوانوں کے خون کی پیاسی ہے۔

گیت مسکرائی۔ نہیں آفاق میں پھر بھی اس دن کے بعد کبھی بھی گھر سے باہر نہیں گئی ہوں دراصل اموات والی بات میں نے بھی سنی ہیں مگر مجھے ابھی تک یقین نہیں آسکا ہے گیت نے اپنے مترنم آواز سے آفاق کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ آفاق کیا تمہیں پتہ ہے کہ تم بہت خوبصورت ہو گیت نے معصومیت سے کہا۔

ہاں مجھے معلوم ہے یہ بات گاؤں کی اکثر لڑکیاں کرتی ہیں اور یہ بات ثابت ہوگئی ہے کیونکہ یہ بات قصبے کے ایک پرکشش لڑکی سے سنی ہے آفاق کی بات پر گیت مسکرانے لگی۔

ٹھیک ہے اب میں چلتا ہوں۔ اور مجھے اس انجانی لڑکی کی تلاش میں نکلنا ہے اور اس کو اس قصبے سے پاک کرنا ہے۔

ٹھیک ہے آفاق تم چلے جاؤ گیت نے مسکراتے ہوئے اسے رخصت کیا۔

۔ اس دن گیت آرام کرتی رہی مگر جیسے ہی شام کے سائے پھیلنے لگے، گیت باہر نکل گئی میں گیت کی دیدہ دلیر سے حیران رہ گیا کیونکہ قصبے والے ہر جگہ اس انجان لڑکی کی تلاش میں سرگرداں تھے جس نے نوجوان لڑکوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا گیت اس بار بالکل مخالف سمت میں چل رہی تھی وہ اس بار جھنڈ میں بالکل بھی نہیں جا رہی تھی جہاں پر گھرے گھرے اور اونچے گھنے درخت تھے گیت اس بار کسی اور ویرانے کی طرف چل دی تھی شام کے سائے رات میں تبدیل ہو گئے مگر گیت بالکل بھی نہیں ڈری وہ بدستور آگے ہی آگے بڑھ رہی تھی اس ویران اجاڑ راستے پر کوئی بھی نہیں تھا سوائے گیت کے گیت شاید بہت پیاسی تھی اس وجہ سے تمام خطروں کو مدنظر رکھتے ہوئے حویلی سے باہر شکار کھیلنے نکلی تھی گاؤں والے ٹولیوں کی صورت میں جمع تھے آفاق بھی گاؤں والوں میں شامل تھا اس لیے کیونکہ اس کے تین جگری دوست بقول خونی بلا کے شکار ہو چکے تھے وہ اس بلا کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے تھے اور ان انجانی بلا سے اپنے جگری دوستوں کا بدلہ بھی لینا چاہتا تھا میں ۔۔ دل جمعی کے ساتھ فاصلہ رکھ کر گیت کا تعاقب کیا گیت میرے تعاقب سے بے خبر تھی گیت جھاڑیون کی ایک جھنڈ میں رک گئی اور وہ درختوں کی اسی جھنڈ میں چھپ کر بیٹھ گئی گاؤں والے دوسری جانب تھے شام تھی میں بھی ایک درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا کچھ دیر کے بعد چند نوجوانوں کا دہاں سے گزر ہوا یہ ٹولی یقیناً انجانی بلا کی تلاش مین تھی ان کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں گاؤں والے نوجوان تعداد میں چار تھے وہ بے فکری سے وہاں سے گزرنے لگے جہاں گیت چھپی ہوئی تھی جب تین نوجوان گزر گئے چوتھا سست تھا اور بیزار بھی تھا وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا گیت جھنڈ سے باہر نکلی اور اس آہستہ چلنے کو دبوچ لیا

دونوں دوبارہ لمحوں میں ہی درختوں کے جھنڈ میں غائب ہو گئے لڑکے نے غوں غاں یعنی شور مچانے کی کوشش کی ہوگی مگر وہ شیطان کی بیٹی کے شکنجے میں بری طرح سے پھنس گئے تھے اب وہ کیا شور مچاتا گیت کا ہاتھ اسکے منہ پر تھا۔ وہ تینوں جو اغے آگے چل رہے تھے بے خبری میں ہی آگے بڑھ گئے صبح لوگوں کو کھیتوں مین ایک اور نوجوان کی لاش ملی یہ لاش بلا تلاش کرنے والوں میں سے ایک کی تھی عفان تو جیسے اس دن شدید غصہ میں آ گیا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ضرور اس بلا کو ڈھونڈے گا اور گاؤں کو اس انجانے کوف سے نجات دلائے گا۔

اگلے دن گیت شکار کرنے نہیں گئی اب وہ مطمئن تھی ہامون اسی طرح تہہ خانے میں آگ جلائے بیٹھا تھا یعنی کوئی منحوس عمل کر رہا تھا۔ میں اب تنگ آ چکا تھا کسی کو راز داں بنانا چاہتا تھا سو آفاق کو راز داں بنانا چاہا۔ وہ نذر تھا بہادر تھا گاؤں میں سب سے خوبصورت لڑکا تھا۔ اور گیت بھی اس کے پیار میں ڈوبی ہوئی تھی اس نے آفاق کو کچھ نہیں کہا تھا نہ اسکا شکار کیا تھا بلکہ وہ اس سے شدید محبت کرنے لگی تھی اور پھر جب اگلے دن آفاق حویلی آیا وہ گیت سے ملنے آیا تھا گیت سو رہی تھی میں نے موقع محل دیکھ کر آفاق کو سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا۔ آفاق مجھے چاچا جی کہہ کر بلاتا تھا۔

آفاق بیٹا مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔

کیا چاچا جی آفاق نے میرے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

آپ یہاں نہ آیا کرو۔ میری بات سن کر آفاق حیرت سے گنگ رہ گیا۔

مگر کیوں چاچا جی۔

بیٹا میں نے نہ آنے کا کہا ہے تو کوئی بات تو ہوگی۔ میں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

مگر وہ وجہ بھی تو بتائیں تاکہ میں نہ آؤں۔

آفاق سیدھا لڑکا تھا ورنہ اگر اکثر والا ہوتا تو ضرور کہتا چاچا جی آپ کون مگر اسنے وہ وجہ پوچھی۔
دراصل بیٹا تم کو جو کچھ میں بتا رہا ہوں وہی سچائی ہے مگر تمہیں پھر یہاں آنا نہیں ہوگا۔
چاچا جی پہلے آپ بتائیں تو سہی کہ وجہ کیا ہے تاکہ میں جان تو سکوں۔
میں آفاق کو شروع سے لے کر آخر تک کی کہانی بتادی جسے سن کر آفاق حیرت سے گنگ رہ گیا۔
چاچا جی ہمیں ہامون کو ختم کرنا چاہیے ورنہ ساری انسانیت خطرے میں پڑ جائے گی۔
ہاں بیٹا تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو مگر وہ اس وقت تہہ خانے میں عمل کر رہا ہے اور یہ گیت اسکی بنائی ہوئی شیطان کی بیٹی ہے تم آئندہ اس خبیث لڑکی سے دور رہنا۔
آفاق میری باتیں سن کر سناٹے میں آ گیا جیسے کہہ رہا ہو یا سوچ رہا ہو کہ اب کیا کروں گا کچھ دیر کے بعد وہ بولا۔
چاچا جی تم نے جو کچھ مجھے بتایا فی الحال یہ کسی اور کو نہ بتانا کیونکہ گاؤں والے مشتعل ہو سکتے ہیں
ہاں بیٹے یہ بات تو ہے تم سوچ کر کوئی عمل سوچو کہ اس شیطان اور اسکی بیٹی دونوں ختم ہو جائیں۔اور یہ ہامون بھی جہنم واصل ہو جائے۔
چاچا جی شیطان تو کبھی نہیں مرتا وہ قیامت تک حیات رہے گا مگر میں اس گیت اور اس ہامون کو چھوڑوں گا نہیں۔
ہاں بیٹا گیت کو مارنے کا یہ صحیح وقت ہے کیونکہ ابھی اس میں وہ شیطانی طاقتیں وراد نہیں ہوئیں یہ انسانی قالب میں ہے ہامون کے چلے کے بعد گیت میں غیبی اور شیطانی طاقتیں آ جائیں گی اور پھر دنیا کو ضرور خطرہ درپیش ہوگا۔
لیکن چاچا جی یہ گیت کہاں ہے۔
وہ اپنے کمرے میں سو رہی ہے۔
چاچا جی میں اسکے کمرے میں جانا چاہتا ہوں
مگر کیوں۔
میں اسے مار دینا چاہتا ہوں ابھی اور اسی وقت آفاق کی بات سن کر میں تھر تھر کانپ اٹھا آفاق تم اسے مارو گے کیسے وہ تو انجانی طاقتوں کی مالک ہے دل میں مچلتا سوال لبوں پر آ گیا۔
چاچا جی آپ اس کی فکر نہ کریں میں نے قسم کھائی تھی کہ میں اس گاؤں سے اس نادیدہ بلا کا خاتمہ کروں گا۔اور اب جب مجھے پتہ چل گیا ہے تو میں کیوں پیچھے ہٹوں۔
بیٹا تم کہہ تو ٹھیک رہے ہو مگر اگر وہ مری نہیں تو پھر تمہیں مرنا ہوگا۔اور تم اس گاؤں کے سب سے نڈر اور بہادر لڑکے ہو میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا آپ جو سوچ رہے ہو اگر ویسا ہو گیا تو پھر ٹھیک رہے گا ہمیں ایک عذاب سے چھٹکارہ مل جائے گا۔
ٹھیک ہے چاچا جی۔ آپ بے فکر رہیے میں اس کے خاتمہ کے لیے اپنی زندگی بھی داؤ پر لگا سکتا ہوں بس مجھے یہی موقع بہتر لگ رہا ہے اگر ہامون کا چلہ ختم ہو گیا پھر ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے آفاق کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔
ٹھیک ہے بیٹا جیسے تمہاری مرضی مگر میں پھر بھی کہہ رہا ہوں کہ ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔
اچھا تو پھر میں نے سوچ لیا ہے مجھے یہی بہترین موقع لگ رہا ہے۔
تو پھر ٹھیک ہے جاؤ تیسرے نمبر کا کمرہ گیت کا ہے۔میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔
ٹھیک ہے میں ابھی جا رہا ہوں۔
لیکن تم اسے مارو گے کیسے۔
ہاں میرے پاس فی الحال کوئی ہتھیار نہیں ہے مگر میرے بازوؤں میں دم ہے میں اس کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔

ٹھیک ہے جاؤ بیٹا۔ آفاق کمرے کی طرف جانے لگا میں بھی آہستہ آہستہ چلتا ہوا اسکے پیچھے چل دیا گیت کے کمرے کا دروازہ نیم وا تھا آفاق دبے پاؤں چلتا ہوا نیم کھلے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ میں چلتا ہوا دروازے کے قریب رک گیا گیت سو رہی تھی کچھ لمحوں تک آفاق گیت کے معصوم چہرے کو دیکھتا رہا۔ پھر گیت کے قریب رکھا ہوا تکیہ اٹھایا اور گیت کے منہ پر رکھ دیا تکیہ رکھتے ہی گیت کے چہرے پر دباؤ ڈال دیا گیت سمسا سی گئی اور پھر مچلنے لگی مگر واقعی آفاق کی مضبوط بازوؤں میں بہت دم تھا اس نے مچلتی ہوئی ماہی بے آب کی طرح تڑپتی ہوئی گیت کو قابو کر لیا اور کوشش کرنے لگا کہ اس کی روح جلدی سے جسم کا ساتھ چھوڑ دے۔ گیت بری طرح تڑپ رہی تھی پچھلے سے پہلے اب وہ شدید تڑپ اٹھی جیسے وہ غیر متوقع صورتحال سے دوچار ہو رہی ہو گیت بہت سخت جان ثابت ہو رہی تھی وہ گندی روح جو دنیا میں تباہی مچانے آئی تھی وہی روح پوری کوشش کر رہی تھی کہ کسی بھی طرح سے وہ آفاق کے ہاتھوں سے بچ جائے پندرہ منٹ گزر گئے آفاق پسینے پسینے ہو گیا تھا مگر گیت بھی پوری طرح مزاحمت کر رہی تھی وہ روئی کا وہ نرم ملائم تکیہ تو اسکے لیے پھانسی کے پھندے سے زیادہ خطرناک ہو گیا تھا۔ وہ اپنے چہرے سے کسی بھی طرح سے وہ تکیہ ہٹانا چاہتی تھی یہ لمحے میرے لیے بہت بھیانک تھے کیونکہ اگر میں اس وقت دروازے سے گیت اور آفاق کو دیکھ رہا تھا۔ اگر آفاق گیت کو نہ مار سکتا تو یقیناً گیت آفاق کو ضرور مار ڈالتی۔ اگر میں اس کھیل کو مزید ختم کر دینا چاہتا تھا آفاق نے ہمت سے کام لی اور پھر آخر گیت کا مچلتا ہوا جسم ایسے ہونے ہولے ڈھیلا پڑتا جانے لگا آفاق نے اپنی تسلی کے لیے گیت کے چہرے پر مزید دباؤ بڑھا لیا اب گیت ختم ہو رہی تھی رفتہ رفتہ کمزور پڑ رہی تھی اور تقریباً پانچ منٹ کے ہی اندر گیت اب بے حس وحرکت پڑی ہوئی تھی۔ آفاق اب بھی رسک لینے کو تیار نہ تھا۔ آدھے گھنٹے تک اس نے گیت کے بے جان جسم کے منہ پر سے تکیہ نہیں ہٹایا تھا جب میں اندر کمرے میں آیا تب میری تسلی دینے پر آفاق نے گیت کے بے جان وجود سے وہ تکیہ ہٹایا جو گیت کے لیے عذاب بن گیا تھا۔

آفاق بیٹا یہ مر گئی ہے میں نے کہا۔

آفاق نے گیت کے چہرے کی طرف دیکھا اسکا منہ بھیانک انداز میں کھلا ہوا تھا اور اس کے دونوں کیلے دانت باہر کو نکلے ہوئے تھے

چاچا جی اب کیا کریں۔ میں نے اس کا خاتمہ کر دیا ہے۔

ہاں بیٹا تم نے اس شیطان کی بیٹی کو ختم کر دیا ہے مگر وہ جادوگر اب بھی زندہ ہے وہ ضرور خبر دار ہو گیا ہوگا وہ کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا۔ کیونکہ اس جادوگر کی ایما پر ہی شیطان کی بیٹی گیت کو انسانی دنیا میں بھیجا تھا میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

چاچا جی آپ فکر نہ کریں میں اب ہامون جادوگر کا بھی خاتمہ کر دوں گا۔ آپ صرف تہہ خانے کا راستہ مجھے بتا دیں۔

میں نے گیت کی طرف دیکھا تو جھرجھری لے کر رہ گیا گیت کی کھلی آنکھیں جو موت کی جدوجہد کے وقت کھلی رہ گئی تھیں اب وہ ہلکے سے انداز میں پھڑپھڑا رہی تھیں۔

آفاق بیٹا یہ مری نہیں ہے زندہ ہے میں چیخا۔

میری بات سنکر آفاق اس کی طرف متوجہ ہوا اور اس کا دونوں ہاتھوں سے گلا پکڑ لیا اور اب آفاق کے ہاتھ گیت کے لیے پھانسی کا پھندہ بن چکے تھے گیت نے دونوں آنکھوں سے جب آفاق کا چہرہ دیکھا تو اس میں صرف اور صرف حیرانی تھی گیت شاید یہ توقع نہیں کر رہی تھی کہ کوئی اسے مر بھی

سکتا ہے تو وہ آفاق ہے گیت کی آنکھوں سے دو آنسو گرے اور اس کے رخسار پر بہنے لگے۔ بہت گئے آفاق کو دیکھ کر وہ بالکل بھی مزاحمت نہیں کر رہی تھی وہ آفاق سے پیار کرنے لگی تھی۔ اور اپنے محبوب کے ہاتھوں ہی مر رہی تھی۔ پہلے وہ سسکیاں سی لینے لگی پھر اس کے جسم کا تنفس بہت ہی دھیرے سے چلنے لگا اور اس بار حقیقی طور پر وہ ہار گئی۔ وہ آفاق کے ہاتھوں مر گئی گیت کی بدن دھڑکن گئی۔ آفاق کے ہاتھوں میں وہ بے جان مجسمہ کی ایک مورت سی بن گئی۔ آفاق نے اسے چھوڑ دیا وہ سمجھ گیا تھا کہ گیت اس کی طاقت سے نہیں ہاری بلکہ اسکی محبت میں ہار گئی ہے جس کو گیت نے زندہ چھوڑ دیا تھا اسی نے اسے مار دیا۔

آفاق نیچے چلو تہہ خانے میں وہ جادوگر اب بھی اپنے چلے میں مصروف ہے وہ چلہ ادھورا نہیں چھوڑے گا۔ مگر تمہیں آپ اسے اس چلے سے نکالنا ہو گا۔ ہامون کے چلے کا ناکام بنانا ہوگا۔ میں تمہارے لیے دعا ہی کر سکتا ہوں۔

چاچا جی میں گیت کی لاش اٹھا کر تہہ خانے میں جاتا ہوں وہ جب لاش کو دیکھے گا خود بخود چلہ چھوڑ کر باہر آ جائے گا۔

ہاں یہ بات ٹھیک کی تم نے چاچا نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا تب اس نے گیت کی لاش کو اٹھایا اور اسے بانہوں میں بھر کر نیچے تہہ خانے میں جانے لگا جوں ہی وہ تہہ خانے میں گیا اندر بہت ہی دہشت ناک ماحول تھا۔ تہہ خانے میں کئی بڑے اور بھیانک شکلوں کے بت رکھے ہوئے تھے آفاق گیت کی لاش لے جاتا ہوا بالکل ہامون کے سامنے رک گیا جیسا ہی ہامون نے گیت کو دیکھا تو اپنے چلے سے توجہ ہٹا گیا اور حیرت سے آفاق کو دیکھنے لگا اور پھر اپنے چلے کو چھوڑ دیا۔ وہ گیت کو دیکھے جا رہا تھا اور آفاق اسے دیکھے جا رہا تھا۔

ہامون گیت مر گئی ہے۔ آفاق نے کہا تو وہ حیرت میں گم ہو گیا اور پھر وہی ہوا جو آفاق نے سوچا تھا ہامون نے بنا سوچے سمجھے حصار توڑ دیا اور گیت کو دیکھنے کے لیے حصار سے باہر نکلا جونہی ہامون حصار سے باہر نکلا تہہ خانے میں شدید چیخ و پکار کی آوازیں بازگشت کرنے لگیں جیسے ڈھیر ساری بدروحیں مل کر بین کر رہی ہوں۔ آفاق نے گیت کا بے جان جسم چھوڑ دیا اور اب گی کا جسم تہہ خانے کے ننگی فرش پر پڑا تھا ہامون کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا جب سے چیخ و پکار شروع ہو گئی تھی ہامون جادوگر جیسے ٹرانس کی کیفیت میں تبدیلی آنے لگی۔ اسکی نگاہیں گیت کے بے جان جسم پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اچانک ہامون جادوگر منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا بڑبڑانے کے بعد جب اس کا منتر ختم ہو گیا تو اس نے اردگرد پھونکیں ماریں اور آخری پھونک اپنے آپ پر ماری۔ مگر دیر ہو چکی تھی چلہ ٹوٹنے کے پاداش میں اسے آگ لگ گئی تھی۔ ہامون چیخنے لگا اور چیختے ہوئے وہ تہہ خانے میں ادھر ادھر بھاگنے لگا۔ اور کچھ ہی دیر میں آگ کے شعلے بھڑک چکے تھے۔ ہامون کی چیخیں بڑی بھیانک تھیں برے کام کا برا انجام ہوتا ہے ہامون جل کر راکھ ہو گیا تھا۔

لیکن ان دونوں کو کیا پتہ تھا کہ نہ گیت مری تھی اور نہ ہی جادوگر مرا تھا یہ سب ان کی نظروں کا دھوکہ تھا وہ جو اس کو مردہ سمجھ رہے تھے اور جادوگر کو بھی مردہ سمجھ رہے تھے کیا وہ مردہ تھے کیا گیت مر گئی تھی کیا آفاق اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا یہ سب جاننے کے لیے خوفناک ڈائجسٹ کا آئندہ شمارہ پڑھنا نہ بھولئے گا۔ جاری ہے۔

عذاب قرض

تحریر: طاہر خالق ۔ لاہور

ہمارے گاؤں میں ایک بہت نیک لڑکا تھا جس کا نام طاہر تھا طاہر پڑھا لکھا نیک انسان تھا وہ اپنی پڑھائی مکمل کر کے ہمارے گاؤں تلہ گنگ میں سکول میں ٹیچر لگ گیا تھا طاہر سکول پڑھانے کے علاوہ بچوں کو ٹیوشن بھی پڑھانے ان کے گھر جایا کرتا تھا سکول میں ایک لڑکا زبیر تھا اس کے بھائی کا نام تصور تھا اور انکے والد صاحب ایک دن طاہر کے پاس آئے اور کہا کہ کل سے آپ میرے گھر میرے بچوں کو پڑھانے آیا کریں زبیر اور تصور دونوں اچھے اور لائق بچے تھے اس لئے طاہر نے کہا ٹھیک ہے میں کل سے آپ کے بچوں کو پڑھانے آیا کروں گا۔

طاہر عشاء کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا اور زبیر اور تصور کے گھر چلا گیا ان کو پڑھائی کے بعد طاہر اپنے گھر کو چل دیا اس نے سوچا کہ شارٹ کٹ مارتا ہوں بجائے اتنا لمبا راستہ اختیار کرنے کے طاہر قبرستان والا راستہ اختیار کیا اور چل پڑا جب وہ کسی ٹوٹی پھوٹی قبر کو دیکھتا تو خوف کے مارے تیز چلنے لگا اچانک ایک قبر پھٹی اور اس کے اندر سے روشنی اٹھنے لگی ایسے جیسے کوئی لاٹ مار رہا ہو طاہر یہ دیکھ کر ڈر گیا اور بھاگ پڑا پیچھے سے آواز آئی طاہر کل تمہاری میری طرف دعوت ہے تم ضرور آنا طاہر گھر پہنچا تو اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور وہ گھر میں اکیلا رہتا تھا اس نے ایک مکان کرائے پر لیا ہوا تھا اور وہ گھر میں اکیلا رہتا تھا اس نے ایک مکان کرائے پر لیا ہوا تھا یہ گھر پہنچا تو اس کی مالک مکان عورت ارشاد بیگم آئی اور کہنے لگی بیٹا کیا ہوا ہے تم بہت گھبرائے ہوئے ہو طاہر نے کہا کچھ نہیں ماں جی ویسے ہی کتے پیچھے لگ گئے تھے طاہر نے کہا کل میں نہیں جاؤں گا بچوں کو پڑھانے کے لئے جب دوسرا دن آیا تو طاہر بچوں کو پڑھانے نہیں گیا تھوڑی دیر بعد فون آیا طاہر نے فون رسیو کیا تو زبیر کے والد کہنے لگے آج آپ بچوں کو پڑھانے کیوں نہیں آرہے طاہر نے کہا آج میری طبیعت خراب ہے تو وہ کہنے لگے میں آپ کو خود لینے آجاتا ہوں کیونکہ بچے آپ کا انتظار کر رہے ہیں انہوں نے اپنی موٹر سائیکل نکالی اور مجھے مجبوراً جانا پڑا جب میں بچوں کو پڑھا کر فارغ ہوا تو میں نے اپنے گھر کی راہ لی اور راستے میں مجھے میرا ایک دوست مل گیا میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ مجھے ایک دوست مل گیا اور ہم دونوں گھر کی طرف چل پڑے جب ہم قبرستان کے پاس پہنچے تو میں نے کہا ہم سڑک سے جائیں گے تو میرا دوست جس کا نام شاہد تھا کہنے لگا وہاں سے بہت دور پڑتا ہے ہم قبرستان سے جائیں گے شاید نے کہا تمہیں ڈالگتا ہے طاہر نے کہا قبرستان سے جائیں گے شاید نے کہا تمہیں ڈر لگتا ہے طاہر نے کہا نہیں میں تو ویسے ہی کہہ رہا تھا کہ رات ہے اور اندھیرا بہت ہے بہر حال میں شاہد کے سہارے چل پڑا جب ہم قبرستان کے درمیان میں پہنچے تو اسی قبر سے دوبارہ روشنی اٹھی تو شاہد یہ دیکھ کر بھاگ گیا اور مجھے انجانی طاقت اس قبر کی طرف کھینچے جا رہی تھی جب میں اس کے اوپر گیا تو دیکھا کیا تھوں کے سڑھیاں نیچے قبر میں جا رہی ہیں میں نیچے اترا اور قبر اندر سے بہت ہی وسیع تھی جب میں اندر گیا تو سڑھیاں غائب ہو گئی اور میں بہت ڈر گیا قبر کے اندر روشنی ہی روشنی تھی تھوڑی دیر بعد بالکل اندھیرا چھا گیا میں یہ دیکھ کر بہت گھبرا گیا پانچ منٹ بعد پھر روشنی ہو گئی اور مجھے سفید پوش بابا نظر آئے میں

ان کے قریب گیا تو وہ بولے بیٹا پریشان مت ہو تمہیں اللہ نے میری مدد کے لئے بھیجا ہے بابا جی کی یہ بات سن کر میں پریشان ہو گیا کہ میں ان کی مدد کیسے کروں گا لیکن میں نے سوچا کہ شاید یہ کسی عذاب میں مبتلا ہیں بابا جی سے میں نے پوچھا کے پانچ منٹ بعد روشنی اور پانچ منٹ بعد قبر میں اندھیرا ہو جاتا ہے تو بابا جی نے کہا کہ اسی لئے اللہ نے تمہیں میری مدد کے لئے بھیجا ہے میں نے بابا جی کے پاؤں پر سبز چادر دیکھی تو میں نے پوچھا یہ چادر کیوں ہے آپ کے پاؤں پر تو بابا جی نے کہا ادھر آؤ جب میں پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک پاؤں پر ایک بچھو بیٹھا تھا جب وہ انہیں ڈستا تھا تو اندھیرا ہو جاتا تھا پانچ منٹ بعد پھر روشنی ہو جاتی تھی تو بابا جی نے کہا کہ بچھو کو مارنے کے لئے میں نے تمہیں بلایا ہے تا کہ تم میری مدد کرو اور یہ بچھو ادھر سے چلا جائے تم نیک انسان ہو اس لئے اللہ نے تمہیں میری مدد کے لئے بھیجا ہے تو میں نے کہا اس کو ابھی آپ کے پاؤں سے ہٹاتا ہوں میں نے جوتا اتارا اور بچھو کو دے مارا لیکن بچھو کو اثر نہیں ہوا بابا جی نے کہا یہ ایسے نہیں جائے گا نہ مرے گا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر عذاب ہے تو میں نے کہا پھر یہ کیسے جائے گا تو بابا جی نے بتایا کہ آج سے چالیس سال پہلے میں نے ایک آدمی جس کا نام عبدالخالق ہے سے ایک ہزار روپیہ ادھار لیا تھا اور واپس نہیں کیا تم بس یہ پیسے اس آدمی کو دے آؤ تو میں نے پوچھا کہ اس کا گھر کدھر ہے تو اس نے بتایا کہ وہ یہاں سے دس کلو میٹر دوری پر رہتا ہے اور گلی نمبر تین میں اس کا گھر ہے اس جگہ کا نام پیڑہ فتحال ہے اس کو جا کر دے آؤ میں وہاں سے نکلا اور گھر جا کر کھانا دانہ کھایا اور نکلنے لگا میں بڑی مشکل سے اس آدمی تک پہنچا جب میں نے اسے پیسے دیئے تو اس نے کہا میں نے تو تمہیں کوئی آدھار نہیں دیا تھا۔ تو میں نے بتایا کہ فلاں بابا کو تم نے آج سے چالیس سال پہلے یہ قرض دیا تھا اس بندے کو یاد آ گیا اور میں گھر واپس آ گیا اور سو گیا پھر وہی بابا میرے خواب میں آئے اور میرا شکریہ ادا کیا اور اپنے پاؤں سے چادر ہٹائی تو میں نے دیکھا بچھو نہیں تھا اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس نے یہ نیک کام مجھ سے کروایا ہمیں بھی ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیے اگر کسی سے کوئی چیز لیں تو ضرور واپس کریں۔

بے چین مردہ

تحریر۔ زبیر خالق۔ لاہور

آصف تلہ گنگ میں رہتا ہے وہ وہاں کا چوہدری ہے جس بات سے گاؤں والے بے خبر ہیں وہ یہ ہے کہ آصف شیطان کا پجاری بھی ہے وہ ہر چاند کی اکیس تاریخ کو شیطان کی بھینٹ ایک انسان کو چڑھاتا تھا اور آج بھی وہ یہی کام سرانجام دیئے جا رہا تھا وہ دبے قدموں کے ساتھ ندی کی جانب بڑھ رہا تھا آخر وہ ندی پر پہنچ گیا اور بلند آواز میں کہا اے شیطان میں اپنے وعدے کے مطابق چاند کی اکیس تاریخ کو تمہاری بھینٹ چڑھانے کے لئے ایک انسان لایا ہوں کچھ دیر بعد ندی کی لہروں میں ہل چل مچ گئی اور اچانک ایک بھیانک صورت والا شیطان سامنے آیا اور آتے ہی قہقہہ لگایا آؤ آصف آؤ تم بہت زیادہ خدمت کر چکے ہو اور ہر بار وعدے کی پابندی کی ہے آخر میرا بھی یہ فرض ہے تمہیں کچھ انعام دوں تو سنو جب اگلی بار میری بھینٹ ایک انسان چڑھاؤ گے تو میں تمہیں اتنی طاقت دے دوں گا کہ تم چاہو گے تو پوری دنیا پر راج کر سکو گے اور تباہی مچا سکو گے اور اگر اگلی بار تم خالی ہاتھ آؤ گے تو

بہت بھیانک موت مرو گے اور مرنے کے بعد بھی بے چین رہو گے یہ کہنے کے بعد شیطان غائب ہو گیا اور آصف اپنی حویلی کی جانب چل پڑا صبح گاؤں والوں نے شور مچا دیا کہ اس سال بھی شریف کا بیٹا جمال لاپتہ ہو گیا ہے آخر ماجرا کیا ہے اب ہمیں آصف سے بات کرنی پڑے گی وہ ہماری مشکل حل کرے گا پھر سب آصف کی حویلی کی جانب چل پڑے حویلی پہنچ کر شریف نے روتے ہوئے کہا جناب آپ تو جانتے ہیں جمال میرا اکلوتا بیٹا ہے وہ میرے بڑھاپے کا سہارا ہے پچھلے سال بھی کوئی خاندان کے بیٹے حنان کو لے گیا تھا اور اس سال کوئی میرے بیٹے کو لے گیا ہے آخر ماجرا کیا ہے آصف کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا مجھے یہ کسی جن بھوت کا چکر لگتا ہے اگر یہ بات ہوا تو پھر ہمیں کسی عامل سے بات کرنی چاہیے لیکن اس بات سے گاؤں والے ڈر جائیں گے تم کسی کو نہ بتانا۔ سب ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے واپس چلے گئے اور آخر یہ دن بھی گزر گیا۔ شام کو تصور آیا آصف یہ سوچ رہا تھا کہ وہ کس کو اپنا نشانہ بنائے تو اس کے ذہن میں آیا کہ کیوں نہ تصور کے بیٹے ارشد کو نشانہ بنایا جائے یہ سوچنے کے بعد وہ رات ہونے کا انتظار کرنے لگا جونہی رات ہوئی آصف تصور کے گھر کی جانب چل پڑا آصف نے اپنے منہ پر چادر اوڑھ رکھی تھی آصف تصور کے دروازے پر پہنچ گیا اور دستک دے دی اندر سے ارشد باہر آیا کون ہے آصف نے بغیر کچھ کہے بے ہوشی والا رومال ارشد کے ناک پر رکھ دیا جس سے ارشد بے ہوش ہو گیا آصف نے اسے کندھے پر اٹھایا اور چل پڑا کچھ دیر گزر جانے کے بعد جب ارشد واپس نہ آیا تو تصور اٹھ کھڑا ہوا باہر جا کر دیکھا تو ارشد پہلی تھا وہ پریشان ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اچھل آج انیس تاریخ ہے اور میرا بیٹا

تصور بھاگا آصف کی حویلی کی جانب آصف نے ارشد کو تہہ خانے میں بند کر دیا ابھی اوپر ہی آیا تھا کہ تصور پہنچ گیا صاحب جی میرا بیٹا میرا بیٹا کیا ہوا تمہارے بیٹے کو صاحب جی دروازہ کھٹکا تھا ارشد باہر گیا اور واپس ہی نہیں آیا آصف دکھاوے کے لئے پریشان ہو گیا اچھا سنو یہ بات کسی کو نہ بتانا سب ڈر جائیں گے اب تم گھر جاؤ اس مسئلے کا حل صبح ڈھونڈیں گے تصور پریشان ہو کر چلا گیا اور آصف مسکرانے لگا رات تصور نے جاگ کر گزاری آخر باپ کو کس طرح چین ملتا جب صبح ہوئی تو تصور آصف کے گھر گیا آصف نے کہا دیکھو تصور اب شاید تمہارا بیٹا واپس نہیں آ سکتا صاحب جی یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میں سچ کہہ رہا ہوں تصور اب تمہارا بیٹا واپس نہیں آ سکتا مگر کیوں صاحب جی تمہارے بیٹے کو کچھ ڈاکو اٹھا کر لے گئے ہیں اور خبر ملی ہے کہ اسے مار دیا ہے نہیں صاحب جی میرا بیٹا نہیں مر سکتا نہیں تصور روتا ہوا چلا گیا اور آصف مسکرانے لگا تیس تاریخ کا دن بھی گزر گیا اور آج انیس تاریخ کا دن آ گیا آصف بہت خوش تھا اسے رات کا انتظار تھا پھر دن بھی گزر گیا اور آخر رات آ گئی رات ہوتے ہی آصف خوشی سے تہہ خانے کی طرف گیا اور اس نے جیسے ہی تہہ خانے کا دروازہ کھولا تو اندر ارشد موجود نہیں تھا آصف چونک گیا اس نے تہہ خانے کا کونا کونا چھان مارا مگر ارشد نہیں تھا آصف نے ندی کی طرف دوڑ لگا دی ندی پر پہنچ کر آصف بولا اے شیطان مجھ سے وعدہ خلافی ہو گئی وہ لڑکا جسے میں نے پکڑا تھا پتہ نہیں کدھر چلا گیا مجھے ایک روز کی مہلت چاہیے اچانک ندی کی لہروں میں ہلچل مچ گئی اور شیطان نمودار ہوا آصف تم نے وعدہ خلافی کی ہے اور پھر مہلت بھی مانگ رہے ہو میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا اب میں تمہیں مارنے لگا ہوں پر اگر مرنے سے بعد تم نے چالیس انسانوں

کا خون پی لیا تو تم دوبارہ زندہ ہو جاؤ گے اور ہاں اس دوران تمہیں کوئی نیک ہستی فنا بھی کر سکتی ہے مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ اچانک ہوا میں ایک چاقو نمودار ہوا جس نے پہلے آصف کی آنکھیں باہر نکال دی پھر دل باہر نکال دیا اور پھر آدھا پاؤں کاٹ دیا اس طرح آصف ٹھنڈا ہو گیا۔

اگلے دن گاؤں والے بیدار ہوئے تو آصف کی حویلی کی جانب چل پڑے وہاں پر انہیں آصف نہ ملا تو وہ پریشان ہو گئے پھر سوچا شاید شبیر گیا ہو وہ سب گھروں کو چل دیئے اسی طرح دن گزر گیا اور ایک بھیانک رات کا آغاز ہوا رات کے بارہ بجے مردہ قبرستان کے اندر سے نمودار ہوا اور ایک طرف چل پڑا اس کا رخ شاہدہ کے گھر کی جانب تھا مردے نے شاہدہ کے گھر کے دروازے پر کھڑا ہو کر کچھ پڑھا تو وہ اندر داخل ہو گیا اب وہ شاہدہ کے بالکل قریب کھڑا تھا مردے نے جیسے ہی شاہدہ کو ہاتھ لگایا تو مردے کو جھٹکا لگا اور وہ ایک طرف ہو گیا شاہدہ نے اٹھ کر سامنے دیکھا تو اتنا بھیانک چہرہ کے شاہدہ بے ہوش ہو گئی مردہ کچھ دیر تو اس تعویز کو دیکھتا رہا جس کی وجہ سے شاہدہ بچ گئی تھی مگر پھر وہ غائب ہو گیا اسی طرح صبح ہو گئی نگہت نے سوچا آج شاہدہ نظر نہیں آرہی چل کر دیکھنا چاہیے نگہت گھر میں داخل ہوئی تو اندر شاہدہ چارپائی پر سوئی ہوئی تھی نگہت نے شاہدہ کو ہاتھ ہی لگایا تھا کہ شاہدہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ گئی اور نگہت کو بالوں سے پکڑ لیا قارئین شاہدہ کا ذہنی توازن خراب ہو گیا تھا نگہت نے بہت مشکل سے اپنے آپ کو چھڑوایا اور باہر نکل گئی اس نے جا کر ساگر صاحب کو بتایا ساگر گاؤں کا ایک نہایت نیک آدمی تھا ساگر نے کہا میں دیکھتا ہوں ساگر جلدی سے شاہدہ کے گھر پہنچا شاہدہ نے گھر کے برتن اٹھا کر ساگر کو مارنے شروع کر دیئے ساگر جلدی سے باہر آیا اور گاؤں والوں کو بتا دیا کہ شاہدہ پاگل ہو گئی ہے کوئی گھر سے باہر نہ نکلے سب ڈر گئے تھے ادھر اسی رات مردہ نمودار ہوا اس نے جیسے ہی سامنے دیکھا تو غرایا تم ہاں میں سامنے ارشد کھڑا تھا مردہ ارشد کی جانب بڑھا مردے نے جیسے ہی ارشد کو ہاتھ لگایا تو مردہ دور جا گرا اب تم میرے سامنے بے بس ہو کیونکہ میرے پاس روحانی طاقتیں ہیں اور آج میں تمہارے گرد حصار بنانے آیا ہوں جس سے تم باہر نہیں نکل سکو گے اور ہمیشہ بے چین رہو گے اب تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ میں تہہ خانے سے باہر کیسے آیا مجھے ایک نیک بزرگ نے بچایا تھا اور انہوں نے ہی مجھے روحانی طاقتیں دی ہیں اور آج میں تمہارے شیطان کو بھی ہمیشہ کے لئے ختم کرنے جا رہا ہوں ارشد ندی پر چلا گیا اور بولا اے منحوس شیطان باہر آ اچانک ندی کی لہروں میں ہلچل مچ گئی اور وہ ہی شیطان نمودار ہوا شیطان بولا تمہیں تمہاری موت کھینچ لائی ہے یہاں اچانک شیطان نے پھونک ماری تو بہت سی آگ ارشد کی جانب بڑھی ارشد نے تلوار کا رخ آگ کی طرف کیا تو آگ واپس چلی گئی پھر ارشد نے تلوار ہوا میں لہرائی تو شیطان کا سر قلم ہو گیا ارشد نے خدا کا شکر ادا کیا اور گھر کی جانب چل پڑا گھر پہنچا تو ارشد کا باپ تصور ارشد سے لپٹ کر رونے لگا اس کے بعد وہ ہنسی خوشی رہنے لگے قارئین میری دوسری کاوش کیسی لگی رائے ضرور دیں۔

وہ ایک رات

تحریر: افشاں رمضان، پنڈدادنخان

ٹپ ٹپ...... اس آواز نے ایک بار پھر مجھے چونکا دیا جانے اس پراسرار آواز میں کیا بات تھی کہ میں پڑھائی چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جایا کرتی

سہانی رات

تحریر: ملک قمر اعوان۔ ناون

محترم قارئین ایک کہانی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں امید ہے پسند کریں گے اور حوصلہ افزائی کریں گے سب سے پہلے اپنا تھوڑا سا تعارف کروا دوں میرا نام ملک قمر اعوان ہے اور میں ضلع کوٹلی کے ایک گاؤں ناون کے رہنے والا ہوں یہ تھا میرا تھوڑا سا تعارف اب چلتے ہیں کہانی کی طرف میں ہر روز سکول سے واپس آنے کے بعد ہوم ورک کر کے دریا پر ٹہلنے کے لئے چلا جاتا تھا آپ کو یہ بتا تا چلوں کہ ہمارے گھر سے تقریباً پانچ کلو میٹر کے فاصلے پر دریا ہے ایک دن جب میں ٹہلنے کے لئے دریا پر گیا تو اس دن بہت سہانا موسم تھا آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے ٹہلتے ٹہلتے ٹائم کا پتہ ہی نہ چلا اور گھڑی پر ٹائم دیکھا تو شام کے آٹھ بج رہے تھے سردیوں کا موسم تھا اس لئے مجھے تھوڑی سی سردی محسوس ہونے لگی اور میں جلدی جلدی قدم بڑھاتا ہوا چل پڑا چلتے چلتے مجھے پائل کی آواز آنے لگی میں نے اسے اپنا وہم سمجھ کر پھر چل پڑا پھر پائل اور ہنسی کی آواز آئی تو میں اس آواز کی طرف چل پڑا قارئین میں آپ کو بتا تا چلوں کہ میں بہت بہادر تھا جب میں ایک بڑے سے درخت کے پاس پہنچا تو وہاں ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی بیٹھی ہوئی تھی میں نے جب اتنی خوبصورت لڑکی دیکھی تو کہا کہ کون ہو تم اور تمہارا کیا نام ہے اور کہاں سے آئی ہو میں نے ایک ہی سانس میں اتنے سارے سوال کر دیئے تو وہ پیاری سی آواز کے ساتھ کہنے لگی کہ میں آپ کو اپنی اصلیت بتاؤں تو آپ ڈریں گے تو نہیں میں نے کہا نہیں ڈروں گا تو کہنے لگی کہ میں ایک جن ہوں اور آپ سے بہت محبت کرتی ہوں جب آپ دریا پر نہیں ہوتے تو میں بے چین ہو جاتی ہوں اور میں آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں پلیز قمر میری محبت کا انکار نہ کرنا میں اس کی معصومیت کو دیکھ کر پہلے ہی دیوانہ ہو چکا تھا اس لئے میں نے اس کی محبت کا اقرار کر لیا تو وہ بہت خوش ہوئی اس کے بعد ہماری روز ملاقاتیں ہونے لگی ایک دن میں نے اس سے کہا کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں تو پہلے وہ بہت خوش ہوئی اور پھر پریشان ہو گئی میں نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو کہنے لگی کہ میرے ماں باپ مر گئے ہیں اور میرے چچا میری شادی اپنے بیٹے سے کرنا چاہتے ہیں اس لئے میں پریشان ہوں کہیں وہ تمہیں مجھ سے جدا نہ کر دیں جب میں نے یہ سنا تو میں سوچ میں پڑ گیا کہ اب کیا کیا جائے تھوڑی دیر بعد مجھے ایک عامل صاحب کا خیال آیا جو ہمارے گاؤں سے تھوڑی دور رہتے تھے ان کا خیال آتے ہی میں جھٹ سے بول پڑا کہ میں ایک عامل کو جانتا ہوں وہ ضرور ہماری مدد کریں گے یہ کہہ کر میں اپنی جان کو خدا حافظ کر کے گھر کی طرف چل پڑا گھر پہنچ کر گھڑی پر ٹائم دیکھا تو رات کے دو بج رہے تھے گھر والے سب سو رہے تھے اس لئے میں آرام سے اپنے کمرے میں چلا گیا اور سو گیا جب آنکھ کھلی تو دن کے دس بج رہے تھے اٹھا اور ناشتہ کر کے عامل صاحب کی طرف چل پڑا جب وہاں پہنچا تو وہاں لوگوں کا بہت ہجوم تھا جب میری باری آئی تو میں اندر چلا گیا اندر دیکھا کہ ایک نورانی چہرے والے بزرگ بیٹھے ہوئے تھے میں ان کو سلام کیا اور بیٹھ کر اپنی کہانی ساری تفصیل بتائی عامل صاحب بولے بیٹا پہلے اس جن زادی کو اسلام قبول کرنا ہوگا اور پھر تم میرے پاس آنا میں وہاں سے گھر پہنچ آیا اور رات کا انتظار کرنے لگا اللہ اللہ کر کے

جب رات آئی تو میں دریا کی طرف چل پڑا جب وہاں پہنچا تو وہ پہلے سے وہاں موجود تھی جب اس نے مجھے دیکھا تو وہ بہت خوش ہوئی وہ جھٹ سے بول پڑی کیا ہوا عامل صاحب نے کچھ کہا میں نے کہا کہ پہلے تمہیں اسلام قبول کرنا ہوگا تو وہ راضی ہوگئی تو ہم مسجد کے امام صاحب کے پاس گئے وہ دو کلمے پڑھ کر مسلمان ہوگئی آج میں بہت خوش تھا کہ میں نے بھی کسی کو مسلمان کیا پھر میں نے اس کا اسلامی نام

مسکان رکھ دیا پھر میں نے مسکان سے کہا کہ صبح میں عامل صاحب کے پاس جاؤں گا اور ان سے بات کروں گا وہ یہ سن کر بہت خوش ہوئی پھر میں گھر کی طرف چل پڑا اور وہ دریا کی طرف چلی گئی صبح میں نے عامل صاحب کو ساری بات بتائی تو وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے بیٹا اس کا چاچا بہت خطرناک ہے اس کو ختم کرنے کے لئے تمہیں چالیس دن کا چلہ کرنا ہوگا اس چلے کے دوران تمہیں بہت ڈرایا جائے گا لیکن تم حصار سے باہر نہ نکلنا اس چلے کے بعد ایک تلوار ملے گی اور اس تلوار سے تمہیں ان کا خاتمہ کرنا ہوگا عامل صاحب نے مجھے ایک وظیفہ بتایا اور میں یہ وظیفہ یاد کر کے واپس گھر کی طرف چل پڑا گھر پہنچ کر شام کا کھانا کھا کر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد نماز عشاء ادا کی اور مسکان کی طرف چل پڑا وہاں پہنچ کر میں نے مسکان کو تمام قصہ سنایا وہ کہنے لگی کہ اللہ تمہیں کامیاب کرے تو میں مسکان کو اللہ حافظ کہہ کر قبرستان کی طرف چل پڑا میں نے یہ چلہ قبرستان میں کرنا تھا اس لئے میں قبرستان پر پہنچ گیا اور حصار کھینچ کر وظیفہ پڑھنے لگا آج میری پہلی رات تھی جب آدھی رات کا وقت ہوا تو قبریں پھٹنے لگی ان میں سے مردے نکل کر میری طرف آنے لگے میرے خطرے کی گھنٹی بجنے لگی اور میرے دل نے کہا

بیٹے آج مارے گے تو خوف کے مارے میں نے آنکھیں بند کر دی اور زور زور سے وظیفہ پڑھنے لگا جب میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا اور اسی طرح میرا وظیفہ چلتا رہا ایک دن مسکان میرے پاس آئی اور کہنے لگی قمر میں نے ان کو مار ڈالا ہے اب چلو گھر چلیں میں حصار سے نکلنے ہی والا تھا کہ مجھے بابا کی آواز آئی کہ بیٹا یہ نظر کا دھوکا ہے تم اپنا عمل جاری رکھو میں پھر بیٹھ کر اپنا وظیفہ پڑھنے لگا اچانک اس کی شکل تبدیل ہونے لگی اور وہ ایک

خوبصورت لڑکی کی بجائے ایک بدصورت چڑیل بن گئی اس کے بالوں کی بجائے سانپ لٹک رہے تھے اس کی شکل اتنی بھیانک تھی کہ اسے دیکھ کر میرا دل دھڑکنے لگا آنکھوں کی جگہ دو گھڑے تھے ناخن اس کے خنجر کی طرح تھے اس نے کہا بھاگ جاؤ ورنہ مار دوں گی میں نے اپنا وظیفہ جاری رکھا تو وہ غصے سے میری طرف بڑھنے لگی میں زور زور سے وظیفہ پڑھنے لگا اور وہ غائب ہوگئی اس کے بعد مسکان کا چچا آیا اور اس نے میرے بھائی کو پکڑا ہوا تھا اور اس کو مار رہا تھا میں اس کو بچانے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ مجھے پھر بابا کی آواز آئی کہ بیٹا اپنا عمل جاری رکھو میں وظیفہ زور زور سے پڑھنے لگا تو کیا دیکھتا ہوں میرے بھائی کی جگہ ایک بہت ہی بھیانک چہرے والا جن ہے میں یہ دیکھ کر جلدی جلدی وظیفہ مکمل کرنے لگا جب وظیفہ مکمل ہوا تو مجھے اوپر سے ایک تلوار آتی ہوئی نظر آئی وہ آکر میرے قریب گر پڑی میں نے اسے اٹھایا اور اس پر پھونک ماری اور مقابلے کے لئے کھڑا ہو گیا جب مسکان کے چچا نے یہ دیکھا تو وہ بہت غصے میں آگیا اور اس نے ہاتھ بلند کیا اور اس کے ہاتھ میں ایک تلوار آگئی ہم دونوں میں مقابلہ شروع ہو گیا میں تقریباً ایک گھنٹہ مسلسل لڑتے ہوئے

تھک گیا تھا اور کافی زخمی ہو گیا پھر بھی میں نے ہمت نہ ہاری اور ایک بھرپور وار کر کے اس جن کا کام تمام کر دیا اتنے میں زمین میں زلزلہ آ گیا اور زمین زور زور سے ہلنے لگی اور میں چکرا کر گر پڑا اور ہوش کی دنیا کھو بیٹھا جب ہوش آیا تو میرے قریب میرے گھر والے اور مسکان بیٹھی ہوئی تھی وہ مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر بہت خوش ہوئے اس طرح میری اور مسکان کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔

ہمیں چلہ کرنے کا کہا ہم نے پیر بابا سے اجازت لی اور چلہ کرنا شروع کر دیا پہلے بیس دن تو کچھ نہ ہوا مگر بیس دنوں کے بعد جب میں نے چلہ کرتے وقت اپنا کیل جو پیر بابا نے مجھے دیا زمین میں ٹھوک دیا میں چڑیل میں سامنے تھی میں ڈر سے اٹھنے ہی والا تھا کہ مجھے بابا کی آواز سنائی دی بیٹا عامر ڈرو مت یہ سب نظر کا دھوکا ہے اور میں نے جلدی سے دوسرا کیل ٹھوک دیا اور جب تیسرا کیل ہاتھ میں پکڑا تو وہ چڑیل غائب ہونے کے بعد دوبارہ حاضر ہو گئی اور کہنے لگی کہ اگر تم نے یہ کیل ٹھوکا تو میں تمہیں جلا کر راکھ کر دوں گی اور اب وہ پہلے سے بھی زیادہ خوفناک تھی جب میں نے کیل ٹھوکنا چاہا تو وہ منتیں کرنے لگی پلیز یہ کیل مت ٹھوکنا میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی مجھے معاف کر دو مجھے اس پر بہت غصہ آیا کیونکہ اس نے ہمارے دوست کو مارا تھا ہمیں اپنے دوست کی موت کا بدلہ لینا تھا اس لئے میں نے جلدی سے وہ تیسرا کیل ٹھوک دیا کیل ٹھوکتے ہی آگ نے اسے اپنے اندر لپیٹ لیا اور جلا کر راکھ کر دیا سارا جنگل اس کی خوفناک چیخوں سے گونج اٹھا اور اس بلا کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا ہم نے خدا کا شکر ادا کیا اور قبرستان سے واپس آ گئے اور وہاں جا کر نواز کی لاش واپس لے کر آئے جہاں چھوڑ کر آئے تھے اس بات کو دو سال ہو چکے ہیں مگر آج بھی نواز کی بہت یاد آتی ہے خدا اسے جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

موڈ ی

یہ کیا کہ جب تمہارا موڈ ہو
میرا نمبر ملاؤ مجھے بولو کہ تم سے بات کرنی ہے
اور مجھ سے پیار چاہو
سنو جاناں
بہت چاہا ہے میں نے تم کو
لیکن
اب میں تھک گئی ہوں
اور آج میں نے خود سے عہد کر ڈالا ہے
محض تیرا نہیں
اب میں اپنا موڈ بھی دکھایا کروں گی

عنبرین نذیر، سیاکھ پلانیاں

☆ ہنستے وقت دنیا تمہارے ساتھ ہے مگر روتے ہوئے نہیں۔
☆ بادلوں کی طرح زندگی گزارو جو پھولوں کیساتھ ساتھ کانٹوں پر بھی برستا ہے۔
☆ جو شخص مذہب سے عاری ہو وہ اس گھوڑے کی مانند ہے جس کی کوئی لگام نہ ہو۔
☆ سفر کے راستے سے پہلے ساتھی کو اور گھر سے پہلے پڑوسی دیا ہو۔
☆ عورت صرف ایک ہی راز پوشیدہ رکھ سکتی ہے وہ اس کی عمر کا راز ہے۔
☆ دوست کی دوستی پر اندھا اعتماد نہ کرو اس کا وار دشمن سے زیادہ خطرناک ہو سکتا ہے۔

مصور

عابد سعید۔ بہاولپور

یہ 1999ء کی بات ہے

جب میں امریکہ میں تھا وہاں میں آرٹ کلب آف نیویارک کی سالانہ کانفرنس میں شرکت کے لئے گیا تھا۔ وہاں میری ملاقات آسٹر نامی شخص سے ہوئی۔ وہ بھی ایک مصور تھا۔ مجھے اس کی شخصیت میں ایک غیر معمولی اثر محسوس ہوا جو کسی اور میں نہ تھا۔ وہاں پر اور بھی بہت سے لوگ تھے مگر مجھے اس کی شخصیت کسی اور طرف متوجہ ہونے نہ دیتی تھی۔ رسمی باتوں کے بعد اس نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی جو میں نے قبول کر لی۔ اس نے نارتھ اینڈ کے علاقے میں ایک قدیم مکان کرائے پر لے رکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں شاید اکیلا اس کا مکان تلاش نہیں کر سکتا مگر مجھے اس سے ملنے کا شوق ضرور تھا۔

میری اس سے اگلی ملاقات ایک اور نمائش میں ہوئی میں اسے دیکھتے ہی لپکا اور اسے جالیا۔ وہ ایک تصویر کو دیکھنے میں محو تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بولا ہیلو مسٹر عابد کیسے ہو تم تو ایک بار بھی ملنے نہیں آئے۔ میں نے اس سے معذرت کی اور مصروفیت کا بہانہ بنا لیا۔ اس نے کہا کہ آؤ میں تمہیں اپنی ایک تصویر دکھاؤں۔ وہ مجھے لے کر گیلری کے ایک طرف لے گیا یہاں پر نسبتاً کم لوگ تھے۔ یہاں پر اس کی تصویر آویزاں تھی۔ جب میں نے وہ تصویر دیکھی تو دنگ رہ گیا۔ کسی بھی غیر معمولی آرٹ کا اظہار مجھے خوفزدہ نہیں کرتا۔ قارئین آپ نے رسالوں اور کتابوں میں چھپنے والی بہت سی خوفناک تصاویر دیکھی ہوں گی اور ان پر کوئی توجہ نہ دی ہوگی مگر جو شاہکار اس وقت میرے سامنے تھا اسے کسی مصور کی آنکھ ہی دیکھ سکتی تھی۔ تصویر کا عنوان تھا ''گورکنوں کا کھانا''۔ اس تصویر میں کیا تھا وہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا مگر جو فن مصوری کو جانتے ہیں کہ ایک عظیم مصور ایسی تصویر کو وہ رنگ بخشنے کی صلاحیت رکھتا ہے جو دیکھنے والوں کو حقیقتاً خوفزدہ کر دے اور ایک مصور ہی جانتا ہے کہ خطوط اور رنگوں کا کون سا تناسب انسانی ذہن میں نسل در نسل پوشیدہ رہنے والے جذبہ خوف کو ابھار سکتا ہے اور خطوط کی کونسی ترتیب اور روشنی اور اندھیرے کا کیسا امتزاج اس غیر معمولی اور غیر قدرتی جذبے کو پیدا کرتا ہے جسے ہم خوف کا نام دیتے ہیں۔ جبکہ بھوتوں کی کہانیوں کے سرورق پر بنی تصاویر دیکھ کر ہم ہنسنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس تصویر میں یہ تمام خوبیاں تھیں جس میں گورکن ہاتھ میں چھریاں پکڑے ایک مردے کو کھانے میں مصروف تھا گویا یہ ان کا معمول تھا۔

میں تصویر دیکھنے کے بعد یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ شاید کوئی ایسی چیز ضرور ہے جسے ان غیر فطری ہولناک مناظر کے عظیم مصور رنگوں میں مقید کرنا جانتے ہیں۔ ایسے مصور ہمیں زندگی سے ماورا، ان پراسرار گوشوں میں لے جاتے ہیں جہاں خوف و دہشت کی حکومت ہوتی ہے۔ مجھے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر آسٹر بول پڑا کیا سوچ رہے ہو۔ کیا ڈر گئے؟ میں بولا ڈرا تو نہیں لیکن یہ ضرور سوچا کہ تم نے اس منظر کا تصور کیسے کیا کیونکہ مصور اپنے تصور کو ہی کینوس پر ابھارتا ہے۔ میری بات سن کر وہ ہنس دیا اور بولا کہ یہ تو معمولی بات ہے۔

قارئین! یہاں میں یہ واضح کرتا چلوں کہ
جذبہ خوف کو ابھارتے والی تصویریں بنانے والے
مصور کے ذہن میں ضرور ایسے ماڈل ہوتے ہیں وہ
تخیل کے زور پر ان خوفناک مناظر کو جنم دیتا ہے۔
میں نے پوچھا آسٹر! تم نے اس نظارے کا تصور
کیسے کرلیا۔ جواب میں وہ عجیب سے انداز میں ہنسا
اور ہم واپس ہال میں آگئے۔ وہاں میرا ایک
دوست جیک موجود تھا جس کی بدولت میں پہلے تو
امریکہ میں آیا اور پھر آرٹ کلب آف نیویارک کا
ممبر بنا۔ اس نے آسٹر کو کہا کہ کیا تم غیر فطری مناظر
بناتے رہتے ہو اسی وجہ سے کئی بار تمہیں کلب کی
ممبر شپ سے معطل بھی ہونا پڑا۔ وہ بولا: ضروری
نہیں کہ خوبصورتی صرف قدرتی مناظر میں ہو تم
میری تصویر کو میری نظر سے دیکھو تمہیں اس سے بڑھ
کر کوئی تصویر اچھی نہیں لگے گی۔ وہ ہنس کر چلا گیا۔
جیک نے مجھ سے کہا یار مجھے تو آسٹر کو دیکھ کر عجیب سی
کراہت کا احساس ہوتا ہے۔ اس نے مجھے کہا کہ
اس کے نقوش آہستہ آہستہ مکروہ سے ہوتے جا رہے
ہیں۔ خیر ہم لوگ نمائش سے آگئے مگر میرے
اعصاب پر اس کی تصویر ہی سوار تھی۔

اگلے دن پتہ چلا کہ آرٹ کلب نے اس
تصویر کی نمائش سے انکار کر دیا ہے۔ فنون لطیفہ کے
عجائب گھر نے بھی اسے بطور تحفہ قبول نہ کیا۔ جبکہ
میرے خیال میں کوئی اسے خریدنے کو بھی تیار نہ تھا
اور تصویر بالآخر آسٹر کو واپس کر دی گئی۔ اس کے
چہرے پر کوئی تاثرات نہ تھے وہ صرف اتنا بولا کہ تم
کیا جانو آرٹ کیا ہوتا ہے۔ جب وہ آرٹ کلب
سے واپس جا رہا تھا تو میں اس کے پاس گیا اور اس
کو کہا کہ تمہاری تصویر بہت اچھی ہے۔ میری بات
وہ مذاق میں ٹال گیا مگر میں اس کا گرویدہ ہو گیا تھا۔
میں اس کے ساتھ اس کے گھر گیا۔ نارتھ اینڈ میں
اس کا مکان تھا۔ پہلی بار اس کے گھر میں داخل ہوا
اس کے گھر میں کوئی نہیں تھا میں نے اس سے پوچھا
کہ تم اکیلے رہتے ہو؟ بولا: ہاں میں نے کہا کہ شادی
کیوں نہیں کی۔ اس نے کہا کہ میں اس جھمیلے میں
پڑنے والا نہیں۔ میں ایک مصور ہوں اور یہی میری
زندگی ہے۔ خیر میں واپس آگیا۔

مگر دل ہی دل میں میں اس کا گرویدہ ہو گیا
تھا۔ اب میں اکثر اس کے ہاں جایا کرتا تھا۔ مجھ
میں بھی غیر معمولی مصوری کا شوق سوار ہو رہا تھا مگر
جو مناظر وہ سوچتا تھا وہ میری سمجھ سے باہر تھے۔
شاید یہ اس کے فن کا اثر تھا۔ بہر حال ان موضوعات
پر اس کا علم لامحدود تھا۔ اس نے مجھے اپنی ساری
تصاویر دکھائیں جن میں کچھ سکیچ بھی شامل تھے۔ وہ
سکیچ دیکھ کر میں سوچ میں پڑ گیا کہ اتنے خوفناک سکیچ
اس نے کیسے بنالئے۔ حالانکہ سکیچ بنانے کے لئے
سامنے object کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔
اور اگر وہ object واقعی میں تھے تو کیا آسٹر غیر
انسانی وجودوں سے آشنا تھا یا وہ بھی انہی میں سے
تو نہیں تھا۔ اگر انہیں دوسرے لوگ دیکھ لیتے تو مجھے
یقین ہے کہ آرٹ کلب میں اس کا داخلہ ممنوع قرار
دے دیا جاتا۔ میں گھنٹوں بیٹھا اس کی باتیں سنتا
رہا۔ یہ باتیں اگر بیرونی دنیا کے کانوں تک پہنچ
جاتیں تو لازماً اسے پاگل خانے بھیج دیا جاتا۔

میری بڑھتی ہوئی عقیدت نے اسے دوسرے
لوگوں سے زیادہ میری طرف متوجہ کر دیا اور اب وہ
تقریباً باقی سب سے لاتعلق ہی ہو گیا تھا۔ میں نے
اس کا گھر دیکھ ڈالا مگر مجھے اس کا پینٹنگ روم نہ ملا۔
ایک شام وہ بولا کیا تم واقعی وہ جگہ دیکھنا چاہتے ہو
جہاں میں یہ تصاویر بناتا ہوں تو میں تمہاری خواہش
ضرور پوری کروں گا مگر راز داری شرط ہوگی میں
نے وعدہ کرلیا۔ وہ بولا کہ مین ہیٹن کے ان پر پیچ

ماحول میں بعض چیزوں کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ میرا کام روح اور اس کے پوشیدہ اسرار کو نمایاں کرنا ہے اور یہ اس عام ماحول میں نہیں ہوسکتا۔ یہ علاقہ ابھی نیا ہے اور اس وجہ سے ان روایتوں اور یادداشتوں سے محفوظ ہے جو غیر فطری، غیر معمولی روحوں کی دلچسپی کا باعث ہوں۔ میں انسانی شعور رکھنے والی ارواح کا علم جانتا ہوں۔ میں تم سے یہ باتیں اس لئے کررہا ہوں مسٹر عابد کیونکہ تم ایسے علاقے سے آئے ہو جہاں یہ باتیں جانی جاتی ہیں۔ امریکہ میں لوگ بھوت، ارواح اور جنات پر یقین نہیں کرتے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ آج انہوں نے یہ راز جانا ہے کہ مادے تو توانائی اور توانائی کو مادے میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ قدیم مصری ان رازوں سے ہزاروں سال پہلے واقف تھے۔ یہ آج اپنے گھر بیٹھ کر دوسرے ملکوں کا حال جانتے ہیں جبکہ مصری ان سے ہزاروں برس پہلے جانتے تھے۔ وہ غائب ہوکر ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے تھے۔ آج بھی ان کی بنائی ہوئی عمارتیں (اہرام مصر) ان کے لئے عجوبہ ہیں جب اتنی سائنس نے ترقی نہیں کی تھی تو یہ عمارتیں کیونکر وجود میں آئیں۔ تم میری باتوں کو سمجھ سکو گے لیکن جو میرے آرٹ کی قدر نہیں کرتے ان کے لئے یہ سب باتیں بکواس ہیں۔ میں صرف اس لئے تم پر اعتماد کررہا ہوں کیونکہ تم میں میں وہ صلاحیت دیکھ رہا ہوں جو تمہیں ان لوگوں سے جدا کررہی ہیں۔ میں تمہیں اپنا سٹوڈیو ضرور دکھاؤں گا۔

نارتھ اینڈ ایسی جگہ ہے جہاں مجھ جیسا آرٹسٹ کام کرسکتا ہے تم نہیں جانتے نارتھ اینڈ جیسی جگہیں ایک دن میں نہیں بن جاتیں۔ ان کا ماحول صدیوں میں تیار ہوتا ہے جہاں میں رہتا ہوں وہاں کی گلیاں سینکڑوں سال پرانی ہیں۔ ایسے مکانات دکھا سکتا ہوں جو تین سو سال سے زمانہ کے سرد و گرم سہتے چلے آرہے ہیں۔ آسٹر مسلسل بول رہا تھا۔ کیا تم جانتے ہو کہ نارتھ اینڈ کا سارا علاقہ زیر زمین سرنگوں سے پٹا پڑا ہے۔ سینکڑوں سال پہلے لوگ انہی سرنگوں سے ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے تھے۔ یہی سرنگیں انہیں قبرستان اور پھر کھلے سمندر تک لے جاتی تھیں۔ دیکھو تم ایسی چیزوں سے دلچسپی رکھتے ہو اب میں تمہیں بتا ہی دیتا ہوں کہ میں نے ایک ایسی ہی جگہ کرائے پر لے کر اپنا سٹوڈیو بنا رکھا ہے۔ جہاں میں خوف و دہشت کی منہ بولتی تصاویر بناتا ہوں جن کا اس فیشن ایبل سوسائٹی میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ظاہر ہے میں یہ باتیں آرٹ کلب کے ان بے وقوفوں کو نہیں بتا سکتا اور آرٹ کلب کا چیئرمین ایسا بدبخت ہے کہ یہ کہتا پھرتا ہے کہ میں زندگی کے کسی معکوس ارتقاء کی پیداوار ہوں۔ میں نے بہت پہلے سوچ لیا تھا کہ زندگی کے حسن اور خوبصورتی کو ظاہر کرنے کی بجائے اس کے تاریک گوشوں اور ہیبت ناک اسرار کی تصویریں بناؤں گا اور نارتھ اینڈ کا علاقہ میری تحقیق اور مناظر کشی کا مرکز ہے۔

وہاں میں نے ایک ایسی جگہ لے رکھی ہے جسے میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ جگہ زیادہ گہری نہیں مگر ماحول کی بوباس صدیوں پرانی ہے۔ اس میں ایک گہرا تاریک کنواں ہے جو زیر زمین سٹور میں واقع ہے۔ وہ مکان انتہائی بوسیدہ ہے کہ کسی روز اچانک گر پڑے گا۔ میں زمین دوز کمرے میں بیٹھ کر مصوری کرتا ہوں اور وہاں میری تصاویر کو پر لگ جاتے ہیں۔ اگر تم مجھ سے مکمل راز داری کا وعدہ کرو تو میں تمہیں وہاں لے چلوں گا۔ میں سوچ میں پڑ گیا میرے دماغ میں صرف اس کے فن

پاروں کو دیکھنے کی خواہش تھی چنانچہ میں نے ہاں کردی۔ آسٹر بولا مجھے یقین ہے کہ تمہیں میری تصاویر ضرور پسند آئیں گی۔ آج رات میں تمہیں وہاں لے چلوں گا۔ میں عموماً پیدل ہی وہاں جاتا ہوں۔ بیری سٹریٹ تک ہم ٹیکسی میں جائیں گے آگے پیدل کیونکہ اس طرح وہاں کے مکین بے آرام ہوتے ہیں۔ میں واپس مین ہیٹن اپنے فلیٹ میں آ گیا جہاں جیک میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ آسٹر سے زیادہ تعلق اچھا نہیں۔ مجھے تو وہ کسی اور دنیا کی مخلوق لگتا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ تم کیا جانو وہ کیا ہے وہ ایک عظیم مصور ہے۔ میری بات پر جیک ہنس پڑا۔

رات دس بجے میں اس کے گھر گیا وہاں سے آسٹر اور میں ٹیکسی میں بیٹھ کر بیری سٹریٹ تک گئے۔ پھر اس سے آگے پیدل سفر شروع ہوا وہاں سے پرانے گھاٹ سے ہوتے ہوئے گودام سے آگے نکل آئے۔ ہم نے کتنی ہی گلیاں اور چوک عبور کیے مجھے نہیں یاد۔ تاہم یہ جانتا ہوں کہ وہ جگہ گرین لین سے بہت آگے تھی۔ بالآخر ایک موڑ کے بعد ہم ایک ویران، غلیظ اور لمبی سی گلی میں داخل ہوئے جہاں گرتی ہوئی عمارتیں بکثرت تھیں کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے، قدیم وضع کی چمنیاں چھتوں سے اوپر نکلی ہوئی تھیں میرے خیال میں اس گلی کا ہر مکان سولہویں صدی کا تھا۔ آسمان پر چاند موجود تھا اور اس کی چاندنی میں یہ ایک عجیب سا منظر لگ رہا تھا۔ فضا بوجھل سی تھی ہم ایک اور گلی میں داخل ہوئے جو تاریک اور قدرے تنگ تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد آسٹر نے ٹارچ روشن کی اور ایک لمبے ہشت گنبد مکان کے سامنے رک گیا۔ اس نے دروازے کا تالا کھولا اور مجھے اندر آنے کو کہا۔ میں ایک وسیع ہال میں داخل ہوا جس کی چار دیواری کا بھاری چوبی کام دیمک چاٹ چکی تھی۔ یہ مکان دیکھنے سے ہی آسیب زدہ لگتا تھا۔ ہال سے گزر کر ہم ایک ایسے کمرے میں جا پہنچے جہاں دیواروں پر بے شمار تصاویر لگی تھیں۔

قارئین! میں ایک ٹھنڈے دماغ کا آدمی ہوں اور میرے اعصاب کافی مضبوط ہیں۔ لیکن مجھے جو کچھ ان دیواروں پر نظر آ رہا تھا اس نے میرے اعصاب شل کر دیئے اور اگر خوف نام کی کوئی حقیقت اس دنیا میں ہے تو وہ مجھ پر طاری ہو گئی۔ یہ وہ تصاویر تھیں جو وہ آرٹ کلب والے سٹوڈیو میں نہ رکھ سکتا تھا۔ اس کا یہ کہنا سو فیصد درست تھا کہ یہاں اس کے تصور کو پر لگ جاتے ہیں اور وہ ہر چیز کو رنگوں میں محفوظ کر لیتا ہے۔

قارئین! یہ بتانا ممکن نہیں کہ وہ تصاویر کیا تھیں کیونکہ جو خوفناک مکروہ چیزیں ان کینوسوں پر سرخ خونخوار آنکھیں نکالے مجھے گھور رہی تھیں انہیں زبان بیان نہیں کر سکتی۔ وہ دوزخ کے کسی تاریک غار کی تصاویر تھیں جہاں گناہگار روحیں وحشیانہ سزاؤں کی وجہ سے چیخ و پکار کر رہی ہوں۔ ہر تصویر جاندار معلوم ہوتی تھی۔ وہ سڈنی سائم یا کلارک آسٹن کی غیر ارضی تصاویر کی طرح نہ تھیں جن میں پھپھوندی زدہ چاند اور مریخ کے نظاروں سے خوف پیدا کرنے کی فضا قائم کی جاتی ہے۔ آسٹر کی ہر تصویر کا پس منظر زیادہ تر قدیم چرچ، سمندر، بوسیدہ مکانات اور کائی زدہ فصیلوں پر مشتمل تھا۔ چند تصاویر میں نیویارک کا قبرستان پس منظر کے طور پر دکھایا گیا تھا۔

پاگل پن، وحشت، خوف اور سن کر دینے والی دہشت ان پس منظر میں نہ تھی بلکہ ان چہروں پر تھی جو دیکھنے والے کا منہ چڑاتے تھے۔ چہروں کے تصورات اور تاثرات کی تصویر کشی کا تو آسٹر بادشاہ

تھا۔ یہ اجسام بالکل انسان نہ تھے بلکہ انسان سے
ملتے جلتے تھے کئی اجسام اگرچہ دو پائے تھے مگر ان کا
آگے کو جھکا ہوا جسم اور مجموعی ساخت گوشت خور
درندوں سے ملتی تھی۔ وہ خوفناک تصویریں ابھی تک
میرے ذہن میں محفوظ ہیں اور وہ غیر انسانی
عفریتیں کسی شغل میں مصروف تھیں۔ تفصیل میں
جانے کی مجھ میں ہمت نہیں بس آپ یوں جان لیں
کہ وہ کچھ کھا رہی تھیں۔ کیا..... یہ میں نہیں بتا سکتا۔
اگر سن سکتے ہیں تو سنیں اکثر تصاویر میں ان عفریتوں
کا گروہ کسی زیر زمین سرنگ میں یا قبرستان میں
اپنے شکار پر [illegible] میں اترتا ہوا نظر آتا۔ آسٹر نے
اس بے چارے شکار کے چہرے پر کیا تاثرات
دکھائے تھے۔

قارئین! گویا میں نے دوزخ کی جھلک دیکھ
لی تھی۔ بعض تصویروں میں یہ بلائیں کسی کھلی کھڑکی
میں سے اندر کودتی ہوئی دکھائی دیں اور کہیں یہ
سوئے ہوئے لوگوں کے سینوں پر سوار ان کے
حلقوں پر اپنے تیز دانت اور مضبوط جبڑے آزما
رہی تھیں۔ آپ میری کیفیت محسوس کر کے دیکھیں
میں بچہ نہیں ہوں اور ایسی بہت سی تصاویر پہلے بھی
دیکھ چکا ہوں۔ جس چیز نے مجھے ڈرایا وہ یہ تھی کہ ہر
منحوس چہرہ، وحشت اور پاگل پن کے انداز میں میرا
مذاق اڑا رہا تھا اور وہ چہرے بالکل زندہ اور سانس
لیتے معلوم ہوتے تھے۔ مجھے یہی معلوم ہوا کہ یہ
بلائیں زندہ ہیں اور آسٹر کے برش نے ان لعنتی
بلاؤں کے عکس کو رنگوں اور خطوط میں سمو دیا ہے۔

ایک تصویر کا عنوان تھا ''سبق'' اسے دیکھنا
بھی شاید گناہ تھا۔ ذرا تصور کریں کہ قبرستان میں
بوسیدہ قبروں کے درمیان ان بے نام منحوس شکل
بلاؤں کا ایک گروہ حلقہ بنائے بیٹھا تھا اور ایک
معصوم صورت انسانی بچے کو اپنی مکروہ خوراک
کھانے کی تربیت دے رہا تھا۔ اس تصویر میں بتایا
گیا تھا کہ انسانی بچے کس طرح سے ان ہیبت ناک
استادوں کے زیر سایہ پلتے ہیں۔ پھر میں نے ان
سب بلاؤں کے چہروں پر نظر ڈالی۔ ان میں سے
بعض کا انسانی چہروں سے، مقابلہ کیا ان میں حیرت
انگیز مشابہت تھی۔ نہ جانے آسٹر کیا ظاہر کرنا چاہتا
تھا۔ غالباً وہ سب بلائیں کسی زمانے میں انسان
ہوں۔ مگر صدیوں کی زیر زمین رہائش اور انسانی
لاشوں کی اس خوفناک خوراک نے ان کی موجودہ
نسل کو مسخ کر دیا تھا۔ یہ عفریتیں ہم فانی انسانوں کا
معکوس ارتقاء تھیں۔

میرا ذہن شیاطین کے ان بچوں کی طرف
سوچنے لگا جنہیں وہ انسانوں کے درمیان چھوڑ جاتی
ہیں اور اسکے ساتھ ہی میری نظر ایک تصویر پر پڑی
جس میں شاید آسٹر نے میرے ذہن میں اٹھتے
سوال کا جواب دیا تھا۔ ایک کمرے میں جو سترھویں
صدی کے سامان سے آراستہ تھا رات کے کھانے
کے بعد ایک کنبہ دکھایا گیا تھا۔ بچے حلقہ بنائے باپ
کے گرد بیٹھے تھے اور باپ انہیں مذہب کی کتاب سنا
رہا تھا۔ سب بچوں کے چہروں سے عزت و احترام
اور توجہ ظاہر ہو رہی تھی مگر ایک کے چہرے پر
ہولناک باغیانہ مسکراہٹ تھی جیسے کوئی دوزخی روح
تن کر فرشتوں کے سامنے آنے کی کوشش کرے۔ یہ
بچہ اس شخص کا بیٹا معلوم ہوتا تھا۔ حالانکہ صاف ظاہر
ہوتا تھا کہ انسانی شکل میں شیطان ہے۔ آسٹر کی
شرارت دیکھیں کہ اس بچے کی شکل اس کی اپنی شکل
سے حیرت انگیز حد تک مشابہ تھی۔

میں یہ تصاویر دیکھ ہی رہا تھا کہ آسٹر نے مجھے
ایک کمرے میں روشنی جلاتے ہوئے بلایا اور بڑے
فخر سے بولا: اس کمرے میں کچھ جدید تصاویر ہیں۔
ابھی تک میں نے اس سے پہلی تصویروں کے متعلق

کچھ نہیں کہا تھا۔ تاہم وہ میرے چہرے کے تاثرات کا بخوبی اندازہ کرسکتا تھا اور اپنے فن پر بڑا ناراں نظر آرہا تھا۔ قارئین! میں کوئی ڈرپوک آدمی نہیں جو ذرا ذرا سی بات پر چیخنے لگوں میرا تعلق ایک فوجیوں کے خاندان سے ہے یہ الگ بات ہے کہ مصوری کی وجہ سے میں فوج میں نہیں جاسکا۔

مگر دوسرے کمرے میں نظر ڈالتے ہی میری چیخ نکل گئی اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لئے مجھے دروازے کا سہارا لینا پڑا۔ پچھلے کمرے کی تصاویر ان شیاطین اور بدروحوں کی کہانیاں سناتی تھیں جو ہمارے آباؤ اجداد کے زمانے میں رہی ہوں گی مگر اس کمرے نے ان عفریتوں کو ہمارے زمانے میں لا پھینکا۔

آسٹر کے ہاتھ میں کیا کمال تھا یہ خوفناک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خاص کشش رکھتا تھا۔ ایک تصویر کا عنوان تھا ''زمین دوز ریل کا حادثہ''۔ اس میں انہی منحوس شیطانوں کا ٹولہ ایک کھلے گٹر میں سے نکل کر حادثے میں مرتے ہوئے اور زخمی لوگوں کو کھاتا ہوا دکھایا گیا۔ کسی تصویر میں ''آزادی کے مجسمہ'' پر یہ ناچتے ہوئے چڑھتے دکھائی دیئے۔ بقیہ تصاویر میں مکانوں کے اندر کے مناظر تھے۔ دیوار کی کسی طرف کمرے کے کسی تاریک گوشے میں اور سیڑھیوں کے نیچے یہ بلائیں زندہ انسانوں کی تاک میں بیٹھی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد جب میں اس کمرے کی تصاویر سے کچھ مانوس ہوا تو اپنے اس خوف و دہشت کا تجزیہ شروع کیا جو ان تصاویر کے ردعمل کے طور پر محسوس ہوا تھا۔ پہلا خیال یہ تھا کہ ان تصاویر سے میری کراہت اس وجہ سے ہے کہ شاید ان سے مصور کی بے رحم، غیر انسانی اور خبیث ذہن کا پتہ چلتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے اسے نوع انسانی سے کوئی بیر ہے جس کا بدلہ وہ ایسی تصاویر بنا کر لے رہا ہے دوسرا نظریہ یہ تھا کہ تصاویر میں پوشیدہ خوف اور دہشت مصور کی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اس نے واقعی دیکھنے والے کو خوفزدہ ہونے پر مجبور کیا ہے اور اسکے فن میں متاثر کرنے کی اچھی خاصیت ہے۔ ان تصویروں کو دیکھنے سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ گوشت پوست کے سانس لیتے شیاطین سامنے ہی کھڑے ہیں۔ عجیب بات یہ تھی کہ ان تصاویر کا کوئی ماڈل عام تصاویر کی طرح دھندلایا ہوا نہیں تھا۔ ہر چیز ہر تفصیل صاف نظر آتی تھی۔

آسٹر کا سٹوڈیو اس کمرے کے نیچے تھا۔ سیڑھیوں سے نیچے اترتے ہوئے میں نے اپنے آپ کو مزید خوف و دہشت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کیا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے میں نے دائیں طرف خلا میں ٹارچ کی روشنی ڈالی تو میں نے دیکھا۔ وہاں ایک کنواں ہے میں نے آسٹر کو اس کنویں کے متعلق بات کرتے سنا تھا۔ آسٹر نے مجھے بتایا کہ یہ کنواں زیر زمین سرنگوں کے جال کا ایک راستہ ہے لکڑی کا ایک ڈھکنا اس کو بند کرنے کے لئے ساتھ ہی رکھا ہوا تھا۔

بہر حال ہم آخر اسکے سٹوڈیو میں پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر اس نے لیمپ جلایا۔ دیواروں پر آویزاں نامکمل تصاویر ویسی ہی دہشت ناک تھیں جیسا میں اوپر دیکھ آیا تھا۔ انتہائی محنت اور احتیاط سے بنائے گئے منظر اور ان کے پس منظر اور پنسل سے کھینچے گئے خطوط جہاں بعد ازاں رنگ بھرا جانا تھا۔ آسٹر کے فن اور مہارت پر دلالت کرتے تھے۔ بلاشبہ وہ ایک غیر معمولی مصور تھا اس کے متعلق جان لینے کے باوجود میں کہوں گا کہ کوئی بے وقوف ہی اس کے فن سے انکار کرسکتا ہے۔ میز پر ایک بڑے سائز کا کیمرہ رکھا ہوا تھا۔ آسٹر نے بتایا کہ تصویر کا

پس منظر لینے کے لئے میں کسی مناسب ماحول اور جگہ کا فوٹو استعمال کرتا ہوں اس طرح مجھے اپنی ساری چیزیں باہر نہیں لے کر جانا پڑتیں۔

اردگرد نامکمل سکیچ اور نامکمل تصاویر میں خوف اور دہشت کے احساس کو ابھارنے کے لئے وہی اذیت اور وہی طاقت استعمال کی گئی تھی جس سے میں بالائی کمرے میں روشناس ہوا تھا۔ جب آسٹر نے ایک بڑی سی تصویر پر سے پردہ اٹھایا تو میں زبردست کوشش کے باوجود اپنی چیخ نہ روک سکا۔ اس روز یہ میری دوسری چیخ تھی۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس تصویر میں تصور اور خواب کا عنصر کس قدر تھا اور حقیقت کتنی...... مگر یقیناً کوئی فانی انسان اس قدر خوفناک اور دل دہلا دینے والا موضوع نہیں سوچ سکتا۔ یہ ایک دیو پیکر بلا تھی آنکھیں روشن اور سرخ تھیں تیز استخوانی پنجوں میں اس نے کوئی چیز پکڑ رکھی تھی جو کبھی انسان ہوگی۔ بلا اس کا سر یوں چبا رہی تھی جیسے کوئی بچہ لولی پاپ کو چباتا ہے اس بلا کا انداز ایسا تھا جیسے ابھی اس کو چھوڑ کر مجھے دبوچ لے گی۔ میں نے آج تک زندگی سے بھرپور ایسی کوئی تصویر نہیں دیکھی ایسا لگتا تھا کہ جیسے سانس لیتی ہوئی کوئی چیز کینوس سے چمٹی ہو۔ وہ بلا اس کام میں مصروف میری طرف دیکھ رہی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اصل کو دیکھے بغیر ایسی چیز کا پہلے تصور اور پھر اسے ہو بہو کینوس پر ابھارنا کیسے ممکن ہے۔ کینوس کے کونے پر ایک مڑا تڑا کاغذ پڑا تھا میں نے چپکے سے اٹھا لیا اور سوچا باہر نکل گیا تو اس کو دیکھوں گا۔ میں نے مڑ کر دیکھا آسٹر نہ جانے کان لگائے کیا سننے میں محو تھا۔ اب وہ بھی خوفزدہ نظر آ رہا تھا مگر اس کی کیفیت مجھ سے مختلف تھی۔ جیب سے پستول نکال کر اس نے مجھے چپ رہنے کا کہا اور خود سٹوڈیو سے باہر چلا گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ شاید میرے اعصاب ضرورت سے زیادہ تیز ہوتے جا رہے تھے۔ کیونکہ میں نے آسٹر کی نقل کی اور اپنی سماعت پر زور دینا شروع کیا اور میں نے محسوس کیا کہ میں دبی دبی سی آوازیں سن رہا ہوں۔ پھر کہیں دور سے چیخنے اور عجیب سی شیطانی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ پھر قدموں کی چاپ اور پھر دیواروں کو کھرچنے کی آوازیں اور کچھ ایسی جو میں بیان نہیں کر سکتا۔ پھر لکڑی کے پھٹے پر پتھروں کی آواز آئی اب آوازیں بلند ہوگئی تھیں۔ اب مجھے آسٹر کی آواز سنائی دی وہ کسی کو گالیاں دے رہا تھا پھر یکے بعد دیگرے چھ فائر ہوئے اور چند ہی لمحوں بعد آسٹر دروازہ کھول کر آ گیا وہ کسی کو کوس رہا تھا۔

میرے پوچھنے پر کہا کہ یہاں نامراد چوہے ہیں نہ جانے کیا کھا کر زندہ ہیں یہ سرنگیں، قبرستان میں سمندر میں اور نہ جانے کہاں کہاں جا نکلتے ہیں۔ آج شاید وہ بھوکے تھے اس لئے ادھر آ نکلے اور میرے خیال میں تمہاری چیخ نے انہیں تمہاری طرف متوجہ کر لیا۔ میں آسٹر کی بات سے مطمئن نہ ہوا خیر میں نے اس کا سارا گھر دیکھا اور پھر مجھے وہ چھوڑنے کے لئے باہر آیا۔ میں نے اسے کہا کہ یہ سب کچھ ناقابل بیان ہے۔ آسٹر بولا کہ اسی وجہ سے آج تک میں نے اپنا سٹوڈیو کسی کو نہیں دکھایا۔ میں نے کہا کہ تم ایسا تصور کیسے کر لیتے ہو تو اس نے کہا کہ قدرتی حادثات اور ناگہانی آفات میری مدد کرتے ہیں۔ میں اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ بیری سٹریٹ تک کا فاصلہ خاموشی سے طے ہوا وہاں سے میں نے ٹیکسی لی اور اپنے فلیٹ میں آ گیا۔ جو مین ہیٹن کے علاقے میں تھا۔ اس رات میں آرام سے نہ ہو سکا۔ تقریباً ایک ہفتے تک مجھے آسٹر نظر نہ آیا جو تصاویر میں نے آسٹر کے سٹوڈیو میں دیکھیں تھیں اگر انہیں کوئی آرٹ کلب والے یا کوئی اور دیکھ لیں تو اسے

گھر میں بھی نہ گھسنے دیں۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ
جو کاغذ میں نے آسٹر کے سٹوڈیو سے نکالا تھا وہ میں
نے دیکھا ہی نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس میں کیا
تھا اس کاغذ پر کسی پس منظر کا فوٹو نہیں تھا بلکہ اس
منحوس بلا کا فوٹو تھا جو لاش کھانے میں مصروف تھی
جس کی تصویر آسٹر نے مجھے دکھائی تھی۔ آسٹر نہ
صرف اس بلا سے ملا تھا بلکہ اس نے خود اس بلا کا
فوٹو لیا تھا اور اس فوٹو میں بلا کے پیچھے خود آسٹر کے
اپنے سٹوڈیو کی فوٹو تھی۔
جیک ٹھیک ہی کہتا تھا کہ وہ انسان نہیں شاید
اس نے ممنوع حدود کو پھاند کر انسانی برادری میں
قدم رکھا تھا لیکن اب ان باتوں سے کیا حاصل اس
دن کے بعد میں نے آسٹر کو نہیں دیکھا۔ شاید وہ اپنی
دنیائے طلسمات میں واپس جا چکا ہے۔ اسکے بعد
میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا پھر 11 ستمبر کا واقعہ ہوا
اور بہت سے پاکستانیوں کی طرح مجھے بھی مجبوراً
امریکہ چھوڑ کر واپس اپنے ملک آنا پڑا۔ میں نے
واپس آ کر دوبارہ اس کا پتہ کرانا چاہا مگر بے سود۔
آرٹ کلب والے خوش تھے کہ چلو ان کی جان چھوٹی
ایسے شخص سے جو آرٹ کے نام پر لوگوں میں خوف و
ہراس پھیلا رہا تھا۔ مگر اس کی اصلیت سے صرف
میں واقف تھا کہ وہ حقیقت میں ایک اچھا مصور تھا۔

☆☆☆

انبیاء کرام کی ایجادات

صابن	حضرت صالح علیہ السلام
تیل	حضرت یوسف علیہ السلام
کشتی	حضرت نوح علیہ السلام
شیشہ	حضرت سلیمان علیہ السلام
زرہ بکتر	حضرت داؤد علیہ السلام
سوئی	حضرت ادریس علیہ السلام
کنگھی	حضرت ابراہیم علیہ السلام

مزمل عباس۔ اٹک

کچھ یادیں کچھ باتیں

☆ دل میں اترنے کیلئے سیڑھیوں کی نہیں بلکہ اچھے اخلاق کی ضرورت پڑتی ہے۔

☆ کسی کی تباہ حالی پر خوش نہیں ہونا چاہئے کیا پتہ کل زمانہ تیرے ساتھ بھی یہی سلوک کرے۔

☆ محبت کا ایک عمدہ پہلو یہ ہے کہ وہ فکر کی عادت ڈالتی ہے۔

☆ دل کی بھی ہزار آنکھیں ہوتی ہیں مگر محبوب کے عیبوں کو نہیں دیکھ سکتا۔

☆ یادیں ماضی کا حسن، مستقبل کا سرمایہ ہوتی ہیں۔

فدا کریم زاھد۔ مستوج

اقوال زریں

☆ ہر کام کے شروع کرنے سے پہلے اس کے انجام کے پہلوؤں کو سوچ لو۔

☆ زبان میں ہڈی نہیں ہوتی لیکن یہ ہڈی کو توڑ ڈالتی ہے۔

☆ احمق ہمیشہ وقت پوچھا کرتے ہیں جبکہ عاقل اپنا وقت آپ جانتے ہیں۔

☆ پھول خوبصورت، پاکیزہ اور خوشبودار سہی لیکن اس کی جڑ کیچڑ میں دبی ہوتی ہے۔

☆ دلیروں کے آنسو باہر نکل کر سوکھتے نہیں ہیں بلکہ درختوں کے رس کی طرح اندر رہ کر درخت کو سرسبز اور بارآور کرتے ہیں۔

احسان احمد۔ بھادر پور

☆☆☆

موتی مالا
شاہ نواز احمد شانی
http://www.bookstube.net/
http://www.urdutube.net

تحریر: شاہ نواز احمد شانی

آثار قدیمہ کے ماہرین کی ایک ٹیم کچھ ریسرچ کی غرض سے اور کچھ دنیا کا عظیم عجوبہ شاہراہ قراقرم دیکھنے کی غرض سے سفر پر روانہ ہوئی۔ راستے کی مشکلات کا تو مت پوچھئے اس ٹیم پر ہر موڑ پر نئے نئے انکشافات ہوئے۔ ان میں سے ایک عجیب وغریب حیرت انگیز اور سکتے میں ڈال دینے والا انکشاف شاہراہ پر تودا گرنے کے بعد ہوا۔ تودے کے ملبے سے راستہ بند ہو گیا تھا۔ فوراً ہی تودہ ہٹانے والی ٹیمیں پہنچ گئیں۔ آثار قدیمہ کے ماہرین کو تودے میں چمڑے کی کوئی چیز ملی جس پر سونے کے ٹانکے اور موتی لگے ہوئے تھے۔ اس چیز کو وہ کوئی نام نہیں دے پا رہے تھے یہ چیز ان کی سمجھ سے ہی باہر تھی۔ اس چیز کو دیکھ کر ان کیلئے تحقیق کے نئے باب کھل گئے۔

انہوں نے سرد ہوا اور موسم کی خرابی کو بالائے طاقت رکھتے ہوئے پہاڑ کا جائزہ لینا شروع کیا جس پہاڑ سے یہ تودہ گرا تھا اچانک انہیں حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں انہیں برف کے بلاک میں ایک انسانی شکل نظر آئی جو آج کل کے عام انسانوں سے کچھ حد تک مختلف تھی۔ گہرے نقوش موٹا ناک، لمبے گھنگھریالے بال اور سوت اور چمڑے کا سوٹ ایک قیمتی موتی مالا جو گلے میں لٹک رہی تھی ہاتھ میں سونے کا کنگن، وہ کسی عظیم مصور کا جیتا جاگتا شاہکار نظر آ رہی تھی۔ وہ کوئی تقریباً پچیس برس کی عمر کا نوجوان نظر آ رہا تھا۔ آثار قدیمہ کے ماہرین اس برف کے بلاک کو اپنے ساتھ گلگت سے چند میل کے فاصلے پر اپنے کیمپ لے گئے اور ایک خاص کمرہ بنوایا۔ انہیں اس بات کا احساس ہو چکا تھا کہ وہ شاید کوئی عظیم کارنامہ سرانجام دینے جا رہے ہیں۔ آثار قدیمہ کی ساری ٹیم بڑھ چڑھ کر اس کام میں حصہ لے رہی تھی۔ یہ ٹیم سات ماہرین پر مشتمل تھی اور این جی نارتھن اس ٹیم کے سربراہ تھے۔ وہ سب اس راز کو جاننے کیلئے بے تاب تھے کمرے میں مخصوص درجہ حرارت کے ساتھ اس برف کے بلاک کو رکھ دیا گیا۔

سر نارتھن: ہیلو ہیلو! یہ شاہراہ قراقرم سے کال آئی تھی۔

سر نارتھن ہمیں چند زندہ یا مردہ انسان برف کے بلاکوں میں نظر آئے ہیں آپ فوراً پہنچیں...... ہیلو ہیلو!

ہیلو ہیلو! سر نارتھن نے کہا لیکن لائن کٹ چکی تھی۔ سر نارتھن فوراً اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ مطلوبہ جگہ پر پہنچا اور تین مزید بلاک لے کر اپنے کیمپ پہنچ گیا۔ ان تینوں بلاکوں کو بھی کمرہ خاص میں رکھ دیا گیا۔ ابھی اس کامیابی پر سبھی خوش نظر آ رہے تھے۔ جب ایک آدمی کا برف کا بلاک بالکل پگھل گیا تو اس کا جائزہ لیا گیا۔ وہ مردہ تھا۔ کچھ دیر کے بعد دوسرے آدمی کا بھی پتہ چل گیا کہ وہ مردہ ہے اب دو آدمی رہ گئے تھے۔ کمرہ کا درجہ حرارت کم کر کے سر ایمٹن اور جارجن کو اسلام آباد سے بلالیا گیا۔ پروفیسر ایمٹن اور ڈاکٹر جارجن نے دونوں بلاکوں کا جائزہ لینے کے بعد سر نارتھن کو خوش خبری سنائی کہ ان میں سے ایک زندہ ہے آثار قدیمہ کے ماہرین خوشی سے اچھلنے لگے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ اسی رات ایک آدمی کا جائزہ لیا تو وہ مردہ ثابت ہوا۔ آخری بلاک میں سر ایمٹن اور ڈاکٹر جارجن نے آدمی کے زندہ ہونے کا اعلان

کردیا اور اسے مزید تحقیق کیلئے اسلام آباد لے گئے۔ لیبارٹری میں اس کو رکھا گیا دو ماہ کی سخت محنت کے بعد وہ حرکت کے قابل ہوا اور اس نے آنکھیں کھولیں اسے خوراک کے انجکشن دیئے اب اس کا خون گردش کرنے لگا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ڈاکٹروں کو دیکھے جا رہا تھا۔ سر نارتھن، جارجن اور ایلٹن نے اس سے کئی سوالات کئے لیکن اس نے کسی کا جواب نہ دیا۔ اب وہ چل سکتا تھا۔ ہنزہ اور خدا آباد کے علاقے سے لوگوں کو بلایا گیا لیکن وہ بھی اس کی زبان نہ سمجھ سکے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ مر چکا ہے اور مرنے کے بعد اس جہان میں آ گیا ہے۔ ساری دنیا سے مختلف زبانوں کے ماہرین کو بلایا گیا لیکن کسی کو کچھ پتہ نہ چلا میڈیا میں بھی سر نارتھن کا بیان آ چکا تھا کہ ان کے نزدیک وہ کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دینے جا رہے ہیں۔

اس شخص کے عادات و اطوار سے ایسا لگتا تھا کہ شاید وہ بدھ مت کا پیروکار ہے۔ امریکہ سے ایک جہاز امریکہ لے جانے کیلئے بلایا گیا لیکن ہیلی کاپٹر پر جانے سے وہ ڈر رہا تھا۔ اسے رسیوں سے باندھ کر لے جایا گیا لیکن اس نے رسیاں توڑ دیں اور پانچ آدمیوں کو زخمی کر دیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ ہیلی کاپٹر اسے کھا جائے گا اس لئے وہ ڈر رہا تھا اور خوفناک چیخیں مار رہا تھا۔ اسے کسی طرح ہیلی کاپٹر میں بٹھا دیا گیا۔ اس نے ایک آدمی کو ہیلی کاپٹر سے نیچے گرا دیا۔ ہیلی کاپٹر پرواز کرتا ہوا جا رہا تھا اس کی چیخیں بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر اچانک اس کی آواز نحیف سے نحیف تر ہوتی گئی۔ اس کی نبض ڈوبنے لگی۔ ڈاکٹر جارجن نے چیخ کر کہا کہ ہیلی کاپٹر نیچے اتارو اسے کسی اور طریقے سے امریکہ لے جائیں گے۔ اس کی نبض ڈوب رہی ہے۔ اسے نیچے اتارا گیا۔ نیچے اس کی حالت سنبھل گئی۔ بلندی پر اس شخص کی شوگر بالکل ختم ہو گئی تھی اور اس کا خون خشک ہوتا جا رہا تھا۔ فیصل آباد میں اس کا علاج اور چیک اپ کرانے کے بعد اس کیلئے اونٹوں کے کاروان کا بندوبست کیا گیا اور کارواں کے ذریعے کراچی پہنچے اور مطلوبہ بحری جہاز کا انتظار کرنے لگے۔

کراچی پہنچنے کے بعد ساحل سمندر پر انہوں نے اپنا کیمپ لگا دیا۔ وہ شخص سمندر کا پانی دیکھ کر ہر وقت پانی کی طرف بھاگتا تھا۔ سر نارتھن نے پانی کیلئے اس کی بے تابی دیکھی تو اس کے ایک پاؤں میں مضبوط رسہ باندھا اور رسے کا دوسرا سرا لوہے کے مضبوط کھونٹے سے ساحل پر باندھ دیا اور اس کے ہاتھ کھول دیئے۔ سر نارتھن کے خیال میں وہ (ماروس موریہ) ٹھنڈے علاقے کا رہنے والا تھا اور گرمی کا موسم اس لئے ماروس موریہ نہانا چاہتا تھا۔ ماروس موریہ کے نام کا کسی کو علم نہیں تھا۔

ماروس موریہ ساحل سمندر پر نہانے لگا اور ڈبکیاں لگانے لگا اور وہ سر نارتھن اور اسکے ساتھیوں کو دیکھ کر شاید ہنس رہا تھا یا خوشی منا رہا تھا۔

ماروس موریہ ڈبکی لگائے کافی دیر تک پانی میں پڑا رہا۔ سر نارتھن کو خدشہ ہوا کہ کہیں اسے کچھ ہو نہ جائے پھر ماروس موریہ ہنستا ہوا سطح پر ظاہر ہوا۔ اس نے دوبارہ ڈبکی لگائی اب نارتھن کا خدشہ قدرے کم ہو چکا تھا۔ پھر اس نے تیسری ڈبکی لگائی اور جب وہ پانچ منٹ تک ظاہر نہ ہوا تو ساری ٹیم بھاگی کچھ نے رسہ کھینچا کچھ نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں لیکن ماروس موریہ کہیں نظر نہ آیا۔ رسے سے ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ انہوں نے قریبی پہاڑیوں میں ماروس موریہ کو ڈھونڈا لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا تو وہ اپنی مدد کیلئے پولیس کے پاس گئے۔ چار گھنٹے بعد پولیس آئی۔ نزدیکی پہاڑیوں اور ساحل پر دیکھنے

کے بعد پولیس نے شہر میں ناکہ بندی کر دی اور تلاشی شروع کر دی۔ سر نارتھن نے کہا کہ وہ ویرانہ زیادہ پسند کرتا ہے۔ اسی لئے وہ پہاڑوں میں ہوگا یا ساحل سمندر پر کھڑی کشتیوں میں ہوگا۔ پولیس نے سارا ساحلی علاقہ چھان مارا لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔

چند دنوں میں ماروس موریہ کی تلاش کیلئے ایک ٹیم کھوجی کتوں کے ساتھ پہنچ گئی۔ دو ماہ تک یہ تلاش جاری رہی لیکن ماروس موریہ کا کچھ پتہ نہ چلا۔ یہ خبر میڈیا میں آ چکی تھی کہ سر نارتھن کی ٹیم نے ایک کئی صدیوں قبل مسیح کے آدمی کو زندہ برفانی پہاڑی علاقے سے نکال لیا ہے۔ سائنس کے کرشموں میں اضافہ ہو چکا تھا۔ این جی نارتھن کی تحقیق رنگ لا رہی تھی ساری دنیا کی نظریں اس خبر پر جمی ہوئی تھیں۔ اب ماروس موریہ کھو چکا تھا نارتھن کسی بھی قیمت پر ماروس موریہ کو حاصل کرنا چاہتا تھا اس کے نزدیک یہ ایک بہت بڑا عجوبہ یا کارنامہ تھا۔ چھ ماہ بعد یہ معاملہ کچھ سرد پڑ چکا تھا۔

ماروس موریہ سمندر میں ڈبکی لگانے کے بعد رسی کاٹ کر پہاڑیوں میں چھپ گیا تھا اور ساحل سمندر کی پہاڑیوں میں سفر کرتا ہوا جا رہا تھا۔ وہ تین گھنٹے لگاتار بھاگتا رہا اس کے بعد تھک ہار کر گر پڑا۔ سڑک پر ایک ٹرک جا رہا تھا۔ ٹرک ڈرائیور نے دیکھا کہ ایک شخص سڑک سے کچھ دور پہاڑوں میں بے ہوش پڑا ہے تو وہ پانی لے کر آیا۔ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تو اسے ہوش آ گیا۔ یہ ماروس موریہ تھا۔

ٹرک ڈرائیور نے کہا تم یہاں کیا کر رہے ہو؟

ماروس نے کچھ جواب دیا۔

ٹرک ڈرائیور کی سمجھ میں ماروس کی زبان نہ آئی۔

ٹرک ڈرائیور نے کہا میرے ساتھ آؤ میں تمہیں آبادی کے قریب چھوڑ دوں گا۔ ماروس ڈرتے ڈرتے ٹرک پر بیٹھ گیا۔ ٹرک ڈرائیور کے خیال میں ماروس بھی ان لوگوں میں سے تھا جو چوری چھپے ایران کے راستے لانچ پر دوبئی جاتے ہیں۔ ڈرائیور نے ماروس کو ''مند بلو'' پہنچا دیا اور چلا گیا۔

ماروس موریہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا اس کے لئے نزدیک یہ دنیا جنت یا جہنم میں سے ایک تھی اور وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ کیا ہے۔ وہ ایک سمت قدم بڑھاتا ہوا جا رہا تھا۔ اسے احساس نہ تھا کہ وہ ایران کی سرحد میں داخل ہو چکا تھا۔ ایران میں ساحل سمندر پر کئی لانچیں دوبئی جانے کیلئے تیار کھڑی تھیں۔ وہ بھی ان لوگوں کے قریب کھڑا ہو گیا جو لانچوں میں بیٹھ رہے تھے۔ اس نے پاکستانی کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس کا قد بھی ساڑھے چھ فٹ سے اونچا تھا۔ ایک ٹیم کے رہبر نے کہا دوبئی جانا ہے اس نے سر ہلا دیا۔ اس نے کہا پیسے دو۔ اس نے موتی مالا اتار کر دے دی اس نے کہا یہ فقیروں والے موتی اپنے پاس رکھو یہ ہاتھ والا سونے کا کنگن دو۔ ورنہ دوبئی نہیں لے جاؤں گا۔ اس رہبر نے ماروس کے کنگن کو ہاتھ لگا کر کہا۔ ماروس نے وہ کنگن اسے دے دیا۔ ماروس ان لوگوں سے باتیں کرتا ان میں سے کوئی بھی اس کی باتیں نہیں سمجھتا تھا۔

لانچ عمان کے ساحل پر اتری تو سب لانچ سے باہر نکل گئے۔ فوج کی ایک ٹولی گشت کر رہی تھی انہوں نے دوربین کے ذریعے انہیں دیکھا اور گولیاں چلا دیں سارے لانچی بھاگے۔ ماروس بھی بھاگا۔ ماروس بھاگنے میں کافی تیز تھا اس لئے سب سے آگے تھا۔ دس آدمی گولیوں سے مارے گئے چار قید ہو گئے اور تین بچ نکلے جن میں سے ایک ماروس موریہ تھا۔ ماروس کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ اسے کس سمت

نے سارا ماجرا بیوی کو سنایا۔

پھر وہ بستر سے اٹھا ناشتہ کیا اور بابا جعفر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری حقیقت ان کے گوش گزار کر دی۔ انہوں نے کہا کہ تم نے جنات کا کام کیا مشکل میں تم نے ان کی مدد کی اور انہوں نے خوش ہو کر تمہیں یہ تھوڑا سا سونا عطا کیا تھا جسے تم نے ضائع کر دیا اور صرف ایک ٹکڑا تم نے اپنے پاس رکھا اور اب باقی کا سونا تمہیں نہیں مل سکتا۔ اور ہاں جنات کا سارا نظام سونے پر ہے وہ جب کوئی چیز خریدتے ہیں تو سونا دیتے ہیں اس لئے انہوں نے تمہیں سونا دیا تھا۔

پھر بابا جعفر شاہ نے نور دین کو ایک تعویز دیا اور کہا کہ اس تعویز کو پانی میں ملا کر پینا۔ پھر نور دین گھر آ گیا دوسرے دن وہ اس جگہ گیا جہاں اس نے کوئلے پھینکے تھے مگر اسے وہاں کچھ نہ ملا اور وہ واپس گھر آ گیا۔ اور سوچنے لگا کہ کاش اگر میں کوئلے نہ پھینکتا تو میرے حالات بدل جاتے مگر اب پچھتاوے کے سوا کچھ نہ تھا۔ قارئین کرام، آپ کو یہ واقعہ کیسا لگا اس قسم کا ایک واقعہ انگارہ بن گیا سونا امام الحق عرف خرم آف اٹک نے جنوری 2002ء کے شمارے میں لکھا تھا اور اس واقعہ سے ملتا جلتا واقعہ تحفہ ساجدہ یعقوب آف گھوٹکی نے لکھا تھا غالبًا 2003ء کے کسی شمارے میں شائع ہوا تھا یہ بھی ان دونوں واقعات سے کافی ملتا جلتا ہے لیکن حقیقت پر مبنی ہے۔ قارئین کرام یہ واقعہ آپ کو کیسا لگا آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

☆ رات کے دو بجے رہے تھے اہل، روبی اور عمر میرے سبھی بہن بھائی گہری نیند سو رہے تھے اور میں کل کے فزکس کے پیپر کی تیاری کر رہی تھی مگر یہ ٹپ ٹپ کی آواز آج پہلی مرتبہ میرے ساتھ ایسا ہو رہا تھا دل میں بھوتوں کے متعلق طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے رات کے دوسرے پہر کسی کو جگانا مناسب نہ سمجھا اور خوف کے سمندر میں غوطے لگاتے ہوئے فزکس کے اوراق پلٹنے لگی۔

وال کلاک نے ڈھائی ہونے کا اعلان کر دیا امتحانات میں عموماً میں رات بھر جاگتی تھی مگر آج رات اس آواز کے خوف نے مجھے تھوڑی دیر ستا لینے پر مجبور کیا اور میں بک ٹیبل پر رکھ کر بیڈ پر آ گئی ٹپ ٹپ کی آواز میرے سر پر ہتھوڑے برسا رہی تھی معاً ہی میرے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی اور اپنی بے وقوفی پر بے اختیار شرمندگی محسوس ہوئی یہ یقیناً باتھ روم کا نل کھلا رہ گیا ہے ہم کلامی کرتے ہوئے میں بیڈ سے اتری اور اٹیچ باتھ روم کی جانب بڑھنے لگی باتھ روم کا دروازہ کھولتے ہی میرا آگے بڑھایا ہوا قدم ہوا میں معلق رہ گیا باتھ روم کے تمام نل مضبوطی سے بند تھے پھر یہ آواز میں الجھ سی گئی۔ کیا تم محض اس آواز سے خوف کھا کر کل کے پیپر کی تیاری چھوڑ دو گی میرے شعور نے مجھے للکارا۔ رات کے چار ہو چکے تھے فجر کی اذانوں میں تھوڑا ہی ٹائم باقی تھا اور میں اس آواز کو مکمل طور نظر انداز کیے پڑھے جا رہی تھی اب فزکس کے آخر باب کو دہرانا باقی رہتا تھا یہ منحوس ٹپ ٹپ کی آواز ہاتھ منہ دھو کر میرے پیچھے پڑ چکی تھی بالآخر فجر کی اذانوں کا پر اور سلسلہ شروع ہوا فضا اللہ کی عظمت کے نعروں سے گونج اٹھی۔ ڈھیٹ قسم کی انجانی آواز اب بھی جاری تھی میری فزکس کی تیاری بڑے شاندار طریقے سے مکمل ہو چکی تھی مگر اس آواز نے اب بھی میرے باطن پر قبضہ جما رکھا تھا

اب معاملہ میری سمجھ میں آ گیا کیونکہ رات کو یہ کپ اہل کے ہاتھ سے چھٹا تھا میرا پیپر بہت زبردست ہو گیا تھا اگر خوف کے مارے میں پڑھنا چھوڑ دیتی تو میری فرسٹ ڈویژن کبھی نہ آتی۔

اور میں بچ گیا

تحریر: عمران عباس، بھکر

منظر نے جب پہلی بار اس کھنڈر نما کوٹھی میں قدم رکھا تو اس کے بدن میں جھرجھری سی پیدا ہو گئی تھی اور وہ خوف سے کانپنے لگا۔ بات ہی کچھ ایسی تھی رضوانہ نے اسے انٹرویو کے لئے بلایا تھا مگر اس وقت وہاں رضوانہ تو کیا کسی انسانی وجود کا دور دور تک کوئی پتہ نہ تھا اور تو اور اسے اس وقت کسی پرندے کی آہٹ بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ کوٹھی کے وسیع وعریض احاطے میں پیپل اور برگد کے علاوہ وہ ہمہ اقسام کے تناور درخت ساکت و جامد کھڑے تھے۔ کوٹھی دن کے اجالے میں بھی ایک خوفناک وحشت کا سامان پیش کر رہی تھی۔ وہ کوٹھی کے اندرونی دروازے پر کھڑا کسی کا منتظر تھا۔ اس لئے کہ اطلاعی گھنٹی بار بار بجانے کے باوجود ابھی تک کوئی نمودار نہیں ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر وہ کیا کرے۔ وہ کسی نتیجے تک پہنچے بغیر وہاں سے واپس نہیں آنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ بڑے عرصے کے بعد اس کو اپنی تقدیر بدلنے کا موقع ہاتھ آیا تھا اور وہ اس موقع کو اپنی ذرا سی سستی سے گنوا کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اپنی قسمت تاریکی کے عمیق گڑھے میں دفن نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ہمت کر کے ذرا آگے بڑھا اور دروازے کا جائزہ لینے کیلئے اس پر ہاتھ رکھا۔ قدیم طرز کے بنے ہوئے لکڑی کے اس دروازے کے دونوں پٹ ایک چرچراہٹ کے ساتھ کھل گئے۔ شاید اندر سے کنڈی وغیرہ نہیں لگی ہوئی تھی۔

تھوڑے سے توقف کے بعد وہ اندر داخل ہو گیا۔ اب وہ کوٹھی کی طویل راہداری میں کھڑا تھا۔ سامنے کی طرف ایک ہی قطار میں اسے بہت سے کمرے نظر آئے جن کے تمام دروازے بند تھے دیواروں پر پلستر جگہ جگہ اکھڑا ہوا تھا اور رنگ و روغن اپنی اصل شکل تبدیل کر کے انتہائی بھدے اور بدنما دکھائی دے رہے تھے۔ ڈائننگ ٹیبل پر منوں گرد اور مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی اور باورچی خانہ بھی لگ رہا تھا جیسے برسوں سے استعمال نہیں ہوا ہے۔ اس کے دروازے پر مکڑی نے جالے تان رکھے تھے وہ ذرا دیر کو چکرا سا گیا۔ اسے اندازہ ہوا کہ شاید وہ غلط جگہ پر آ گیا ہے۔ اس نے اپنی اوپری جیب سے پرچہ نکال کر دیکھا۔ ''کوٹھی نمبر 6'' پھر اس نے سڑک کے نام پر نگاہ ڈالی، کوٹھی کے بیرونی گیٹ کے سامنے والی سڑک کے نام پرچے پر لکھے ہوئے نام کے عین مطابق تھا۔ اچھی طرح تسلی کرنے کے بعد اس نے پرچہ دوبارہ واپس اپنی جیب میں رکھا گیا'' پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ کہیں رضوانہ نے اسے دھوکہ تو نہیں دیا لیکن پھر خیال آیا کہ وہ اسے دھوکا دے کر کیا کرے گی۔ اس سے تو اس کی نہ کوئی دشمنی تھی اور نہ کوئی دوستی، منظر کی حالت زار پر ترس کھا کر اس نے منظر کو نوکری کی پیشکش کی تھی اور وہ اسی غرض سے یہاں موجود تھا۔

وہ وہاں سے واپس جانے کیلئے پلٹا، اس نے پہلا قدم ہی اٹھایا تھا کہ اس کی پشت سے آواز آئی ......واپس جانے کی کوشش مت کرو، آئی ہوئی روزی کو ٹھوکر مارنا عقلمندی نہیں۔

اس کے قدم خود بخود رک گئے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا، ڈائننگ ٹیبل کے قریب ہی پڑے ہوئے ایک صوفے پر سفید لباس میں ملبوس ایک خوش شکل آدمی براجمان تھا اس آدمی کے وہاں اس اچانک وجود پر وہ ڈر سے کانپنے لگا۔ ذرو مت ......میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا۔ اس آدمی نے شاید اس کی کیفیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ منظر نے بدستور کانپتے ہوئے کہا

......وہ......وہ......رضوانہ......رضوانہ نہیں ہیں تو کیا ہوا......ان کی جگہ میں موجود ہوں۔ صوفے پر بیٹھا ہوا آدمی اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے بول پڑا۔ اب مزید تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری درخواست منظور کی جاتی ہے بس یوں سمجھو کہ آج بلکہ ابھی سے تم یہاں کے ملازم ہو۔ منظر نے خوش ہوتے ہوئے کہا، مگر مجھے کام کیا کرنا ہوگا؟

فی الحال تمہارا کام اس کوٹھی میں رہنا ہوگا یہ کام تو نہیں ہوا......منظر نے تعجب کا اظہار کیا۔ بس اپنے کام سے کام رکھو۔ اس آدمی کی گرجدار آواز کی بازگشت سنائی دی۔

لیکن تنخواہ......؟ تنخواہ تمہاری توقع سے کہیں زیادہ ہوگی، اب جاؤ جا کر آرام کرو، وہ سامنے والا کمرہ تمہارے لئے ہے منظر اپنے حق میں یہ فیصلہ پا کر حیرت میں ڈوب گیا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ قسمت اس پر اتنا مہربان بھی ہوسکتی ہے۔ کل تک جو ایک روٹی کیلئے دوسروں کا محتاج تھا وہ آج اپنے پیروں پر کھڑا ہوگیا تھا۔ یہ کامیابی اس کے لئے سب سے بڑی معراج تھی۔ وہ بڑا خوش تھا کہ اب اس کی مفلسی کے دن جلد دور ہو جائیں گے اور وہ گاؤں میں مقیم اپنے بال بچوں کی بھی مالی طور پر خبر گیری کر سکے گا جن کی خاطر وہ شہر میں بے شمار لوگوں کی طرح پیسے کمانے کی غرض سے آیا تھا......منظر کو ابھی تک وہیں کھڑا دیکھ کر صوبے پر بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا، جاؤ یہاں کھڑے کیا سوچ رہے ہو......؟ اور ہاں، یہاں کھوج لگانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ منظر اس آواز پر سوچ کے دائرے سے باہر نکل آیا اور اس آدمی کے حکم کی تعمیل میں اپنے کمرے کی جانب روانہ ہوگیا جو کچن کی مخالف سمت میں واقع تھا۔ اپنے لئے مخصوص کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے ایک عجیب نقشہ نظر آیا۔ کمرے کی تزئین و آرائش سے اس کی آنکھیں جیسے کھل گئیں۔

اتنا اچھا بیڈ روم تو اسے خواب میں بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ جتنی پرانی وہ عمارت تھی کمرے کا ساز و سامان اتنا ہی نیا تھا۔ کمرے کے کونے میں ایک صاف و شفاف بیڈ بچھا ہوا تھا۔ بیڈ کے قریب ہی ایک چھوٹی سی خوبصورت میز تھی جس پر ایک ٹیبل لیمپ رکھا ہوا تھا۔ میز کے ساتھ ہی بیڈ روم فرج رکھا تھا اور فرج سے ذرا فاصلے پر ایک آرام دہ صوفہ سیٹ پڑا ہوا تھا۔ کمرے کے اندر دروازے کے قریب اسے ایک اور دروازہ نظر آیا۔ اس نے پر تجسس انداز میں وہ کھولا یہ اٹیچڈ باتھ روم تھا......

اس کے اندر ایک بیسن اور بیسن کے اوپر دیوار میں ایک خوبصورت سا آئینہ نصب تھا۔ ہر طرف کا جائزہ لینے کے بعد اس نے فرج کھولا اس میں انواع و اقسام کے پھل اور مٹھائیاں رکھی تھیں۔ اس نے خوب سیر ہو کر کھایا پھر بیڈ پر آکر بیٹھ گیا۔ وہ بڑا مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ ایسی عجیب و غریب نوکری اس نے کہیں نہیں دیکھی تھی۔ وہ بڑا حیران تھا معاً اس کے کانوں میں اس آدمی کی آواز گونجی۔ یہاں کچھ کھوج لگانے کی کوشش مت کرنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ بھلا اسے کھوج لگانے کی کیا پڑی ہے اسے تو آم کھانے سے غرض ہے گٹھلیاں گننے سے کیا کام......؟ منظر نے اپنے دل میں خیال کیا اور پھر نرم و گداز بیڈ پر دراز ہونے کے بعد اپنے خوشگوار مستقبل کے خواب دیکھنے لگا۔

یہ سب اسے رضوانہ کی وجہ سے نصیب ہوا تھا جو اسے فرشتہ بن کر ملی تھی مگر اسے راستہ بتا کر خود نجانے کہاں کھو گئی تھی۔ آج کوٹھی میں منظر کی پہلی رات تھی۔ شام ہوتے ہی وحشتوں کے سائے اس کے اردگرد منڈلانے لگے طرح طرح کی خوفناک انسانی آوازوں کی بازگشت اس کی سماعت سے ٹکرا

رہی تھی۔ ساری کوٹھی میں اندھیروں کا راج تھا۔ اس نے کمرے کا بلب روشن کیا لیکن روشنی فضا پر ایک ہیبت ناک تاثر چھوڑ رہی تھی۔ اس نے گھبرا کر بلب آف کر دیا اور کمرے کے احاطے کی طرف کھلنے والی کھڑکی کا پٹ کھول کر چاند کی روشنی کا سہارا لینا چاہا، مگر باہر بھی گھپ اندھیرا تھا۔ اس نے کھڑکی کا پٹ بند کر دیا۔ کمرے کی مہیب تاریکی میں خاموشی کی فضا طاری تھی۔ جب ہر طرف تاریکی کا راج ہو اور تنہائی کا دور دورہ ہو تو خاموشی خوف و دہشت کی زبان بن کر آواز دینے لگتی ہے۔ منظر بھی انہی آوازوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس نے بے چین ہو کر اپنے کمرے کا دروازہ کھولا۔ راہداری میں ایک عجیب سماں تھا اسے ایسا لگا جیسے کمروں میں بہت سے لوگ چل پھر رہے ہوں۔ ادھر ادھر آ جا رہے ہوں اور سرگوشی کے انداز میں ایک دوسرے سے بات چیت کر رہے ہوں۔ اسے تمام کمرے ایک بھیڑ کی صورت میں لوگوں سے بھرے ہوئے لگ رہے تھے۔ ان کی نقل و حرکت کے احساس ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ لوگ کسی کام میں مصروف ہوں۔

منظر نے اپنا پورا دھیان لگا کر بہت کوشش کی لیکن وہ کسی قسم کا کوئی اندازہ کرنے سے قاصر رہا ہر چیز بدستور اپنی جگہ قائم تھی۔ کمروں کے دروازے اسی طرح مقفل تھے جس طرح دن میں دیکھا تھا آخر کار انتہائی کشش و پنج کے بعد اس نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ بیڈ پر لیٹ کر اس نے اپنے اوپر کمبل تانا ہی تھا کہ باہر کوٹھی کے احاطے میں ایک زبردست دھماکہ سنائی دیا۔ آواز کے ساتھ ہی اس کے کمرے کے در و دیوار ہلنے لگے اور کمرے کی خستہ دیواروں اور اس کی چھت سے باریک باریک بجری جھڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے کھڑکی کی درزا سے جھانک کر دیکھا۔ کوٹھی کے اندر باہری گیٹ کے پاس ایک ہیوی ٹرک کھڑا تھا اور غالباً اس کا ٹائر برسٹ ہوا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ وہم بھی کیا چیز ہوتی ہے۔ پراسرار ماحول میں اسے ٹائر کے پھٹنے کی آواز بھی پراسرار محسوس ہوئی تھی۔ اس نے قدرے ہمت پکڑی اور دوبارہ بیڈ پر کمبل تان کر لیٹ گیا اور صبح ہونے کا شدت سے انتظار کرنے لگا۔ ایسی حالت میں نیند اسے کیا خاک آتی۔ ساری رات یونہی وہ کروٹیں بدلتا رہا۔ کبھی کبھی کسی آہٹ پر چونک کر وہ ہوشیار ہو جاتا اور آنکھیں پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگتا۔

سپیدہ سحری نمودار ہوتے ہی وہ بستر سے اٹھ بیٹھا۔ اسے بھوک بڑی طرح ستا رہی تھی اس لئے کہ رات کو اس نے فرج میں رکھے ہوئے صرف پھلوں اور مٹھائیوں پر اکتفا کیا اس نے راہداری سے نکل کر ادھر ادھر نگاہ ڈالی۔ سناٹا حسب معمول چھایا ہوا تھا۔ سارے ماحول پر طاری ویرانی اسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہی تھی۔ سوائے اس کے وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ دوبارہ اپنے کمرے میں داخل ہو کر فرج کی طرف بڑھا تا کہ کھانے پینے کی کوئی چیز میسر آ سکے کہ اچانک اس کی نگاہ ساتھ میں رکھی ہوئی میز کے اوپر پڑے ہوئے ایک لال رنگ کے لفافے پر گئی۔ اس لفافے کے کونے پر لکھا ہوا اس کا نام نمایاں طور پر نظر آ رہا تھا اور لفافے کے درمیان میں جو عبارت لکھی تھی وہ بھی صاف اور واضح تھی ماہانہ تنخواہ پیشگی'' بڑی بے چینی سے منظر نے لفافہ اٹھا کر چاک کیا اور اس میں سے برآمد ہونے والی رقم کی بڑی توجہ سے گنتی کی۔ واقعی تنخواہ اس کی توقع سے کہیں زیادہ تھی۔ یعنی وہ جتنی رقم کی آس لگائے بیٹھا تھا لفافے میں رکھی ہوئی رقم اس سے دوگنی تھی۔ اتنی بڑی رقم دیکھ کر اس نے یہ بھی تجسس نہیں کیا کہ یہ لفافہ یہاں آیا کہاں سے اور رکھا کس نے ہے۔

بہر حال صورت حال کسی بھی ہو، اس کا انٹرویو لینے والے آدمی نے اپنا قول پورا کیا تھا۔ پیسے میں مگن ہو کر منظر نے رات کا سارا واقعہ بھی بھلا دیا تھا اور وہ اپنے اندر ایک نئی امنگ اور نیا حوصلہ محسوس کر رہا تھا۔ اس وقت اسے اپنے بال بچے بڑے یاد آئے جو ایک دور گاؤں میں بڑی مشکل سی زندگی گزار رہے تھے۔ وہ یہ رقم لے کر سیدھا ڈاکخانے پہنچا اور آدھے سے زیادہ پیسے گاؤں میں اپنے بال بچوں کو منی آرڈر کر دیئے اور باقی اپنے لئے بچا کر رکھ لئے پھر وہاں سے وہ ایک ہوٹل میں آیا اور خوب شکم سیر ہو کر کھانے کے بعد دوبارہ کوٹھی کی راہ اختیار کی۔

کوٹھی میں داخل ہوتے ہی منظر کو ایک نیا نظارہ دیکھنے کو ملا راہداری میں بچھی ہوئی ڈائننگ ٹیبل پر سفید و شفاف لباس میں ملبوس بارہ آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور بڑی خاموشی سے اپنے اپنے سامنے رکھے ہوئے انواع واقسام کے کھانے نوش جان کر رہے تھے۔ سامنے ہی باورچی خانے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس کے اندر ایک باورچی کک کھڑا اپنے کام میں مصروف تھا۔ منظر کو یہ سب کچھ دیکھ کر حیرت بھی ہو رہی تھی اور خوشی بھی۔

حیرت اس لئے کہ یہ آدمی اچانک آئے کہاں سے اور خوشی اس بات کی کہ یہاں انسانوں کا وجود تو نظر آیا۔ یہ بات اس کے دل میں ایک سوال بن کر مسلسل کھٹک رہی تھی کہ آخر یہ لوگ کوٹھی کے کس حصے میں آباد ہیں جبکہ سارے کمرے تو اس انداز سے بند پڑے ہیں جیسے کبھی یہاں کسی کا کوئی گزر تک نہ ہوا ہو۔ منظر چند لمحے وہیں کھڑا رہا کہ ان میں سے کوئی اس کی طرف دیکھے تو وہ ان کے بارے میں کچھ دریافت کرے لیکن کسی نے بھی اس کے وہاں کھڑے ہونے پر کسی قسم کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا۔ وہ لوگ ایک مشینی انداز میں کھانا تناول کرنے میں مصروف تھے جیسے روبوٹ...... پھر منظر نے سوچا کہ وہ خود ہی آگے بڑھ کر کسی کو مخاطب کرے مگر غیر محسوس طور پر اسے یہ جرات نہ ہو سکی۔ وہ اپنے کمرے میں آیا اور دروازہ کھول کر ان آدمیوں کی طرف رخ کر کے ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے لگا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر یہ لوگ کھانے کے بعد اٹھ کر کہاں جاتے ہیں اسی لیے وہ انہیں ایک ٹک تک رہا تھا۔ وہ ایک لمحہ بھی انہیں اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں رکھنا چاہتا تھا...... اچانک کسی آواز پر اسے اپنی توجہ اپنی پشت کی جانب مبذول کرنی پڑی۔

خستہ چھت کے پلستر کا ایک ٹکڑا اس کے بیڈ پر آ کر گرا تھا۔ غیر ارادی طور پر وہ اٹھ کر اپنے بیڈ کی طرف آیا اور پلستر کے اس چھوٹے سے ٹکڑے اور اس کے ساتھ گری ہوئی بجری کو ہٹا کر بیڈ شیٹ کو صاف کرنے لگا اور یہ بالکل بھول گیا کہ کس کے لئے کرسی ڈال کر کمرے کے دروازے پر بیٹھا تھا۔ معاً اپنا مقصد پیش نظر آتے ہی سب چھوڑ چھاڑ کر وہ دروازے کی جانب بڑھا اور بڑی فکر مندی سے ڈائننگ ٹیبل کی طرف نگاہ دوڑائی لیکن وہاں اسے اب کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سارا منظر پہلے پہلے کی طرح تبدیل ہو چکا تھا۔ اس نے باورچی خانے کو دیکھا وہ حسب معمول بند نظر آیا۔ منظر ہاتھ مل کر رہ گیا۔ اس کی ذرا سی بے توجہی سے اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ اب یہ روز کا معمول بن گیا تھا۔ صبح دس ساڑھے دس بجے ڈائننگ ٹیبل پر ان بارہ آدمیوں کی آمد ہوتی اور کچن بھی اس وقت کھلا ہوتا، پھر یہ لوگ وقت مقررہ کے بعد وہاں سے غائب ہو جاتے۔ اس دوران اگر منظر ان کے قریب ان کے بارے میں معلوم کرنے کی غرض سے جاتا تو ان میں

سے کوئی بھی اس کی طرف توجہ نہ دیتا اور نہ ہی منظر ان سے مخاطب ہونے کی جرات کر پاتا۔

ان کے وہاں سے اٹھ کر جاتے ہوئے دیکھنے کا سوال تو اچانک منظر کے ساتھ کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ رونما ہو جاتا جس سے اس کی توجہ لامحالہ اس جانب مبذول ہو جاتی اور اس لیے وہ لوگ وہاں سے غائب ہو جاتے۔ وہ بڑا پریشان تھا کہ آخر یہ کون لوگ ہیں؟ انہیں زمین نگل جاتی ہے یا آسمان کھا جاتا ہے کچھ پتہ ہی نہیں چل پاتا۔ اس طرح منظر کو ہفتہ گزر گیا وہ سارا دن بیکار اپنے کمرے میں پڑا رہتا یا کوٹھی کے باہر ویرانے میں چہل قدمی کر لیا کرتا۔ پھر کھانے کے وقت قریبی ہوٹل میں چلا جاتا۔ دن تو کسی نہ کسی طرح گزر جاتا مگر رات اس سے کاٹے نہیں کٹتی تھی۔ اگر کوئی دوست یاری ہوتی تو کم از کم کچھ وقت ان کے ساتھ بیٹھ کر خوش گپیوں میں گزر جاتا مگر وہاں تو اسے ایسا کوئی ماحول ہی نظر نہیں آیا۔ پوش علاقوں میں تو پڑوسی پڑوسی سے بے خبر رہتا ہے مگر یہ پوش علاقہ تو اس معاملے میں شاید سب سے زیادہ نمبر لے گیا تھا اور یہ بات اس نے شدت سے نوٹ کی تھی کہ پاس پڑوس کی کوٹھیوں کے مکین تو کبھی کبھار ایک دوسرے سے موقعہ بے موقعہ مل بھی لیتے تھے مگر اس کوٹھی کی طرف کوئی نہ آتا۔

اور یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کرتا کہ اس کوٹھی میں کون ہے کون نہیں؟ اور تو اور کوئی راہگیر بھی اگر وہاں سے گزرتا تو دس بیس قدم دور ہی سے گزرتا ...... تنہائی کی وجہ سے منظر کو اس کوٹھی میں ایک ہفتہ ایک صدی کے برابر لگ رہا تھا۔ قرب و جوار میں اسے کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا جو اس کا دوست بن کر اس کی تنہائی کا درد بانٹ سکے۔ تلاش و بسیار کے بعد جب اس نے غور کیا تو اپنی کوٹھی کے دائیں جانب دو کوٹھیوں کے بعد ایک میجر کی کوٹھی نظر آئی اس کوٹھی کے چوکیدار نے گیٹ کے باہر دیوار کے ساتھ ایک چھپر سا ڈال کر اس کے نیچے اٹھنے بیٹھنے کی جگہ بنا رکھی تھی رات کو قریبی کوٹھیوں کے سرونٹ کوارٹرز میں رہائش پذیر خانساماں، مالی، ڈرائیور اور کوٹھیوں میں کام کرنے والے دیگر ملازمین جن کی چوکیدار سے واقفیت تھی اپنے کام کاج سے فراغت کے بعد وہاں آ کر بیٹھ جاتے اور کچھ دیر چوپال جما کر اپنی اپنی راہ لیتے۔ منظر کے لیے ان سے راہ و رسم پیدا کرنے کا یہ سنہری موقع تھا۔ رات بہت سرد تھی چوکیدار کے چھپر تلے جلتی ہوئی انگیٹھی کے گرد بیٹھے چوکیدار اور اس کے دوست ہاتھ تاپ رہے تھے۔

منظر بھی وہاں جا پہنچا اور ان لوگوں سے اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنی رہائش اور نوکری کی جگہ کے سلسلے میں اس کوٹھی کا حوالہ دیا منظر کی زبان پر اس کوٹھی کا نام آتے ہی چوکیدار اور اس کے دوست احباب یکدم چونک اٹھے اور بجلی کی سرعت کے ساتھ اس سے ایک ایک قدم پیچھے ہٹ گئے اور پھر ہر شخص کی پھٹی پھٹی نگاہیں اس کے چہرے پر جم کر رہ گئیں جیسے وہ کوٹھی آسیب زدہ ہو اور وہ کوئی آسیب ہو جو اس آسیب زدہ کوٹھی سے بھٹک کر ان کے بیچ آ گیا ہو۔ پھر ایک ایک کر کے بہانہ بنا کر لوگ وہاں سے کھسکنے لگے۔ آخر میں چوکیدار رہ گیا اور پھر چوکیدار بھی اس سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے کوٹھی کے گرد گشت لگانے کا بہانہ بنا کر وہاں سے چل پڑا۔ ان کے اس رویے نے منظر کی امید پر پانی پھیر دیا اور وہ مایوسی کو اپنے دامن میں سمیٹے واپس کوٹھی میں لوٹ آیا۔ منظر کو اپنے بستر پر گئے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ باہر چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دیں جیسے آپس میں لوگ ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو۔ پھر یکایک وہ آوازیں آنا بند ہو گئیں اور اب کے کوؤں کے کائیں کائیں کا شور تھا

ہیں بلند ہونے لگا۔

اس نے دل میں سوچا رات کے بارہ بجے کوؤں کے بولنے کا کیا کام لیکن کوؤں کی آوازیں تھیں کہ بند ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ وہ بستر سے ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا اور اس کے اٹھتے ہی کتوں کے رونے کی آوازیں ہر طرف گونجنے لگیں اس نے کھڑکی کی درز سے جھانک کر کوٹھی کے احاطے میں دیکھا تو وہاں کا سماں ہی کچھ اور تھا جس نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔ کتوں کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں البتہ اسے بڑے بڑے تناور درختوں میں سے بہت سی روشنیاں سی نظر آئیں ان روشنیوں میں اسے جگنو کے چمکنے کا گمان ہوا مگر جب اس نے غور کیا تو اسے گول گول سے چھوٹے چھوٹے انسانی چہرے دکھائی دیئے جو لمبے لمبے بالوں کی لٹوں میں درختوں سے لٹک رہے تھے اور ان کی تیز چمکتی ہوئی آنکھوں میں وہ جگنو سمجھ بیٹھا تھا۔ پھر وہ چہرے جھولوں کی طرح سے جھولنے لگے وہ چہرے یکے بعد دیگرے اس کی کھڑکی کے قریب آتے اور جھولتے ہوئے محسوس چلے جاتے۔ اس نے جلدی سے کھڑکی کے دونوں پٹ بند کر دیئے اور اپنا ہاتھ مضبوطی سے کھڑکی پر رکھ دیا۔ مبادا کھڑکی کھل جائے اور وہ چہرے اندر آ جائیں۔ اس نے احتیاطی تدابیر کے طور پر کمرے کے بند دروازے پر بھی نظر ڈالی لی تھی اپنی دانست میں اسے اپنی حفاظت ڈال لی تھی۔ اپنی دانست میں اسے اپنی حفاظت کا یہی سب سے بہتر طریقہ لگا اور اس موقع پر اپنے ہوش و حواس پر بھی اس نے کس طرح قابو پایا ہوا تھا۔ اس کے پاس کون تھا جو اس کی ڈھارس بندھاتا، لہٰذا جو کچھ کرنا تھا اسے خود ہی اپنے لئے کرنا تھا، پھر اچانک اسے ایک گھڑگھڑاہٹ محسوس ہوئی، در و دیوار ہلنے لگے جیسے زلزلہ آ گیا ہو اور اس کے ساتھ ہی اسے ایسا لگا جیسے کھڑکی پر مضبوطی سے رکھے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ کسی نے ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا دیئے ہوں۔ اس کے دونوں ہاتھ ہٹتے ہی کھڑکی کے دونوں پٹ کھل گئے۔ ادھر کمرے کا دروازہ بھی چٹخنی کی دسترس سے آزاد ہو گیا۔ بادلوں کے گرجنے اور آندھیاں چلنے کا شور اسے صاف اور واضح سنائی دے رہا تھا پھر آندھی کے جھکڑ اس کے کمرے میں آنے لگے اور کمرے کی تمام اشیاء ہوا میں اڑنے لگی۔ اس نے دوبارہ بیڈ پر دراز ہو کر ڈر کے مارے اپنی آنکھیں بند کر لیں ہوا کا طوفان تھما تو اسے اپنے سینے پر کچھ بوجھ سا محسوس ہوا۔ آنکھیں کھول کر دیکھا تو اسے اپنے سینے پر ایک موٹا سا سانپ کنڈلی مارے بیٹھا نظر آیا۔

خوف و دہشت سے اس کی چیخ نکل گئی اور وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور اپنی نیند سے بوجھل آنکھیں ملتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہاں نہ تو کوئی سانپ تھا اور نہ ہی آندھی کے جھکڑ کا نشان، کمرے کی تمام چیزیں بدستور اپنی جگہ پر قائم تھیں اور کھڑکی اور دروازہ ایسے بند تھے جیسے اس نے سونے سے پہلے بند کئے تھے البتہ کھڑکی کی درز سے آتی ہوئی سورج کی روشنی صبح کے نمودار ہونے کا پتہ دے رہی تھی۔ تب اسے ہوش آیا کہ یہ خواب تھا...... اس ڈراؤنے خواب سے اس پر لرزہ طاری تھا اور سینے میں دل بری طرح دھڑک رہا تھا اب اس کے لئے اس کوٹھی میں مزید ٹھہرنا بڑا مشکل تھا۔ اس نے وہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیا باوجود اس کے کہ اپنے اس فیصلے سے اسے ماہانہ ایک اچھی خاصی رقم سے ہاتھ دھونا پڑ رہا تھا۔ اگر اس کوٹھی میں ایک آدمی اور ہوتا تو اس کا دل لگ جاتا۔ ایک سے دو بھلے ہوتے بڑی ڈھارس بندھی رہتی مگر وہاں بارہ آدمیوں کا وجود تو تھا لیکن کسی کام کا نہیں۔ اول تو وہ لوگ دن میں ایک بار وقت مقررہ پر چند لمحوں کے لئے نمودار

ہوتے، وہ کسی قسم کی بات تو کجا اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔

لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ آج وہ ہر حالت میں ان آدمیوں سے بات کرے گا، خواہ کچھ بھی ہو جائے اپنی تکلیف ضرور ان کے سامنے بیان کرے گا ہوسکتا ہے وہ اس کا کوئی حل نکال سکیں اور وہ اپنا کوٹھی سے چلے جانے کا فیصلہ واپس لے لے۔ اس بارہ آدمیوں کا خیال دل میں لیے منظر نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور جونہی سامنے نگاہ دوڑائی وہ لوگ وہاں موجود تھے۔ حسب معمول وہ آج بھی سفید لباس میں ملبوس تھے۔ انہیں دیکھ کر منظر کی جان میں جان آئی وہ ان کی طرف ان سے بات کرنے کے بھرپور ارادے سے بڑھا مگر ہر مرتبہ کی طرح اس مرتبہ بھی اس کے قدم من من بھر کے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے اور وہ ان تک قطعی نہ جاسکا۔ وہ دور کھڑا ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لیتا رہا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی ان کی کھوج کی فکر میں تھا لیکن اب شاید وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا نظر آ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کھانے سے فراغت کے بعد ان میں سے ایک آدمی اٹھا جو غالباً وہی تھا جس نے اس کا انٹرویو لیا تھا وہ قریب ہی کمرے کے دروازے کے پاس آیا دروازہ اس کے ہاتھ لگاتے ہی کھل گیا تھا۔ پھر اس کے پیچھے دیگر گیارہ آدمی بھی قطار کی شکل میں آئے اور اندر کمرے میں داخل ہو گئے۔

ان کے داخل ہوتے ہی کمرے کا دروازہ بند ہوگیا۔ منظر بڑا خوش تھا کہ آج اسے ان کے ٹھکانے کا سراغ مل گیا ہے وہ ذرا سے توقف کے بعد اس کمرے کے دروازے پر آیا جس سے چند لمحے پہلے وہ بارہ آدمی اندر داخل ہوئے تھے۔ اس نے بھی دروازہ کھولنے کی غرض سے اس پر اپنا ہاتھ رکھا۔ دروازے پر ہاتھ رکھتے ہی اس کے دونوں پٹ کھل گئے ...... وہ ڈرتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرہ بالکل خالی پڑا ہوا تھا۔ منظر ان آدمیوں کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس کی نظر کمرے میں ایک اور دروازے پر پڑی اس نے فوراً بڑھ کر دروازہ کھولنے کی غرض سے، اپنا سابقہ عمل دہرایا۔ دروازہ بغیر کسی مزاحمت کے کھل گیا ان آدمیوں کی تلاش میں اس نے بڑی بے قراری سے اس کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا ایسا لگا جیسے اس کے سارے جسم کا خون کسی نے نچوڑ کر رکھ دیا ہو۔

اس کی نظروں کے سامنے فرش پر سفید کفن میں لپٹی بارہ نعشیں ایک قطار میں پڑی تھیں منظر حواس باختہ وہاں سے تیزی سے بھاگا۔ راہداری آتے ہی وہ کسی نرم و نازک چیز سے ٹکرایا۔ منظر نے پلٹ کر دیکھا رضوانہ کھڑی اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی لیکن اگلے لمحے ایک خوفناک چیخ اس کے حلق سے نکل کر فضا میں تحلیل ہو گئی۔ رضوانہ کی جگہ اب اس کے سامنے ایک انسانی ڈھانچہ کھڑا تھا۔ منظر پر اب حقیقت عیاں ہو چکی تھی۔ وہ اپنی بھرپور طاقت سے وہاں سے بھاگا مگر جب تک وہ اس آسیب زدہ کوٹھی کے گیٹ سے باہر نہیں نکل گیا اس کے کانوں میں یہ آواز آتی رہی...... "بچ گیا...... بچ گیا......"

عمران عباس محمود خانوالہ، بھکر

☆☆☆

استاد شاگرد سے: قیامت کے دن زمین پھٹ جائے گی، آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، غرض کہ ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ شاگرد: ماسٹر صاحب تو کیا اس دن ہمیں سکول سے چھٹی ہو گی؟

رانا محمد عتیق۔ ہڑپہ

ظہیر عباس ایے ڈی، راجن پور

ہیلو میرا نام ٹم براؤن ہے آپ نے انٹرویو کے لئے اپنا قیمتی وقت دیا تھا۔ دبلے پتلے الجھے بالوں اور اڑی اڑی سی رنگت والے نوجوان نے اپنے پیلے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے میز کی دوسری طرف بیٹھے ہوئے شیرف کی وردی میں ملبوس آدمی سے مخاطب ہوا جو ایک فائل پڑھنے میں مشغول تھا۔ وہ متحدہ امریکہ کی ایک ریاست میکسیکو کے ایک قصبے کا شیرف جوزیکی تھا۔ اس کی وجہ سے اکثر جرائم پیشہ لوگ قصبہ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ مجرموں کو سخت سزائیں دلوانے میں مشہور تھا اس نے اپنا سر اٹھایا اور میز پر رکھے ہوئے ایک کارڈ پر سرسری نظر ڈال کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ بس مسٹر ٹم براؤن، فری لانس کرائم رپورٹر، فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔

سر جرم و سزا کی زیادہ تر کہانیوں میں مجرم کو پولیس پکڑ لیتی ہے اب لوگ ایسی کہانیاں پڑھنے سے پہلے اندازہ کر لیتے ہیں مجرم ضرور گرفتار کر لیا جائے گا۔ میں ان کہانیوں سے مختلف کہانی کی تلاش میں نکلا ہوں جس کا انجام غیر متوقع اور حیرت انگیز ہو۔ امید ہے اس کے لئے آپ میری مدد کریں گے۔ ٹم براؤن نے گفتگو کی ابتدا کرتے ہوئے بولا۔

شیرف جوزف نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

دلچسپ اتفاق ہے ابھی حال میں ہم نے ایک قتل کا کیس کلوز ڈ کیا ہے جس میں ہم قاتل کو نہ پکڑ سکے۔ میں تمہیں اس کیس کے متعلق ساری تفصیل بتا دونگا جسے تم بعد میں کہانی کی شکل دے سکتے ہو۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ قاتل کو اریسٹ نہ کر سکے۔ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ قاتل کو قبر تک ڈھونڈ لیتے ہیں۔ براؤن حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ یہی تو حیرت کی بات ہے مسٹر براؤن کہ اس قتل کا کوئی قاتل نہیں تھا۔ مجبوراً ہمیں کیس کو بند کرنا پڑا تھا۔ شیرف جوزف بولا۔ کیا مطلب؟ میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ براؤن نے الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ ایسے تمہیں میری کوئی بات سمجھ نہیں آئے گی۔ میں تمہیں پوری کہانی سناتا ہوں لیکن اس سے پہلے دو کپ کافی ہو جائے یہ کہہ کر اس نے کافی کے دو کپ منگوائے اور اس کی چسکیاں لیتے ہوئے یوں گویا ہوا۔ وہ جمعرات کا روز تھا اس دن زیادہ کام کی وجہ سے مجھے سر درد ہو گیا تھا اور میں بہت تھک چکا تھا۔ اس لئے میں گھر جانے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے بے دلی سے ریسور اٹھایا میرے ہیلو کہتے ہی دوسری طرف تیز اور ہانپتی ہوئی نسوانی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ ہیلو شیرف مجھے بچاؤ پلیز مجھے بچاؤ، ورنہ وہ مجھے مار ڈالے گی۔ پلیز ہیلپ می، فار گاڈ سیک۔ وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی اسے لگ رہا تھا کہ کوئی اسے مارنے والا ہے میں نے اسے تسلی دی۔ ایلسن ڈونلڈ پچاس سالہ امیر بیوہ تھی وہ جوانی میں بڑی خوبصورت عورت رہی تھی جب ہم نے بیل ڈور بجائی تو وہ دروازہ کھولنے خود ہی دوڑی چلی آئی تھی۔ وہ اپنے گھر میں ایک ملازمہ میری کے ساتھ رہتی تھی لیکن اس روز ملازمہ چھٹی پر تھی اسی لئے وہ اتنے بڑے گھر میں اکیلی تھی ہم نے گھر کے تمام کمرے چیک کیے تھے مگر
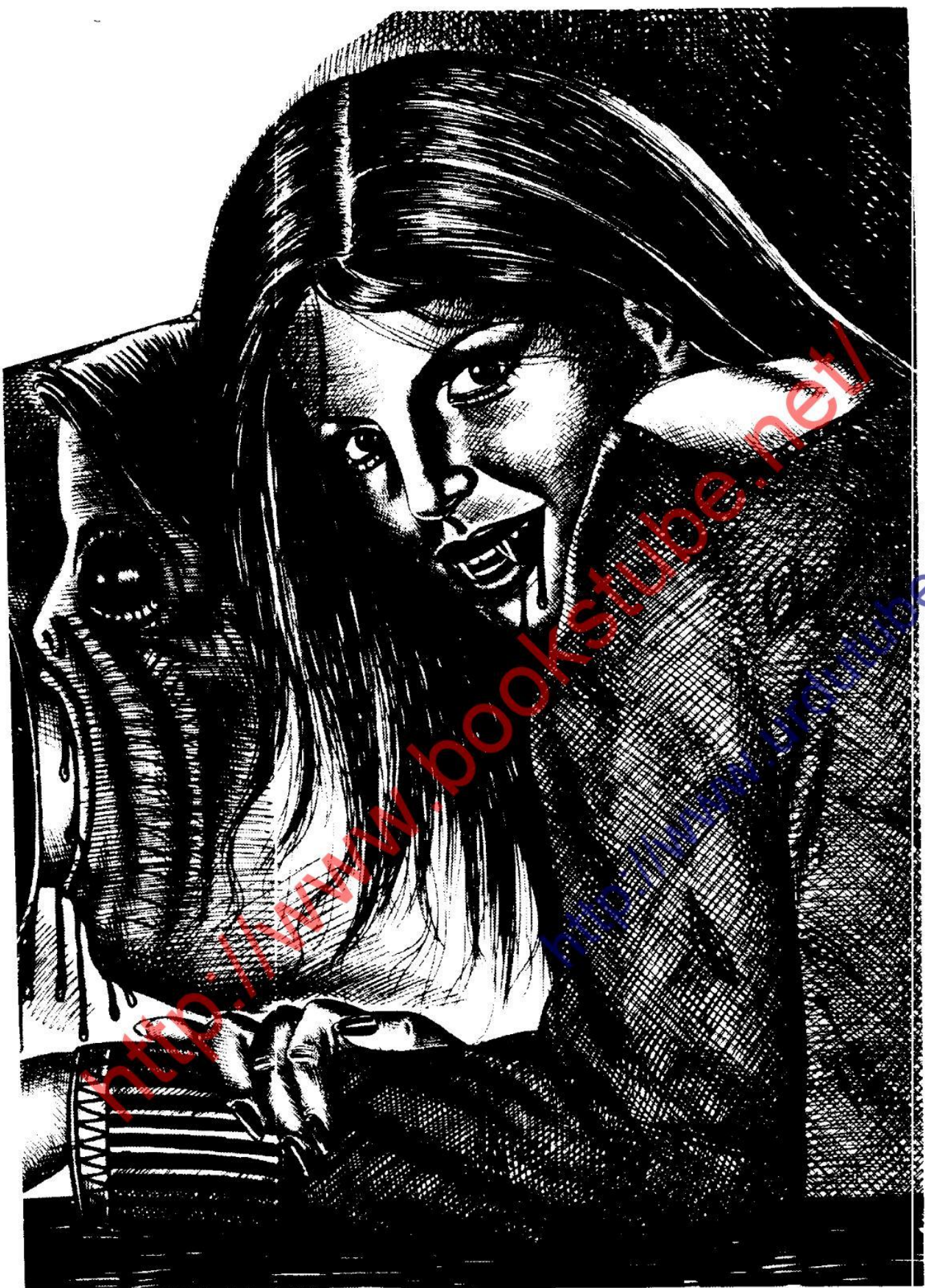
کوئی مشکوک چیز نہ ملی تھی جو ایلیس کے شبہ کی تصدیق کر سکتی حتیٰ کہ گھر کی تمام قیمتی چیزیں اپنی جگہ پر رکھی ہوئی تھیں۔ اگر وہ چوری کرنے آئے تھے تو قیمتی چیزوں کو اپنی جگہ غائب پانا چاہیے تھا لیکن ایلیس کا کہنا تھا کہ وہ اسے قتل کرنا چاہتی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ ایلیس کو مار کر اسے کیا فائدہ ہو سکتا تھا۔ ان چند سوالوں کے لئے میں نے ایلیس ڈونلڈ کے ساتھ نشست رکھی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کو کون مارنا چاہتا ہے؟ تو وہ الجھ کر بولی میں نہیں، لیکن کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں اسے جانتی ہوں مگر وہ کون ہے یہ مجھے یاد نہیں آتا۔

اس نے مجھے میرے سوال کا عجیب جواب دیا تھا جسے میں سمجھ نہیں سکا۔ اچھا خیر مجھے یہ بتایئے کہ وہ آپ کے گھر میں کیسے گھس آئی تھی اور بقول آپ کے وہ ایک عورت ہے جو آپ کو مارنا چاہتی ہے کیا آپ نے اس کی صورت دیکھی تھی۔ دیکھی تو نہیں تھی لیکن آواز عورت کی تھی یہ میں نے سنا تھا اور وہ کیسے گھر میں داخل ہوئی اس پر مجھے حیرت ہے حالانکہ میں نے تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کی تھیں۔ اسکی باتیں سن کر میرا سر چکرانے لگا تھا۔ ایلیس کی باتوں کا میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ کوئی بھوت اسے تنگ کرنے پر تل گیا ہے۔ غالباً میرا دماغ تھکاوٹ کی وجہ سے اول فول سوچنے لگا تھا میں نے خود دروازوں اور کھڑکیوں کو غور سے دیکھا کوئی بھی بولٹ ڈھیلا نہیں پڑا تھا اور روشن دان اتنے تنگ تھے کہ انسان کا گزر مشکل تھا۔ میں نے کونا کونا چھان مارا تھا لیکن اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ نہ مل سکا تھا جس سے کوئی اندر آ سکے۔ میں نے ایلیس سے اس کے رشتہ داروں کے بارے میں پوچھا تو اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا کہ اس کا کوئی رشتہ دار نہیں۔ ماں باپ اس کے مر چکے تھے شوہر ایک حادثے میں چل بسے تھے۔ اس کا دنیا میں کوئی نہیں تھا میں نے ایلیس کے ساتھ گفتگو کر کے بھی کوئی واضح نتیجہ اخذ نہ کر سکا تھا۔ میں الجھن میں پڑ گیا تھا میں نے سوچا کہیں یہ میرے ساتھ مذاق تو نہیں کر رہی۔ بڑھیا سٹھیا تو نہیں گئی۔ میرے یہ خیالات تھے اس کے بارے، بہرحال میں نے اپنے دونوں سارجنٹس اس کی حفاظت کے لئے متعین کر دیئے تھے۔ اس کے بعد میں اپنے گھر چلا گیا تھا۔ کنوارا آدمی ہوں، اس لئے دیر سے گھر پہنچنے کی کوئی فکر نہیں تھی۔ ملازم نے کھانا پہلے ہی تیار کر رکھا تھا۔ اس کے بعد میں آرام سے بستر پر سو گیا تھا۔ صبح سویرے جلدی تیار ہو کر میں پریر کے لئے چرچ گیا تھا۔ عبادت سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا تھا۔ آفس میں پہنچتے ہی میں نے اہم رپورٹس کا جائزہ لیا اور انہیں رکھنے ہی والا تھا کہ فون کی بل بج اٹھی، ہیلو دوسری طرف کوئی عورت تھی۔ ہیلو سر شیرف میرا نام میری ہے سر میری مالکن کمرے میں بند ہو گئی ہے مجھے خطرہ ہے کہیں انہیں کچھ ہو نہ جائے۔ آپ پلیز جلدی سے پہنچ جائیں میں گھر کا پتہ بتا دیتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے پتہ بتا دیا جسے سن کر میں حیران رہ گیا تھا وہ پتہ ایلیس ڈونلڈ کا تھا جس نے گزشتہ رات میرا قیمتی وقت اپنے وہم اور خوف کی وجہ سے ضائع کر دیا تھا۔ میں نے اپنے ساتھ کیپٹن جم کو ساتھ لیا اور سیدھا ایلیس ڈونلڈ کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ وہاں دونوں مس نگرانی پر تعینات سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔ سلام جواب کے بعد میں نے صورتحال کے بارے میں پوچھا تو دونوں نے مستعدی سے جواب دیا کہ سب ٹھیک ہے اور میں نے جب انہیں بتایا کہ ان کے ہونے کے باوجود گھر سے کسی نے مجھے مدد کے لئے فون کیا ہے تو وہ ڈیوٹی پر غیر حاضر تھے تو انہوں نے شرمندگی سے سر جھکا دیئے۔ میں نے انہیں اس

کونا ہی پڑ ڈانٹا اور ہوشیاری کا کہہ کر ہم ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے جہاں ایک ادھیڑ عمر عورت بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے اپنا نام میری جان بتایا تھا اور وہ ایلس کی ملازمہ تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ صبح سویرے ہی اپنے گاؤں سے واپس آ گئی تھی اور ناشتہ تیار کرنے کے بعد وہ اپنی مالکن کو بلانے گئی تو اس کا بیڈ روم کا دروازہ لاک تھا دو تین بار دستک دینے کے باوجود دروازہ نہ کھلا تو وہ واپس پلٹ گئی تھی۔ اس میں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی اس کی مالکن کی عادت تھی کہ وہ گئے صبح بعد جاگتی تھی۔ لیکن دس بج گئے تھے اور اب تک مالکن اٹھی نہ تھی تو اسے پریشانی لاحق ہو گئی تھی اور اس نے مجھے فون کر دیا تھا۔ میں اس کی باتیں توجہ سنتا رہا جبکہ کیپٹن جم کمرے کا تیز نظروں سے جائزہ لے رہا تھا۔ ہم نے بیڈ روم کا دروازہ اور اس کے عقب میں نصب کھڑکی کو دیکھا جو صحن کے سامنے کھلتی تھی۔ کھڑکی کے اندر سے پردہ تنا ہوا تھا جس سے ہم اندر کچھ نہ دیکھ سکے تھے۔ اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا سوائے بیڈ روم کا دروازہ توڑنے کے، تین چار ٹھوکروں کے بعد دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور ہم اندر گھس گئے اور ایک بھیانک منظر کے دیکھتے ہی ہم ساکت ہو گئے تھے۔ میری کے حلق سے بے اختیار ایک دلخراش چیخ نکل گئی تھی وہ منظر ہی ایسا تھا جسے دیکھ کر بڑے بڑوں کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ایلس کا جسم خون سے لت پت تھا۔ انتڑیاں پیٹ سے باہر جھانک رہی تھیں۔ بیڈ کا میٹریس بھی خون سے تربتر ہو رہا تھا۔ فرش پر بھی خون جمع تھا اور سب سے ہیبت ناک چیز وہ تیز دھار چاقو تھا جو ایلس کے ہاتھ میں خون میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کیپٹن جم خوفزدہ میری کو کمرے سے باہر لے گیا تھا۔ بادی النظر میں یہ خودکشی کا کیس لگتا تھا۔ اگر کل رات ایلس ڈونلڈ مجھے نہ بلاتی اور اپنے آپ کو خطرہ میں نہ بتاتی تو میں اسے سو فیصدی خودکشی سمجھتا لیکن یہ ایک سوچا سمجھا قتل تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم کے فون سے، نائن ون ون پر کال کی اور ایمبولینس بلانے کی درخواست کی۔ پھر دوسرا فون میں نے پولیس ہیڈ کوارٹر کیا اور فوٹوگرافر اور متعلقہ دوسرے لوگوں کو جلد پہنچنے کی ہدایت دی۔ ایمبولینس اور دوسرے لوگ فوراً پہنچ کر رسمی کارروائیاں کیں اور لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے ہسپتال بھیج دیا گیا۔ میں نے کیپٹن جم کو حکم دیا کہ گھر کا چپہ چپہ دیکھا جائے فنگر پرنٹس اور کاغذ کا ایک بھی پرزہ چھوڑا نہ جائے۔ کیپٹن جم نے سر ہلا دیا۔ ایلس ڈونلڈ کی گزشتہ رات کی باتوں سے یہ تو واضح ہو گیا تھا کہ اسے خطرہ ایک عورت سے تھا وہ عورت کون تھی اور ایلس کو کس مقصد سے مارنا چاہتی تھی۔ یہ دو سوال بہت اہم تھے اور ان کے جوابات تلاش کرنا ناگزیر تھے انہی خیالوں میں ڈوبا ہوا میں ڈرائنگ روم پہنچا تو میری کو صوفے بیٹھا ہوا روتے دیکھا تو ایک خیال میرے دماغ میں جگنو کی طرح چمکا۔ ہوسکتا ہے میری اپنی مالکن کی دشمن یا رشتہ دار کو جانتی ہو۔ آخر وہ ملازمہ تھی اس کی، یوں بھی اکثر ملازم اپنے مالکوں کی ٹوہ میں رہتے ہیں۔ میں اس کے سامنے صوفے پر بیٹھا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ مجھے تمہاری مالکن کی موت پر بے حد افسوس ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ تم اپنی مالکن کے قاتل کو پکڑوانے میں پوری مدد کرو گی۔ میری بات سن کر وہ بری طرح چونک پڑی تھی کیا؟ تو کیا میری مالکن کا قتل ہوا ہے......؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ خون آلود چاقو اس کے ہاتھ میں موجود تھا اور بیڈ روم کا دروازہ اور کھڑکی دونوں بند تھے نہیں شیرف، یہ قتل نہیں خودکشی ہے، خودکشی، میری کا لہجہ ایک دم تیز ہو گیا تھا اور میں

حیرت سے اسے گھور کر رہ گیا۔ میں سوچ میں پڑ گیا میری صرف خودکشی پر ہی کیوں بضد تھی میں نے اسے یہ بتانے سے گریز کیا کہ اس کی مالکن نے کل رات مجھے بلایا تھا اور اسے جان کا خطرہ تھا۔ آئی ایم سوری شیرف، میں ذرا جذباتی ہو گئی تھی۔ میری معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔ کوئی بات نہیں، جذبات تو زندگی کا اہم جزو ہوتے ہیں اس کے بغیر تو انسان ایک روبوٹ بن جائے۔ خیر چھوڑیے ان باتوں کو آپ اب کہاں جائیں گی۔ اس مکان کو سیل کر دیا جائے گا ہمیں آپ کی کسی بھی وقت مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہے اور اس کے لئے ہمیں آپ کا مستقبل پتہ درکار ہوگا۔ میری، میری بات سمجھ گئی تھی اور اس نے اپنے گھر کا پتہ دیدیا تھا جہاں وہ اپنے شوہر اور ڈے کے ساتھ رہتی تھی۔ اس کے بعد میں نے میری کو جانے کی اجازت دی اور خود پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا۔ لنچ کا وقت شروع ہو چکا تھا، میں نے لنچ کیا اور میز پر پڑی ہوئیں فائلوں کو دیکھنے میں اتنا مصروف ہوا تھا کہ مجھے کیپٹن جم کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی تھی اور میں اس وقت چونکا تھا جب کرسی کے کھسکنے کی آواز مجھے سنائی دی تھی۔

ہیلو سر! پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میرے پاس پہنچ چکی ہے اس کے مطابق خاتون کی موت ایک یا دو بجے کے قریب رات کے وقت ہوئی تھی اور سر کمرے میں اس خاتون کے فنگر پرنٹ کے سوا کسی دوسرے شخص کا فنگر پرنٹ نہیں ملا۔ میں نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ پڑھی اس میں وہی درج تھا جو جم نے بتایا تھا اس کے بعد جم نے مجھے چیزوں کی وہ فہرست دی جو ہمارے لئے اہم ثابت ہو سکتی تھی۔

اس میں ایک وزیٹنگ کارڈ تھا جو کسی برنارڈ ہیگن نامی ماہر نفسیات کا تھا۔ ایک ماہر نفسیات کا کارڈ مجھے ششدر کر گیا تھا۔ کیا ایلس ڈونلڈ نفسیاتی مریضہ تھی؟ اگر وہ نفسیاتی مریضہ نہیں تھی تو وہ کارڈ اس کے پاس سے کیوں ملا تھا۔ میں نے برنارڈ ہیگن سے ملاقات کا ارادہ کر لیا تھا۔ ماہر نفسیات برنارڈ ہیگن کا دفتر بڑا شاندار تھا۔ برنارڈ ہیگن کے سر کے بال اڑ چکے تھے اور بال سر کے کنارے جھاڑیوں کے مانند تھے۔ جی مسٹر شیرف بتایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ شکریہ برنارڈ صاحب دراصل میں ایک قتل کے کیس کی تحقیقات کر رہا ہوں۔ تحقیق کے دوران ہمیں آپ کا وزیٹنگ کارڈ ملا۔ کیا آپ ایلس ڈونلڈ نامی عورت کو جانتے ہیں شاید وہ آپ کی مریضہ تھی۔ میں نے بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوال کیا، ماہر نفسیات برنارڈ ہیگن چند لمحات سوچتا رہا اور پھر یوں بولا۔ ہاں وہ میری مریضہ ہے لیکن آپ نے اس کے لئے ''تھا'' کا لفظ کیوں استعمال کیا۔ میں معذرت کے ساتھ آپ کو کہہ رہا ہوں کہ آپ کی مریضہ کا قتل ہو گیا ہے۔

اوہ، ویری سیڈ، مجھے یہ سن کر کوئی حیرانی نہیں ہوئی ہے ایک نہ ایک دن وہ اپنی بیماری کی وجہ سے ضرور قتل کر دی جاتی۔ اسے دوہری شخصیت کی بیماری تھی جسے کرپٹومیپیا کہا جاتا ہے۔ ایلس ڈونلڈ کی دوسری شخصیت کا نام للکارہ کارمن تھا اور ایلس کی جانی دشمنی تھی غالباً اسی نے ایلس کو مار ڈالا ہوگا۔ یہ بڑی فرسودہ سی سوچ تھی میں نے اس کے بارے میں پہلے نہ کبھی پڑھا تھا اور نہ سنا تھا۔ میں کوئی نتیجہ اخذ کیے بغیر وہاں سے پلٹ آیا تھا۔ یہ کس بے حد پیچیدہ ہو گیا تھا۔ اسے میں قتل کا کیس سمجھتا تھا لیکن دوسروں کی نظر میں یہ خودکشی تھی مجھے سب سے پہلے اسے قتل ثابت کرنا تھا اور قاتل کو پکڑنا تھا۔ اگر میں برنارڈ ہیگن کی بات مان لیتا تو کوئی بھی شخص یہ ماننے سے انکار کر دیتا کہ ایلس کی دوسری شخصیت نے اسے قتل کیا ہے اگر ایسا تھا تو اسے بھی ثابت کرنا تھا کہ واقعی

سارہ کارمن تھی جس نے ایلس کو مارا تھا۔ سوالات کا ایک سیلاب میرے دماغ کو بہا لینے کی سرتوڑ کوشش کرنے لگا تھا۔ کوئی بھی سراغ نہیں آرہا تھا۔ روشنی کی ایک بھی کرن نظر نہیں آتی تھی۔ میں اپنے آفس میں بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ میرا آئندہ قدم کونسا ہونا چاہیے۔ تھوڑی دیر بعد کیپٹن جم ہاتھ میں کاغذی لفافہ لیے ہوئے آموجود ہوا۔ سرفوٹوگرافر نے لاش کی تصویریں ڈیولپ کر کے میرے پاس بھیج دی ہیں آپ انہیں ایک نظر دیکھ لیں۔ ہوسکتا ہے ہمیں کوئی اہم سراغ مل سکے۔ میں نے ایک تصویر نکال کر اسے دیکھا اس میں ایلس ڈونلڈ کو بستر پر خون میں ڈوبے ہوئے جسم کو دکھایا گیا تھا اور اس کے ہاتھ میں چاقو نظر آرہا تھا۔ بائیں ہاتھ میں کوئی بات واضح نہیں ہو رہی تھی میں نے ایلس کی ملازمہ میری کو فون کیا اور اسے لاش کے بارے میں بتلانا شروع کر دیا تھا پھر جب میں نے اسے بتایا کہ لاش کے بائیں ہاتھ میں چاقو تھا تو وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے شیرف، میری مالکن تو رائٹ ہینڈ ڈ تھیں۔ چاقو ان کے لیفٹ ہینڈ میں کیسے پہنچ گیا تھا اس کے انکشاف سے میں حیرت سے اچھل پڑا تھا۔ کیس تقریباً Solve ہو چکا تھا اب سب کچھ میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ ایلس ڈونلڈ کے قتل کا ثبوت مل گیا تھا اور آخر کار یہ کیس داخل دفتر کر دیا گیا۔ یہ تھی اس عجیب وغریب کیس کی کہانی، شیرف جوزف میکی ایک لمبی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔

لیکن سر آپ نے یہ تو نہیں بتایا ہے کہ قاتل کو آپ گرفتار کیوں نہ کر سکے تھے کیا وہ کسی دوسرے ملک فرار ہو گیا تھا۔ ٹم براؤن الجھ کر بولا......اوہو تم اب بھی نہیں سمجھتے کہ قاتل کو کیوں گرفتار نہیں ہو سکا تھا۔ ایلس ڈونلڈ دائیں ہاتھ سے کام کرتی تھی جبکہ سارہ کارمن لیفٹ ہینڈ ڈ تھی اور جو کچھ برنارڈ میگن نے ایلس ڈونلڈ کے بارے میں بتایا تھا وہ بالکل درست تھا جسے ہم نے جھوٹ سمجھا تھا شیرف نے مسکرا کر بولا جبکہ صحافی ٹم براؤن اسے گھور کر رہ گیا تھا۔

ظہیر عباس ایم، ڈی، راجن پور

☆☆☆

دوستوں پر نظر رکھئے

حضرت مالک بن دینارؒ نے اپنے ایک عزیز کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا اپنے بھائیوں، دوستوں اور ساتھیوں پر نظر ڈالو، ان میں سے جو ایسے ہیں کہ تمہیں ان سے اپنی دینی امور میں کوئی فائدہ اور تعاون حاصل نہیں ہوتا ان کی صحبت سے کنارہ کشی اختیار کر دو کیونکہ وہ حقیقت میں تمہارے دشمن ہیں، لوگوں کی مختلف قسمیں ہیں کبوتر کبوتر کے ساتھ، کوا کوے کے ساتھ، چڑیا چڑیا کے ساتھ اور یوں ہر ایک اپنی جنس اور نوع کے ساتھ ہی اچھا لگتا ہے۔

عثمان چوہدری اینڈ عبدالقادر۔ ڈڈیال

پرانا نام

پرانا نام	نیا نام
جھٹ پٹ	ڈیرہ اللہ یار
خان گڑھ	جیکب آباد
ٹیمپل ڈیرہ	ڈیرہ مراد جمالی
سبولی	سبی
شال	کوئٹہ
سیوہ قلات	خان قلات

ضلع نصیر آباد

عثمان چوہدری اینڈ عبدالقادر۔ ڈڈیال

خوفناک حقیقت

سید صفدر رضا شاہ بخاری۔ پپلاں

ہمارے گھر کے ساتھ ایک پرانا قبرستان ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس میں جنات کا بسیرا ہے لیکن ہم کبھی خوفزدہ نہیں ہوئے میرا چچازاد بھائی جس کا نام اسد عباس ہے ہم کلاس فیلو ہونے کے ساتھ ساتھ ہم عمر بھی ہیں ہم نے بچپن بھی اکٹھے گزارہ' ہم رشتہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے اچھے دوست بھی ہیں یہ ماہ دسمبر کی ایک ابر آلود صبح تھی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور بارش کا بھی امکان تھا میرا کزن اسد میرے گھر آیا اور بولا یار صفدر اپنی موٹر سائیکل نکالو میرا دوست جمال کراچی سے آیا ہوا ہے اسے ملنے کے لئے جانا ہے میں نے کہا یار موسم کافی خراب ہے کل چلیں گے۔

اسد بولا یار اس نے کل واپس چلے جانا ہے اس کا ابھی ابھی فون آیا ہے کہ تم جلدی پہنچو اس سے لازمی ملنا ہے خیر میں نے کپڑے تبدیل کئے چائے پی اور اللہ کا نام لے کر موٹر سائیکل نکالی اور چل پڑے چار گھنٹوں کے سفر کے بعد ہم جمال کے گھر پہنچ گئے ہم نے کال بیل بجائی اتفاق سے دروازہ جمال نے ہی کھولا' جمال نے ہمیں اندر آنے کے لئے کہا ہم اندر آ گئے وہاں جمال کے امی ابو سے ملے جمال ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور کراچی میں ایک فیکٹری میں بطور سپر وائزر تعینات تھا۔

کافی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا چائے پی اور باتوں میں مصروف ہو گئے باتوں ہی باتوں میں وقت کا بالکل پتہ نہ چلا شام ہو گئی جمال کی امی کھانا لے کر آ گئیں ہم نے کھانا کھایا اور جمال کے امی ابو سے واپس جانے کی اجازت مانگی۔ تو جمال کی امی کہنے لگیں اب رات ہو گئی ہے موسم بھی کافی خراب ہے سردی بھی کافی زیادہ ہے اس لئے تم لوگ صبح چلے جانا ہم نے کافی کوشش کرنے کے بعد اجازت لی اور اللہ کا نام لے کر موٹر سائیکل پر سوار ہو کر چل پڑے اس وقت رات کے ساڑھے نو بج رہے تھے موسم بھی کافی خراب ہو چکا تھا ہر طرف گھپ اندھیرا تھا ہوا کے سرد جھونکے جیسے منہ پر تھپڑ برسا رہے تھے ابھی ہم نے ایک گھنٹے کا سفر بھی طے نہ کیا تھا کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اوپر سے ٹھنڈی اور تیز ہوا

اور بارش جس کی وجہ سے سفر کو جاری رکھنے میں کافی دقت محسوس ہو رہی تھی اچانک ہماری موٹر سائیکل بند ہوگئی ہم نے پٹرول چیک کیا ابھی ٹینکی میں پٹرول موجود تھا۔ ہم نے پلگ وغیرہ صاف کیا مگر موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی تھک ہار کر اسد بولا یار صفدر یہاں سے دوسرے راستے پر ایک کلو میٹر کے فاصلے پر ایک پرانی حویلی ہے اس میں ٹھہر جائیں گے جب موسم ٹھیک ہو گا تو چلے چلیں گے۔ ہم نے موٹر سائیکل کو ساتھ لیا اور پیدل چلنا شروع کیا تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہمیں دور سے ایک پرانی حویلی نظر آئی جو دور سے ایک قد آور دیو جیسی دکھائی دے رہی تھی بارش اب بھی موسلا دھار ہو رہی تھی ہمارے کپڑے اب بالکل گیلے ہو گئے تھے اور سردی کی وجہ سے جسم بری طرح کانپ رہے تھے خیر خدا خدا کر کے ہم حویلی کے دروازے تک جا پہنچے۔ لکڑی کا ایک بہت بڑا دروازہ جو کہ لگتا تھا برسوں سے بند پڑا ہو دروازے پر ایک بہت بڑا تالا لگا ہوا تھا ہم نے تالا کھولنے کی بڑی کوشش کی مگر تالے میں زنگ لگا ہوا تھا جس کی وجہ سے تالا کھولنے میں دقت پیش آ رہی تھی ہم نے موٹر سائیکل سے پلگ پانہ نکالا اسے تالے میں ڈال کر تھوڑا سا گھمایا تو کھٹک کی آواز کے ساتھ تالا ٹوٹ کر نیچے جا گرا۔ سردی کی وجہ سے ہمارے جسم تھر تھرا رہے تھے دروازہ کھولنے کے بعد جیسے ہی ہم حویلی میں داخل ہوئے ایک سرد ہوا کا جھونکا ہمارے ٹھٹھرے ہوئے جسموں سے ٹکرایا جس کی وجہ سے ہمارے جسموں میں سردی کی ایک تیز لہر دوڑ گئی ہم نے موٹر سائیکل حویلی کے اندر ایک درخت کے نیچے کھڑی کی ہینڈل لاک کیا اور کسی محفوظ جگہ کی تلاش میں آگے بڑھے کیونکہ اب سردی نا قابل برداشت تھی۔

اچانک چمگادڑوں کا ایک غول ہمارے سروں کے اوپر سے گزر گیا ان کے گزرتے ہی ہمیں ایک بے حد گندی بو کا احساس ہوا میں بولا یار اسد مجھے تو یہ حویلی پراسرار لگ رہی ہے آؤ واپس چلیں اسد کہنے لگا یار صفدر نہیں تو ہر چیز پراسرار لگتی ہے فی الحال تو اس بارش سے بچاؤ کے بارے میں سوچیں بعد میں جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ ہم نے ایک کمرے کے فرش کو تھوڑا صاف کر کے بیٹھنے کے لئے جگہ بنائی ہم نے چند سوکھی ہوئی ٹہنیاں اکٹھی کر کے آگ جلائی کیونکہ ماچس میری جیکٹ کی جیب میں تھی اور جیکٹ واٹر پروٹ تھی اس لئے گیلی ہونے سے بچ گئی چند منٹ آگ سینکنے کے بعد ہمارے حواص کچھ بحال ہوئے اس وقت رات کے سوا بارہ بج رہے تھے بارش کی شدت میں تھوڑی سی کمی ضرور آ گئی تھی مگر ہوا اسی طرح چل رہی تھی اور سردی حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی اسد بولا یار صفدر کچھ دیر آرام کر لیں ہم نے فرش والی جگہ کو تھوڑا سا مزید صاف کیا اور سونے کے لئے لیٹ گئے تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں دوست نیند کی وادیوں میں چلے گئے۔ رات کا نجانے وہ کونسا پہر تھا ہلکے سے کھٹکے سے میری آنکھ کھل گئی آواز ساتھ والے کمرے سے آ رہی تھی میں اٹھا اور آہستہ آہستہ دوسرے کمرے کی طرف چل پڑا اسد کو میں نے نہ جگایا کیونکہ وہ سردی اور تھکاوٹ کی وجہ سے میٹھی نیند سو رہا تھا میں نے دوسرے کمرے کا دروازہ جو کہ بند تھا آہستہ سے کھولا تو دروازہ چرر کی آواز کے ساتھ ہلکا سے کھلا۔

کمرے کا اندر کا منظر دیکھ کر میرے اوسان

خطا ہو گئے کیونکہ کمرے میں نہایت ہی قیمتی فرنیچر سجا ہوا تھا اور الماریوں پر کافی قیمتی پردے لہرا رہے تھے ایک پلنگ پر پانچ چھوٹے چھوٹے بچے جن کی عمریں بمشکل چار یا پانچ سال ہوں گی بیٹھے آپس میں تاش کھیل رہے تھے مجھے دیکھتے ہی بولے آؤ آؤ تم بھی تو ہمارے مہمان ہو اپنے ساتھ کو بھی لے آؤ اور ہمارے ساتھ کھیلو میں ان بچوں کو دیکھ کر جو پہلے ہی سے ڈرا ہوا تھا یہ بات سن کر میری رہی سہی طاقت بھی جواب دے گئی اور میں بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ خیر میں نے بڑے حوصلے کا مظاہرہ کرتے ہوئے بچوں کو سلام کیا مگر کسی نے بھی میرے سلام کا جواب نہ دیا۔

ایک بچہ دوڑتا ہوا میری طرف بڑھا میں ڈر کر پیچھے ہٹا تو میرا پاؤں پیچھے سے کسی برتن سے ٹکرایا تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے پاؤں پر پانی نما کوئی گرم سی چیز گری ہے جب میں نے غور سے دیکھا تو وہ گرم گرم خون تھا خون دیکھتے ہی میرا سر چکرانے لگا اور میں باہر کی طرف بھاگا مگر جیسے ہی دروازے کی طرف بڑھا پیچھے سے ایک بچے کی چھلانگ لگائی اور میرے دونوں شانوں پر سوار ہو گیا وزن اتنا کہ خدا کی پناہ میری کمر ٹوٹنے لگی اور میں بچے سمیت نیچے جا گرا۔ اب ان پانچوں نے مجھے گھیرے میں لے لیا۔ اب تو ان بچوں کی شکلیں بھی تبدیل ہونے لگی وہ میرے اردگرد ناچنے لگے اور قہقہے لگانے لگے۔ کہیں سے ڈھول بجنے کی آوازیں آنے لگیں مجھے اپنی موت اب صاف دکھائی دینے لگی آہستہ آہستہ ان کے جسموں سے گوشت گلنے لگا دیکھتے ہی دیکھتے وہ پانچوں بچے ڈھانچوں کی شکل اختیار کر گئے۔

ایک ڈھانچہ بولا اے آدم زاد تمہارے گلے میں جو تعویز پڑا ہوا ہے اسے اتار کر پھینک دو اور اپنے دوست کو بھی کہو کہ اس کی جیب میں جو قرآنی آیات ہیں وہ بھی نکال دے ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے ورنہ دوسری صورت میں تم مارے جاؤ گے ۔ میرے ذہن میں ایک خیال آیا کہ اسی تعویز کی برکت سے یہ ہمیں نقصان نہیں پہنچا رہے اور جیسے ہی میں نے تعویز اپنے جسم سے الگ کیا یہ مجھے مار ڈالیں گے اس وقت نجانے کونسی طاقت میرے جسم میں آ گئی اور میں نے ناد علی کا ورد شروع کر دیا وہ ڈھانچے پیچھے ہٹنے لگے میں نے ایک ڈھانچے پر پھونک ماری تو وہ چلاتا ہوا باہر کی طرف بھاگا باقی ڈھانچے بھی اس کے پیچھے بھاگے اچانک مجھے اسد عباس کا خیال آیا میں دوڑتا ہوا دوسرے کمرے کی طرف بڑھا جب میں نے کمرے کا منظر دیکھا تو مجھے زمین آسمان گھومتے ہوئے نظر آ رہے تھے کیونکہ ایک بہت بڑی بلا جس کا جسم لمبے لمبے بالوں سے ڈھکا ہوا تھا منہ سے خون نکل کر زمین پر ٹپک رہا تھا اسد اس کے سامنے بے ہوش پڑا تھا چونکہ اسد کی جیب میں قرآنی آیات تھیں اس وجہ سے بلا اس کے قریب جانے سے کترا رہی تھی کھٹکے کی آواز سن کر وہ بلا میری طرف بڑھی اور جیسے ہی مجھے چھوا ایک بہت بڑی دل ہلا دینے والی چیخ اس بلا کے منہ سے نکلی اور بلا کے جسم کو آگ لگ گئی جلتے جلتے بلا کے جسم سے آواز آئی ۔

میں ایک چرن رام نامی ہندو پنڈت کی روح تھی افسوس میں ایک سو انسانوں کا خون نہ پی سکی ورنہ مجھ میں وہ طاقت آ جاتی کہ شیطان بھی میرا نام سن کر کانپ اٹھتا مگر تم لوگوں کو مزا چکھا کر جا رہی ہوں اور دیکھتے ہی دیکھتے جل کر راکھ ہو گئی۔

اب بارش تھم چکی تھی ہوا کا زور بھی کم پڑ گیا تھا میں باہر گیا ایک جگہ بارش کا پانی جمع تھا میں نے تھوڑا سا پانی لیا اور اسد کے منہ پر چھینٹے مارے اسد نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں خوف کی وجہ سے اسد کا رنگ زرد ہو چکا تھا جسم بھی بری طرح کانپ رہا تھا۔ میں نے اسد کو حوصلہ دیا اور اسد کو قرآنی آیات جیب سے نہ نکالنے کی تاکید کی کہ جو بھی ہو جائے تم نے جیب سے آیات نہیں نکالنی انہی کی بدولت ہم اب تک زندہ ہیں۔اس وقت صبح کے چار بج رہے تھے ابھی فجر کی اذان نہیں ہوئی تھی اسد بولا یار جو بھی ہو یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو ہم نے باہر موسم کی صورتحال کا جائزہ لیا اب موسم ٹھیک تھا ہم نے موٹر سائیکل کا ہینڈل اب کھولا پلگ تبدیل کیا تھوڑی سی کوشش کے بعد موٹر سائیکل اسٹارٹ ہوگئی ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا اور چل پڑے جب ہم گھر پہنچے تو سورج نکل رہا تھا ہم نے راستے میں ایک دوسرے کو منع کر دیا کہ اس واقعہ کا گھر ذکر نہیں کرنا گھر والوں کے سامنے ہم نے بہانہ بنایا کہ دوست نے رات کو اپنے پاس روک لیا تھا اسد کی حالت دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی ناں زیادہ کسی سے بات کرتا تھا ہر وقت کھویا کھویا رہنے لگا تھا میرا وہ باتونی دوست جس کے چہرے پر ہر وقت ہنسی رہتی تھی ہنس ہنس کر باتیں کرنے والے میرے اس بھائی کو ایسی چپ لگی کہ باتیں بہت کم کرتا ہر وقت ہواؤں میں گھومتا رہتا اب تو رات کو اکثر چیخیں مار کر اٹھ بیٹھتا ہے ۔۔اسد کی یہ حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی تھی مجبوراً مجھے اس واقعہ کا ذکر اپنے چچا زاد بھائی منیر سے کرنا پڑا پہلے تو وہ مجھ پر سخت ناراض ہوا کہ اتنا بڑا واقعہ آپ لوگوں کے ساتھ ہوا ہے اور آپ نے مجھے بتانا بھی گوارہ نہیں کیا خیر بڑی مشکل سے راضی ہوا مجھ سے کہا کہ میرا ایک دوست ہے اس کا چچا ایک بہت بڑا عامل ہے اس سے جا کر ملتے ہیں مجھے اس وقت اپنے چچا سید امیر حسین شاہ کی بڑی یاد آئی کہ اگر وہ ہوتے تو ہمیں کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں پڑتی ہم تینوں کزن نے منیر کے دوست کے پاس جانے کا پروگرام بنایا اور دوسرے دن وہاں پر جا پہنچے وہ ہمیں اپنے چچا کے پاس لے گیا اس وقت ان کے پاس کافی مرید بیٹھے تھے خیر ہم دوسرے کمرے میں چلے گئے اور بابا جی کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگے کچھ دیر بعد بابا جی نے ہمیں اپنے پاس بلایا اور آنے کی وجہ پوچھی میں نے تمام واقعہ بابا جی کو سنایا وہ کچھ دیر اسد کے چہرے کی طرف دیکھتے رہے پھر بولے تم لوگ دوسرے کمرے میں جاؤ اور اس لڑکے کو میرے پاس اکیلا چھوڑ دو۔ ہم دوسرے کمرے میں چلے گئے تقریباً آدھے گھنٹے بعد بابا جی نے مجھے اور منیر کو اپنے کمرے میں بلایا اور بولے بیٹا تمہارے دوست اسد پر چرن رام نامی ہندو کی روح اپنا سایہ چھوڑ گئی ہے یہ سایہ بڑا خطرناک ہے اس کی وجہ سے تمہارے دوست کی جان بھی جا سکتی ہے یہ سن کر ہم پریشان ہوگئے۔

بابا جی بولے اس کا ایک ہی حل ہے آپ دونوں میں سے کسی ایک کو چالیس دن کا چلہ کرنا ہو گا اس کے بعد میں اس روح کے سائے کو اپنے تابع کر کے آپ کے دوست سے یہ سایہ اتار لوں گا میں نے کہا بابا جی میرا دوست ٹھیک ہو جائے میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔بابا جی نے مجھے شاباش دی اور کہنے لگے بیٹا کیونکہ سید زادے ہو اور سید رحم دل ہوتا ہے اس لئے اپنے بھلائی کی

تکلیف آپ سے برداشت نہیں ہورہی مجھے امید ہے کہ تم انشاء اللہ اپنے اس نیک کام میں ضرور کامیاب ہو رہو گے۔

بابا جی بولے بیٹا صفدر میری چند باتیں غور سے سنو اگر ان باتوں پر عمل کرو گے تو ضرور کامیاب ہو جاؤ گے یہ ایک تعویز ہے جسے ہر حال میں آپ نے اپنے پاس رکھنا ہے اور اپنی جان سے بڑھ کر اس تعویز کی حفاظت کرنی ہے اس کے ہوتے ہوئے دنیا کی کوئی طاقت تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی' باقی چلے کے دوران تم جو کچھ بھی دیکھو گے وہ سب نظر کا دھوکا ہو گا اس کا حقیقت سے کسی قسم کا کوئی واسطہ نہ ہو گا تم نے صرف اپنے عمل کی طرف توجہ دینی ہے اور کسی صورت میں اپنے اردگرد کھینچے ہوئے حصار کو کراس نہیں کرنا ورنہ دوسری صورت میں آپ کی جان بھی جا سکتی ہے دوسرا آپ کو دم کیا ہوا پانی دے رہا ہوں عمل کے دوران جب تمہیں پیاس لگے تھوڑا تھوڑا کر کے پینا ہے۔ یہ عمل تم سب سے پرانی قبر کے ساتھ بیٹھ کر کرو گے یہ عمل آپ نے ہر رات بارہ بجے سے لیکر صبح کی اذان تک کرنا ہے۔ وضو کی حالت میں رہنا باقی میں ہر وقت آپ کے ساتھ ساتھ رہوں گا مگر آپ کو نظر نہیں آؤں گا بابا جی نے مجھے ایک ورد بتایا جو کہ میں جلدی یاد کر لیا' ہم نے بابا جی کا شکریہ ادا کیا اور گھر آ گئے دن کے وقت میں نے پرانی قبر کی تلاش شروع کر دی تھوڑی سی کوشش کے بعد مجھے ایک بوسیدہ اور پرانی قبر نظر آئی جس پر 1954ء کی تاریخ وفات لکھی ہوئی تھی۔ گھر آ کر میں سو گیا رات کو کھانا کھانے کے بعد میں اپنے کمرے میں آیا اور وہاں پر بیٹھ کر اپنے رب سے رو رو کر اپنے دوست کی صحت کے لئے دعا کی اور دعا کی کہ مجھے اس نیک کام میں کامیاب کرے آمین۔

رات کو بارہ بجنے میں ابھی کچھ دیر تھی اس لئے میں آہستہ آہستہ ماحول کا جائزہ لینے کے لئے قبرستان میں آ گیا۔ منتخب شدہ قبر کے ساتھ میں نے بسم اللہ پڑھ کر حصار کھینچا اور پورے بارہ بجے اللہ کا نام لے کر اپنے عمل میں مصروف ہو گیا فجر کی اذان تک میں اپنے عمل میں مصروف رہا اذان ہوتے ہی میں نے اپنا عمل مکمل کیا مسجد میں جا کر نماز ادا کی اور گھر آ کر سو گیا' اب یہ میرا روزانہ کا معمور بن گیا۔ 35 دن تو میں نے آسانی سے کاٹ لئے کوئی خاص مشکل پیش نہیں آئی تھوڑی بہت مشکل آئی بھی تو میں نے اللہ پاک کے حکم سے قابو پا لیا۔

آج میرے چلے کی 36 ویں رات تھی میں اپنے وقت مقررہ پر قبرستان گیا وہاں پر اللہ کا نام لے کر اپنے عمل میں مصروف ہو گیا آج موسم بھی کافی خراب تھا آسمان پوری طرح بادلوں سے ڈھک چکا تھا ہوا بھی بڑی تیزی سے چل رہی تھی جب ہوا کا جھونکا آتا تو سوکھے ہوئے پتے جب آپس میں ٹکراتے تو ایسے محسوس ہوتا جیسے بہت سے اخروٹ آپس میں ٹکرا رہے ہوں۔ خیر میں چلے میں مگن رہا' مجھے یہ بھی خوف تھا کہ کہیں بارش شروع نہ ہو جائے کیونکہ سردی بھی کافی زیادہ تھی اور موسم بھی کافی خراب تھا آسمان پر بجلی چمک رہی تھی۔

اچانک سامنے والی قبر پھٹی اور اس میں سے یکے بعد دیگرے کئی ڈھانچے نکلے اور میرے سامنے ناچنے لگے ایک قبر میں اتنے سارے مردے یہ سوچ کر میرا دھیان کچھ دیر کے لئے عمل سے ہٹ گیا لیکن پھر بابا جی کی بات مجھے یاد آئی کہ

یہ سب نظر کا دھوکا ہے تھوڑی دیر وہ ڈھانچے ناچتے رہے اور پھر اسی قبر میں چلے گئے۔ اتنے میں فجر کی اذان ہونے لگی میں نے اپنا عمل مکمل کیا اور مسجد میں جا کر نماز ادا کی اور گھر چلا گیا خیر جیسے کیسے دو دن اور گزر گئے آج میرے عمل کی 39 ویں رات تھی عمل کے دوران ایک زور دار دھما کا ہوا ہر طرف دھواں ہی دھواں پھیل گیا تمام قبریں ہلنے لگیں ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ ہر طرف چیخوں کی آوازیں آنے لگیں ایسے معلوم ہوتا تھا کہ بہت سے بچے اور عورتیں دور بہت دور رو رہی ہیں تھوڑی دیر بعد ڈھول بجنے کی آوازیں آنے لگیں میں میں صرف اور صرف اپنے عمل میں مصروف رہا۔ کچھ دیر کے بعد ہر طرف سکوت چھا گیا۔ خدا خدا کر کے صبح کی اذان کی آواز میرے کانوں میں گونجی میں نے اپنا عمل مکمل کیا نماز فجر ادا کی اور سیدھا گھر چلا گیا۔

آج میرے عمل کی آخری رات تھی مجھے بڑی خوشی ہو رہی تھی کہ اگر اللہ پاک نے مجھے کامیاب کیا تو میرا دوست ٹھیک ہو جائے گا اس رات موسم بالکل صاف تھا آسمان پر تارے چمک رہے تھے چاندنی رات تھی ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا اور قبرستان میں ہو کا عالم تھا البتہ سردی کے زور میں کمی بالکل نہ ہوئی تھی ایک انجانے خوف نے مجھے جکڑ رکھا تھا میں نے ان سب باتوں کی پرواہ کیئے بغیر حصار کھینچا اور ایسے عمل میں مصروف ہو گیا ابھی مجھے عمل کرتے ہوئے پندرہ منٹ بھی نہ ہوتے تھے کہ آسمان پر گڑگڑاہٹ کی آواز آئی میں نے اوپر دیکھا تو ایک بہت بڑی بلا آسمان سے اڑتی ہوئی میرے سر سے ہوتی ہوئی میرے سامنے آ کر بیٹھ گئی خدا کی پناہ ایک دفعہ تو میرا دل جیسے اچھل کر حلق میں آ گیا ہو آنکھیں ایسی جیسے بہت بڑے بڑے انگارے دھک رہے ہوں جسم پر لمبے لمبے بال ہوا میں لہرا رہے تھے منہ سے خون ٹپک رہا تھا زبان کم از کم دس فٹ لمبی جو سانپ کی طرح تھی مجھے دیکھتے ہی بولی اس کی آواز ایسے آ رہی تھی جیسے بہت سی بلیاں آپس میں لڑ رہی ہوں وہ بلا بولی اے آدم زاد تم یہ عمل چھوڑ دو ورنہ بے موت مارے جاؤ گے مجھے دیکھ رہے ہو۔ میں کچھ نہ بولا بلا بولی تمہیں ابھی مزا چکھاتی ہوں یہ کہتے ہی اس بلا نے پہاڑ جیسے بڑا منہ کھولا اس کے منہ سے بہت بڑے سانپ اور تقریباً اونٹ اونٹ جیسے بچھو نکل نکل کر میری طرف بڑھے اب تو مجھے اپنی موت اپنے سامنے دکھائی دے رہی تھی۔ دل نے چاہا کہ حصار توڑ کر بھاگ جاؤں مگر پھر بابا جی کی ہدایت یاد آ گئی تعویز بھی میرے گلے میں پڑا تھا مجھے کچھ تسلی ہوئی جیسے ہی کوئی سانپ یا بچھو حصار سے ٹکراتا اس کو آگ لگ جاتی اچانک اس بلا نے ایک زوردار چیخ ماری اور غائب ہو گئی میں اپنے عمل میں مصروف رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے بہت سے لوگ قبرستان کی طرف آتے دکھائی دیئے چاندنی رات ہونے کی وجہ سے ان کے چہرے صاف دکھائی دے رہے تھے ان میں زیادہ تر ہمارے قریبی رشتے دار ہی تھے انہوں نے ایک چارپائی پر کوئی جنازہ اٹھا رکھا تھا سب لوگ بری طرح رو رہے تھے انہوں نے جنازہ بالکل میرے سامنے رکھ دیا میرے والد صاحب لوگوں میں سے نکل کر میرے سامنے آئے اور بولے۔

بیٹے صفدر تم یہاں بیٹھے ہو ادھر تمہارے دوست کا انتقال ہو گیا ہے اب اٹھو اور اپنے ہاتھوں سے دفناؤ یہ الفاظ سنتے ہی میرے ہوش وحواس گم

ہو گئے۔ وہ دوست جس کی خاطر میں چالیس دنوں سے مشکلات جھیل رہا تھا میرے سامنے بے حس وحرکت پڑا تھا اتنے میں والد صاحب کی آواز ایک مرتبہ پھر آئی بیٹے کیا سوچ رہے ہو اٹھو اور اپنے دوست کا منہ تو تو مرتے وقت دیکھ لو پھر اس نے واپس نہیں آنا آؤ بیٹا آؤ بیٹا شاباش کیونکہ آپ کا دوست مرتے وقت بار بار آپ کا نام لے رہا تھا یہ کہہ کر والد صاحب رونے لگے مجھے پر اب واضح ہو چکا تھا کہ میرا دوست واقعی مر چکا ہے میرا سر چکرانے لگا میں نے دیوانہ وار اٹھنے کی کوشش کی مگر کسی غیبی طاقت نے مجھے بیٹھنے پر مجبور کر دیا اتنے میں بابا جی کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی بیٹا جلدی جلدی اپنا عمل کرو آپ کے دوست کو کچھ نہیں ہوا یہ سب آپ کو عمل سے بعض رکھنے کے لئے کیا جا رہا ہے یہ سب نظر کا دھوکا ہے یہ سن کر میرے حواس بحال ہوئے اور میں نے اپنی تمام تر توجہ عمل پر مرکوز کر دی۔

اچانک وہ جنازہ جسے میرا والد دوست کہہ کر پکار رہا تھا اٹھا اور میری طرف بڑھا وہ میرا دوست ہی تھا وہ میرا دوست اسد ہی تھا وہ میرے قریب آیا اور مجھ سے مخاطب ہوا اے دوست تمہارا بہت بہت شکریہ آپ کا عمل مکمل ہو گیا ہے باہر آؤ اور مجھ سے گلے ملو دیکھو اب میں بالکل ٹھیک ہوں مگر ابھی تک فجر کی اذان نہیں ہوئی تھی اس لئے میں احتیاط سے اپنا عمل کرتا رہا دیکھتے ہی دیکھتے میری دوست کی شکل تبدیل ہونے لگی اب اس کی جگہ ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی نے لے لی خدا کی قسم میں نے اتنا حسن اپنی زندگی میں کبھی نہ دیکھا تھا وہ لڑکی بولی اے آدم زاد میرا اعتبار کرو یہ عمل چھوڑ دو میں آپ کو آپ کے وزن کے برابر سونا دینے کو تیار ہوں اور آپ کا دوست بھی ٹھیک ہو جائے گا اس کی آواز میں ایسی مٹھاس اور سحر تھا کہ ایک دفعہ تو میرا جی چاہا اس لڑکی کی بات مان لوں مگر بابا جی کی ہدایت ایک دفعہ پھر یاد آ گئی۔

میں اپنے عمل میں مصروف رہا سخت سردی کے باوجود میرے جسم سے پسینہ ایسے بہہ رہا تھا جیسے ساون کا مہینہ ہو خدا خدا کر کے فجر کی اذان کی آوازیں آنے لگیں ہر طرف رونے اور بین کرنے کی آوازیں آنے لگیں میں نے اپنا عمل مکمل کیا مسجد میں جا کر نماز فجر ادا کی اور اپنے رب کریم سے رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگی اس کے بعد میں سیدھا بابا جی کی خدمت میں حاضر ہوا بابا جی پہلے ہی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی مجھ سے گلے ملے اور بیٹھنے کے لئے کہا بابا جی بولے شاباش بیٹا مجھے تم سے یہی امید تھی اب جاؤ اور اپنے دوست اسد کو میرے پاس لے آؤ۔ میں فوراً اسد کو لے کر بابا جی کی خدمت میں حاضر ہوا بابا جی نے اسد کو اپنے سامنے بیٹھا کر کچھ پڑھ کر اسد پر دم کیا اور پانی دم کر کے اس کے چھینٹے اسد پر مارے جیسے ہی چھینٹے اسد پر پڑے اسد کے جسم سے ایک بھاری آواز آئی بابا جی اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے ان لوگوں نے مجھے تنگ کیا میری حویلی میں آ کر انہوں نے جس جگہ آگ جلائی وہاں میرے دو بیٹے سو رہے تھے جو جل گئے بابا جی بولے جو کچھ بھی ہوا سو ہوا تم اس لڑکے کی جان چھوڑ دو میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا ورنہ دوسری صورت میں جلا کر بھسم کر دوں گا۔

اچانک اسد کے جسم سے جو آواز آ رہی تھی اس نے قہقہہ لگایا ہا ہا ہی ہی بابا جی آپ میرا کچھ

نہیں بگاڑ سکتے میں ایک پنڈت چرن رام کی روح کا سایہ ہوں جو کہ کالے عمل کا بہت ہی طاقتور اور شیطان کا پجاری تھا اس لئے آپ کے لئے بہتر ہو گا کہ میرا خیال چھوڑ دو ورنہ اس لڑکے کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی ختم کر دوں گا بابا جی بولے جو عمل ہم نے کیا ہے اس کی وجہ سے آپ کی تمام شکتیاں ختم ہو گئی ہیں بابا جی کا جسم غصے کی وجہ سے کانپ رہا تھا بابا جی نے کچھ پڑھ کر اسد کے جسم پر پھونک ماری سایہ آہستہ آہستہ اسد کے جسم سے اترنا شروع ہو گیا اسد اب بے ہوش پڑا تھا اسے خبر نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔ بابا جی نے کچھ پڑھا اور سائے پر پھونک ماری اچانک سائے کو لال اور سبز رنگ کی آگ لگ گئی ایک زوردار چیخ کی آواز آئی اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ جب اندھیرا چھٹا تو اسد ہمارے سامنے بالکل ٹھیک حالت میں کھڑا تھا میری آنکھوں سے آنسو گرنے لگے میں نے اسد کو گلے لگایا بابا جی نے مجھے مبارک باد دی کہ بیٹا اب تمہارا دوست بالکل ٹھیک ہے بابا جی نے اسد کو ایک تعویز دیا اور ہمیں پانچ وقت نماز پڑھنے کی ہدایت کی ہم نے بابا جی کا شکریہ ادا کیا اور واپس گھر آ گئے اب میرا دوست بالکل ٹھیک ہے میں بابا جی کا احسان مند ہوں جنہوں نے میرے دوست کی جان بچائی۔

☆☆☆

زندگی

زندگی اتار ہے تو　　زندگی چڑھاؤ ہے
زندگی سفر ہے تو　　زندگی پڑاؤ ہے
نفرت ہے زندگی تو　　پیار بھی ہے
جیت ہے زندگی　　تو ہار بھی ہے
کبھی تو یہ دن ہے　　کبھی رات ہے
یہ بھی زندگی　　عجیب بات ہے

عمران حسین صدیقی ۔ سمونی شریف

حدیث قدسی

اے ابن آدم! اک تیری چاہت ہے اور اک میری چاہت ہے، ہوگا تو وہی جو میری چاہت ہے، اگر تو سپرد کر دیا اس کو جو میری چاہت ہے تو میں نہیں دوں گا وہ جو تیری چاہت ہے۔ اگر تم نے مخالفت کی اس کی جو میری چاہت ہے، تو میں تھکا دوں گا اس میں جو تیری چاہت ہے، پھر ہوگا تو وہی جو میری چاہت ہے۔

عمران حسین صدیقی ۔ سمونی شریف

ارشادِ خداوندی

دوسروں کو کم تر سمجھنا تکبر ہے اور ایسا کرنے والے جنت سے محروم رہیں گے۔
دنیا کی کسی نعمت پر نہ اتراؤ، اترانے والے اللہ کو نا پسند ہیں۔
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات پر عمل کر دتا کہ تم پر رحم کیا جائے۔
تم لوگوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔
گناہ سے سچی توبہ کرنے والا ایسا ہے جسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔
اللہ کی خصوصی مدد ڈٹ جانے والوں کے لئے ہے۔
سچا اور امانت دار تاجر انبیاء اور صدیقین کے ساتھ ہوگا۔

سونے کی مورتی
علی نصیب۔ سرگودھا

سونے کی مورتی

تحریر: علی نصیب۔ سرگودھا

اللہ اللہ کر کے میٹرک کے امتحان ختم ہوئے۔ میں اپنے کمرے میں سکون کی نیند سو رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے سے میری آنکھ کھل گئی دل میں سوچنے لگا کہ صبح صبح کس کا فون آ گیا۔ جب گھڑی پر نظر دوڑائی تو صبح کے دس بج رہے تھے۔ میں فوراً فون کی طرف لپکا' فون عامر کا تھا عامر میں آج شام کو آ رہا ہوں کل نصیب تمہیں اور نورین کو میرے ساتھ شمالی پہاڑیوں کی سیر کے لئے چلنا ہو گا کرن کے موبائل پر رنگ کی تو پتا چلا کہ وہ تو کراچی اپنی بہن کے ہاں پہنچی ہوئی ہے اس لئے یار تم دونوں کو ضرور چلنا ہو گا عامر کیا نورین چلے گی یار نصیب تم کس مرض کی دوا ہو تم اُسے رضامند کر لینا عامر تو کہتا ہے تو کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ میں نے فون بند کیا اپنی سائیکل لی اور نورین کے گھر گیا گھر میں داخل ہوتے ہی نورین نورین چلانا شروع کر دیا' نصیب میں کچن میں ہوں یہیں آ جاؤ نصیب کیا بات ہے نورین عامر کا فون آیا تھا وہ شام کو پہنچ جائے گا اور ہمیں صبح اس کے ساتھ سیر کو جانا ہے۔ چلنا کہاں ہے شمالی پہاڑوں کی سیر کو نصیب اگر تم کہتے ہو تو میں ایک شرط پر چلوں گی وہ کیا جس راستے سے ہم جا رہے ہیں اسی راستے پر ایک گاؤں ہے اس گاؤں میں میری آنٹی رہتی ہیں اچھا ادھر بھی چلیں گے اب میں چلتا ہوں تم بس اپنی تیاری مکمل رکھنا ہم صبح نو بجے اپنے سفر کے لئے گھر سے نکلیں گے او کے۔

عامر' کرن اور نورین میرے بچپن کے دوست ہیں ہم نے پرائمری ایک ہی سکول میں پاس کی اور ہائی میں بھی ایک ہی سکول میں ایڈمیشن لیا کرن کی ایک بڑی بہن تھی جس کی شادی ہو چکی تھی کرن کی ماں اکثر بیمار رہتی تھی اس لئے گھر کا کام کاج سنبھالنے کے لئے کرن کو سکول چھوڑنا پڑا مڈل پاس کرنے کے بعد عامر بھی اپنے والدین کے ساتھ لاہور چلا گیا کیونکہ عامر کے ابو ایک بینک منیجر تھے ان کی ٹرانسفر لاہور میں ہو گئی عامر نے لاہور کے کسی سکول میں داخلہ لے کر اپنا تعلیمی سفر جاری رکھا نورین اور میں نے ایک ہی سکول میں میٹرک کے امتحانات دیئے۔

شام کے چھ بجے تھے کہ عامر نے ہمارے دروازے پر دستک دی السلام وعلیکم آنٹی وعلیکم السلام جیتے رہو بیٹا کب آئے ہو بس ابھی ہی امی ابو بھی آئے ہیں جی آنٹی آنٹی نصیب کہاں ہے بیٹا وہ تو اپنے کمرے میں سو رہا ہے یہ نصیب بھی ہر وقت سویا ہی رہتا ہے نصیب نصیب بھائی تم کو سونے کے علاوہ بھی کوئی کام ہے یا نہیں؟ یار عامر ابھی تین بجے ہی تو سویا ہوں' اچھا جلدی جلدی چلو میرے ساتھ چلتے ہیں ابھی چلتے ہیں اتنی بھی جلدی کیا ہے مجھے کنگی تو کرنے دو اب تو گھنٹہ لگائے گا اسے دیوگن کی طرح پف بنائے گی' دو منٹ صرف دو منٹ چلو عامر بیٹا چائے تو پی لو آنٹی پھر آ کے پیتے ہیں عامر اپنی گاڑی لایا تھا۔

گاڑی میں ہم بیٹھے اور شہر کی طرف نکل پڑے شہر میں دو پرانے دوستوں سے ملاقات ہوئی ان کے بعد ہم نے ایک ہوٹل سے کھانا کھایا اور پھر شہر کی سڑکیں چھانتے چھانتے بارہ بجے گھر واپس آ گئے۔ گڈ نائٹ نصیب اب میں چلتا ہوں صبح کے

لئے تیاری بھی کرنی ہے تم بھی اپنی کچھ تیاری کر لینا میں تو گھر آتے ہی سو گیا صبح پانچ بجے اذانوں کی آواز سے بیدار ہوا اٹھا نماز پڑھی اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے کے بعد میں نے کپڑے، کیمرہ اور کچھ چیزیں بیگ میں رکھیں ناشتہ سے فراغت کے بعد چائے نوش کر رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔کون ہے بھائی دروازہ کھلا ہے اندر آ جائیے۔نصیب چلو یار امی عامر کے لئے ایک کپ چائے دے دیں اچھا بیٹا چائے نوش کرنے کے بعد ہم نورین کے گھر گئے تو نورین تیار ہی کھڑی تھی نورین بہت خوبصورت لگ رہی تھی میں نے نورین کی تصویر کھینچ کر تصویروں کا آغاز کیا نصیب ابھی ٹور تو آگے پڑا ہے گھبراؤ نہیں عامر بھی اپنا کیمرہ لایا ہے ہم ساڑھے نو بجے کے قریب گھر سے روانہ ہوئے چار گھنٹے کا سفر طے کرنے کے بعد راستے میں ایک گاؤں میں پریشان بوڑھے نے گاڑی روکنے کے لئے ہاتھ دیا۔مہربانی کر کے میری مدد کریں میرا بیٹا بہت سخت بیمار ہے اسے ہسپتال لے جانا ہے ہمیں اس کی حالت پر ترس آیا اور ہم بچے کے پاس گئے بچہ بخار میں تپ رہا تھا نورین نے آگے بڑھ کر بخار چیک کیا نورین کی بہن تہمینہ ڈاکٹر ہے اس لئے نورین بھی کافی دلچسپی رکھتی تھی اور اپنے بیگ میں کچھ دوائیں رکھتی تھی نورین نے بچے کو انجکشن لگایا اور کچھ گولیاں دیں۔بابا جی پریشانی کی بات نہیں یہ گولیاں اسے تین گھنٹے کے بعد دینی بچہ میں آپ کا کیسے شکریہ ادا کروں یہ انگوٹھی رکھ لو یہ میرے پیر صاحب نے بیس سال کی سیوا کے بعد دی ہے یہ تم کو بھوت پریت سے بچائے گی نورین بھوت پریت پر یقین نہیں رکھتی تھی اس لئے آگے بڑھ کر میں نے لے لی انگوٹھی اور بابا جی کی دعائیں ساتھ لے کر پھر ہم روانہ ہوئے دو گھنٹے کے سفر کے بعد نورین کی آنٹی کا گھر آ گیا نورین بیٹا کیسی ہو ٹھیک ہوں یہ نصیب اور عامر میرے بچپن کے دوست ہیں۔السلام علیکم آنٹی وعلیکم السلام بیٹا آؤ بیٹھو چائے شائے پینے کے بعد نورین کا کزن عمران آیا ہیلو نصیب کیسے ہو اپنی سناؤ عمران نصیب تم نے پہلے نہیں بتایا کہ تم ایک دوسرے کو جانتے ہو اپنے شہر میں میں ہی تو ایک اس کا دوست ہوں۔پھر کھانے کا ٹائم ہو گیا پھر سب نے کھانا کھایا اور رات دیر تک گپیں لگاتے رہے اور پھر سو گئے صبح دس بجے ناشتہ کر کے روانہ ہو گئے دو گھنٹے کے سفر کے بعد پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا ایک بڑے سے درخت کے پاس گاڑی کھڑی کی اور لنچ کیا پھر کچھ دیر آرام کے بعد رواں دواں ہوئے گرمی کی وجہ سے پیاس بہت لگ رہی تھی۔یار عامر پانی اس ویرانے میں کہاں سے ملے گا نصیب وہ دیکھ ایک بڑھیا مٹی کا گھڑا اٹھائے جا رہی ہے شاید اس سے ہمیں پانی ملے چلو بڑی ماں کیا آپ ہمیں پانی پلا سکتی ہیں کیوں نہیں یہ لو بیٹا پانی پانی پیتے ہی ہمیں نیند آ گئی جب میں جاگا تو پانچ بجے تھے۔

نورین اور عامر گاڑی سے غائب تھے میں نے سوچا یہیں گھوم پھر رہے ہوں گے میں نیچے اتر کر ادھر ادھر دیکھنے لگا رات اپنا اندھیرا پھیلانے میں مگن تھی دور دور تک دیکھنے کے بعد تھک کر ایک جگہ بیٹھ گیا آخر وہ کہاں گئے اب تک تو ان کو آ جانا چاہیے تھا پریشانی سے میرا برا حال تھا۔سامنے سے ایک مدھم سی روشنی میری طرف بڑھتی دکھائی دی اور میں کھڑا ہو گیا کچھ لمحے بعد میرے سامنے ایک سفید لباس میں ملبوس نورانی چہرے والا بزرگ کھڑا

تھا۔ آپ نے میرے دوستوں کو تو ہاں بیٹا میں جانتا ہوں تمہارے دوستوں کو تیتا جادوگرنی لے گئی ہے ۔تیتا جادوگرنی کون ہے بابا جی؟ تیتا جادوگرنی وہی ہے جس سے تم نے پانی پیا تھا وہ تو تمہیں بھی لے جاتی اگر تمہارے ہاتھ میں یہ پاکیزہ انگوٹھی نہ ہوتی وہ میرے دوستوں کو کیوں لے گئی ہے؟ بیٹا یہ بہت پرانی کہانی ہے آج سے کئی سو سال پہلے کی بات ہے یہاں سے تھوڑا آگے ایک مندر ہے اور اس مندر میں ایک سونے کی مورتی تھی جس کے سر پر ہیروں کا تاج تھا تیتا اور اس کا شوہر شاہمون جادوگر کے دل میں لالچ پیدا ہو گیا' ایک دن اماوس کی رات کو وہ اسے چرانے کے لئے گئے تو پجاری نے انہیں دیکھ لیا مورتی چراتے ہوئے' اس نے گاؤں والوں کو بلانا شروع کر دیا شاہمون نے پجاری کو مار ڈالا پجاری کی چیخوں سے گاؤں والے مندر کی طرف لپکے گاؤں والوں نے مل کر شاہمون کا کام تمام کر دیا' تیتا رات کی تاریکی میں بھاگنے میں کامیاب ہو گئی گاؤں والوں نے شاہمون کی لاش مندر کے پیچھے عیسائیوں کے قبرستان میں پھینک دی۔ صبح ہوتے ہی پرندوں اور جانوروں نے شاہمون کا گوشت نوچ ڈالا' شاہمون کی حالت بہت بھیانک ہو چکی تھی ناک آنکھیں کان غائب تھے شاہمون کی لاش دیکھنے سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے آدھی رات گزرنے کے بعد تیتا کو جب اپنی جادوئی طاقت سے شاہمون کی لاش کا پتہ چلتا ہے تو وہ قبرستان میں آ کے لاش کو ایک پہاڑی میں لے جاتی ہے۔نہیں چھوڑوں گی کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گی ایک دن سب گاؤں والے مندر میں پوجا کے لئے جمع تھے کہ ایک دم طوفان آ گیا کچھ دیر کے بعد طوفان ختم ہو گیا اور خون کی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی' بارش میں اولوں کی جگہ انسانی آنکھیں برسنے لگیں' یہ بارش مندر کے اردگرد ہی تھی اس واقع کے بعد لوگوں نے ڈر کے مارے مندر آنا چھوڑ دیا اس دوران تیتا کو موقع ملا تو اس نے شاہمون کی لاش مندر کے نیچے والے تہہ خانے میں رکھ دی۔ اس کے بعد جو بھی آدمی مندر میں آتا زندہ واپس نہ جاتا شاہمون کو گاؤں والوں نے ایسی بھیانک موت مارا کہ اس کی روح امر نہ ہو سکی۔ اب شاہمون کی روح بھٹک رہی ہے تیتا ہر اماوس کی رات کو اٹھارہ سالہ انسان کو جو چاند کی چودھویں رات کو پیدا ہوتا ہے۔ اس کا خون شاہمون کے ڈھانچے پر ڈالتی ہے اس کی وجہ سے شاہمون پھر سے زندہ ہو جائے گا اب تو تیتا کی شیطانی طاقت بھی دگنی ہو گئی ہے اگر تیتا اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تو دنیا میں عذاب آ جائے گا یہ اس کی آخری بلی ہے اور نورین ایسی لڑکی ہے جو چاند کی چودھویں رات کو پیدا ہوئی ہے اور دو دن بعد اماوس کی رات ہے ہر طرف شیطانی حکومت ہو گی اور ہر طرف تباہی برپا ہو گا اب بیٹا تم ہی اپنے دوستوں اور دنیا کو بچا سکتے ہو میرا پاک کلام اس کے کالے عمل سے نہیں ٹکرا سکتا۔ ہاں بابا جی میں نورین کو اور اس دنیا کو ضرور بچاؤں گا۔

بس آپ مجھے یہ بتایئے کہ مجھے کرنا کیا ہو گا میں تیتا تک کیسے پہنچ سکتا ہوں بیٹا تمہیں ایک چلہ کرنا ہو گا مگر جلدی کیونکہ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے اس لئے تم آج سے ہی چلہ شروع کر دو مندر کے پیچھے والے قبرستان میں ایک درخت ہے اس کے نیچے ایک دائرہ کھینچ کر میرے بتائے ہوئے کلام پڑھنا' اس عمل میں تمہیں بہت ڈرایا

جائے گا بہت سی خوفناک چیزیں دکھائی دیں گی مگر بیٹا تم بالکل مت گھبرانا کیونکہ وہ سب نظر کا دھوکا ہو گا اگر تم دائرے سے باہر نکلے تو مارے جاؤ گے اور یہ عمل ختم ہونے کے بعد تمہارے سامنے ایک دیو ہو گا وہ تمہیں شاہمون کا ڈھانچہ لا دے گا اور تم ڈھانچے کو آگ لگا دینا ڈھانچے کو آگ لگتے ہی تیتا کی شیطانی طاقتیں ماند پڑھ جائیں گی اور تم آسانی سے تیتا کو مار سکو گے اب تم جاؤ' منزل بہت دور ہے میں پرسوں رات اسی وقت یہاں پر ملوں گا۔ میں نے گاڑی لی اور آگے قبرستان چلا گیا اور اس بزرگ کے بتائے ہوئے عمل کو شروع کر دیا پہلی رات تو کچھ نہ ہوا بس جانوروں کی آوازوں سے خوف آتا رہا' عمل مکمل ہوا اور میں صبح پانچ بجے اسی والی جگہ پر آ گیا ایک درخت کے نیچے گاڑی کھڑی کی بھوک سے برا حال تھا۔ گاڑی کی ڈگی کھولی تو پتا چلا کہ عامر کافی سارا کھانے کا سامان لایا ہوا ہے فروٹ وغیرہ کھا کے میں سو گیا تین بجے آنکھ کھلی اور ساتھ والے گاؤں میں چلا گیا وہاں ہوٹل سے چائے پی اور پانی لے کر واپس اسی جگہ آ گیا کپڑا اچھا کر مغربین پڑھی نماز کے بعد پھر اپنی منزل کی طرف بڑھا اور دائرہ کھینچ کر عمل شروع کر دیا رات بارہ بجے کے بعد ایک دم طوفان آ گیا طوفان رکتے ہی خون کی بارش شروع ہو گئی مندر والی بارش کی طرح انسانی آنکھیں اولوں کی طرح گرنے لگیں تھوڑی دیر بعد درختوں سے کھوپڑیاں گرنی شروع ہو گئیں یہ سب کچھ دائرے کے باہر ہو رہا تھا دیکھتے ہی دیکھتے کھوپڑیوں کا پہاڑ بن گیا خوف سے میرا برا حال تھا۔ ڈر کے میں نے آنکھیں بند کر لیں کچھ دیر بعد کھولیں تو وہاں کچھ نہیں تھا عمل مکمل ہونے کو تھا کہ آذان فجر ہونے لگی۔ عمل مکمل ہوا اور میں نے ساتھ والے گاؤں کی مسجد میں نماز ادا کی ہوٹل سے ناشتہ کیا اور واپس آ گیا رات کے جگراتے کی وجہ سے جلدی ہی سو گیا پانچ بجے آنکھ کھلی تو گاڑی سے کھانے کی چیزیں نکال کر کھانے لگا پھر ایک ٹیلے پر چڑھ کر دور بین سے علاقے کے دلکش مناظر دیکھنے لگا دائیں طرف منہ کیا تو مندر نظر آنے لگا مندر کو دیکھ کر نورین اور عامر یاد آ گئے پھر ان کی یاد میں مایوس ہو کر بیٹھ گیا اتنے میں اذان مغربین ہو گئی اندھیرا چھانے لگا۔ کچھ دیر میں وہی بزرگ آ گئے بیٹا مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں ہے آج آخری رات ہے انشاءاللہ کامیابی ہمکنار ہو گی اب تم اپنی منزل کی طرف بڑھو میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں یاد رہے ضرورت کا سامان ساتھ لے جانا میں نے اللہ کا نام لیا اور گاڑی سٹارٹ کر کے منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ قبرستان میں پہنچ کر گاڑی سے پٹرول اور ماچس لے کر اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گیا۔ آج قبرستان پہلے سے زیادہ خوفناک لگ رہا تھا چاند تھا مگر کالا ہر طرف تاریکی طاری تھی عمل شروع کرنے کے کچھ ہی دیر بعد دس بارہ ڈھانچے ہماری گاڑی کو اٹھا کر میرے سامنے لائے اور پھر توڑنا شروع کر دیا' ہماری گاڑی کے پرزے پرزے کر دیئے مگر میں اپنے عمل میں مگن رہا تقریباً بارہ بجے کے بعد دو ڈھانچے عامر کو پکڑ لائے آتے ہی انہوں نے عامر کا سر دھڑ سے الگ کر دیا ایک نے عامر کا خون پینا شروع کر دیا اور دوسرے نے عامر کا دل نکال کر چبانے لگا مجھ سے یہ سارا منظر دیکھا نہ گیا اس لئے میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور تیز تیز عمل پڑھنے لگا کچھ ہی دیر میں عمل ختم ہو گیا عمل ختم ہوتے ہی ایک بڑا سا جن حاضر ہو گیا۔ کیا

حکم ہے میرے آقا مجھے شاہمون کا ڈھانچہ چاہیے جو تیتا کے قبضے میں ہے ابھی لایا میرے آقا۔ کچھ دیر بعد وہ جن پھر آیا یہ لیں میرے آقا اب تم آزاد ہو یہاں سے جا سکتے ہو جو حکم میرے آقا' ڈھانچے کے آتے ہی قبریں پھٹنے لگیں اور مردے اٹھ کر میری طرف آنے لگے مگر جو بھی دائرے سے ٹکراتا جل کر راکھ ہو جاتا میں نے شاہمون کے ڈھانچے پر پٹرول ڈال دیا اتنے میں وہی بوڑھی میرے سامنے آ کھڑی ہوئی پلک جھپکتے ہی اس نے ایک جوان دوشیزہ کا روپ دھار لیا اس کو مت جلاؤ میں تمہیں تمہارے دوست اور بہت ساری دولت لا دیتی ہوں اتنی دولت کہ تمہاری سات پشتیں بھی کھائیں تب بھی ختم نہ ہو گی تم دنیا کے سب سے دولت مند انسان بن جاؤ گے آؤ میرے ساتھ مگر میں نے اس کی مکاری کو سمجھ لیا تھا میں ڈھانچے کو آگ لگانے لگا آگ لگتے ہی ہر طرف چیخ وپکار شروع ہو گئی درخت ہوا میں اڑنے لگے یہ تم نے کیا کیا تم نے میری برسوں کی محنت پر پانی پھیر دیا تیتا کبھی گڑگڑانے لگی مجھے معاف کر دو نہیں تیتا تم نے بہت سے مظلوموں کی جانیں لیں ہیں اس لئے تمہیں مرنا ہو گا تمہیں سب کا حساب چکانا ہو گا مجھے چھوڑ دو' میں تمہارے پاؤں پکڑتی ہوئی تیتا کی یہ حالت دیکھ کر مجھے ذرا ترس نہ آیا اور میں نے اس پر بھی پٹرول ڈال کر آگ لگا دی پھر وہی طوفان آ گیا مندر کی گھنٹیاں بجنے لگیں کچھ ہی دیر میں ایک سناٹا چھا گیا اب قبرستان صاف اور بالکل پرسکون تھا۔ سب چیزیں طوفان میں غائب ہو گئیں اور طوفان رک گیا طوفان رکتے ہی میں گاڑی کی طرف بڑھا ابھی کچھ قدم ہی چلا تھا کہ مجھے نورین نظر آئی میں نے اسے اٹھایا اور گاڑی میں ڈالا گاڑی کی لائٹیں جلائیں تو سامنے ہی قبر کے پیچھے عامر بے ہوش پڑا تھا عامر عامر اٹھو عامر ہوش میں آؤ عامر' پانی پانی میں بھاگ کر گاڑی سے پانی لے آیا پانی پینے کے بعد عامر کو کچھ ہوش آیا عامر کو پکڑ کر گاڑی میں بیٹھایا اور جلدی سے واپس اس جگہ پہنچا جہاں وہ بزرگ ملا تھا۔ آخری دفعہ اس بزرگ کی زیارت کی اور پھر گاڑی گھر کی طرف بڑھانا شروع کر دی سورج کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی تھی کچھ دیر آرام کرنے کے بعد نورین اور عامر مکمل ٹھیک ہو گئے انہیں راستے میں ساری کہانی سنائی۔

اتنے میں گھر پہنچ گئے گھر پہنچتے ہی شکرانے کے دو نفل ادا کیے کچھ دن کے بعد گھر والوں نے میری اور نورین کی منگنی کر دی اس کے کچھ دن بعد ہم سب کا رزلٹ آیا اور ہم تینوں اچھے نمبروں سے پاس ہو گئے یار نصیب اب میں آؤں گا اور تم دونوں کی شادی کروا کے جاؤں گا عامر کی واپسی کا واپسی کا وقت ہو گیا عامر واپس لاہور چلا گیا اور ہم سب خوشی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔ قارئین اگر میری لکھی ہوئی کہانی آپ کو پسند آئے تو اے این کے ملن کی دعا ضرور کریں شکریہ۔

☆☆☆

فرمان نبویؐ

لوگوں میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ ان کا مقصد پیٹ ہوگا اور دولت ان کی عزت ہوگی اور عورت ان کا قبلہ ہوگی اور روپیہ ان کا دین ہوگا اور وہ بدترین لوگ ہوں گے اور آخرت میں ان کا حصہ نہیں ہوگا۔

ساغر جی دکھی۔ پاکپتن

بے گناہ
غلام نبی ساغر۔ کراچی

بے گناہ

تحریر: غلام نبی ساغر۔ کراچی

وزیر: جی بادشاہ سلامت وزیر بہت پیاس لگی ہوئی ہے کہیں پانی تلاش کرو۔ بادشاہ سلامت اس جنگل میں پانی کا ملنا بہت مشکل ہے پھر بھی میں کوشش کرتا ہوں اگر کہیں پانی مل گیا تو جلدی تلاش کرو وزیر میرا حلق خشک ہو رہا ہے اچھا بادشاہ سلامت ابھی ڈھونڈ کر لاتا ہوں کہیں سے پانی وزیر نے بولا۔ جنگل چھان مارا مگر اسے کہیں سے پانی کا قطرہ نہ ملا اچانک وزیر کو ایک بہت بڑا درخت نظر آیا وزیر نے سوچا اس درخت پر چڑھ کر دیکھتا ہوں ہوسکتا ہے کوئی گاؤں وغیرہ نظر آجائے۔ وزیر یہ سوچ کر درخت پر چڑھ گیا اور اپنی نظریں چاروں طرف دوڑائیں تو اسے بہت دور ایک گاؤں نظر آگیا۔ گاؤں دیکھ کر وزیر کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وزیر جلدی جلدی درخت سے اترا اور دوڑتا ہوا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیا پانی نہیں ملا وزیر بادشاہ نے وزیر کے ہاتھ میں خالی پانی کی بوتل دیکھتے ہوئے کہا۔ نہیں بادشاہ سلامت پانی تو نہیں ملا یہاں البتہ ایک بہت دور گاؤں نظر آیا ہے جس سے ہمیں پانی مل سکتا ہے تو پھر چلو گاؤں میں چل کر پانی پیتے ہیں۔

یہ دونوں گاؤں کی طرف گھوڑوں پر سوار ہو کر چل دیئے بادشاہ سلامت آج کا دن ہمارا بہت بور گزر رہا ہے ہم شکار کی تلاش میں بہت دور جنگل میں آگئے اور ہمارے ہاتھ کوئی شکار بھی نہیں لگا۔ بس کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ ضروری تو نہیں کہ ہر روز ہی شکار ہاتھ آئے کبھی کبھی ناکامی کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ بادشاہ نے یہ باتیں کر کے وزیر کے ہونٹوں پر چپ کی مہر لگا دی کچھ دیر بعد یہ گاؤں میں داخل ہوئے تو انہیں سامنے ایک ندی نظر آئی جو پانی سے بھری ہوئی اپنے جوبن پر چل رہی تھی۔ یہ ندی گاؤں کے قریب سے گزر رہی تھی جس کا پانی شاید پورا گاؤں استعمال کرتا تھا۔ اس ندی کے دونوں اطراف بڑے بڑے درخت لگے ہوئے تھے جن کے درمیان میں ایک خوبصورت سا رستہ بنا ہوا تھا درختوں پر پرندوں نے شور مچایا ہوا تھا یعنی کہ بہت خوبصورت نظارہ تھا۔

بادشاہ اور وزیر گھوڑوں سے اترے اور ندی پر آگئے۔ انہوں نے جی بھر کے پانی پیا اور آرام کی غرض سے درختوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ گئے۔ بادشاہ سلامت کیا آپ نے یہ محسوس کیا ہے کہ ہم کب سے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں مگر ہمیں یہاں اب تک کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔ بات تو تم واقعی وزیر سچ کہہ رہے ہو ہمیں یہاں اب تک کوئی انسان کا بچہ بھی نظر نہیں آیا۔ چلو گاؤں کے اندر چل کر دیکھتے ہیں۔

یہ دونوں اٹھ کر گاؤں میں چلے گئے انہوں نے پورا گاؤں چھان مارا مگر انہیں کوئی آدم زاد نظر نہیں آیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا وزیر ہر چیز قرینے سے رکھی ہوئی ہے مکان بھی کتنے خوبصورت خوبصورت بنے ہوئے ہیں ہر چیز اپنی جگہ پر موجود ہے مگر گاؤں کے لوگ نہ جانے کہاں گئے۔ یہاں کوؤں چیلوں اور گدھوں کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔ بادشاہ نے دیواروں پر بیٹھے ہوئے پرندوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ دونوں باتوں میں مصروف تھے کہ اچانک چڑیل کی نظریں ان دونوں پر پڑ گئیں۔ چڑیل اپنے سامنے شکار دیکھ کر بہت خوش ہوئی کہ چلو خود ہی شکار چل کر سامنے آگئے۔ یہ صبح سے شکار کی تلاش میں گھوم رہی تھی۔ چڑیل پہلی ہی نظر

میں دیکھ کر ان دونوں کو پہچان گئی کہ یہ وزیر اور بادشاہ ہیں۔ یہی وہ چڑیل ہے جس نے سارے گاؤں کو برباد کر دیا ہے گاؤں کے ہر آدمی کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آج وہ دن تھا جو کہ چڑیل کے علاوہ گاؤں میں آدم زاد کا وجود نظر نہیں آ رہا تھا۔ سب لوگ اس ظالم چڑیل کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔ پورے گاؤں کو ختم کر کے اب یہ فریبن روتی ہوئی وزیر اور بادشاہ کی طرف بڑھی۔ بادشاہ اور وزیر نے دیکھا کہ ایک حسین و جمیل لڑکی روتی ہوئی ہماری طرف آ رہی ہے تو ان دونوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ چلو کوئی تو انسان نظر آیا۔ اس سے پہلے کہ وہ ان کے پاس آتی یہ خود دونوں قدم بڑھاتے ہوئے اس چڑیل لڑکی کے پاس پہنچ گئے۔ وزیر نے آگے بڑھ کر لڑکی کے شانے پر اپنا دائیں ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا کہ تم کیوں رو رہی ہو لڑکی یہ فریبن مسلسل روئے جا رہی تھی اس نے وزیر کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وزیر نے پھر اپنا بائیں ہاتھ اس کے دوسرے شانے پر رکھ دیا اور دونوں شانوں کو ہلاتے ہوئے بڑی بے قراری سے کہنے لگا کہ خدا کے لئے کچھ تو بتاؤ تم کیوں رو رہی ہو اور یہ گاؤں کے سب لوگ کہاں چلے گئے یہ گاؤں کیوں ویران پڑا ہوا ہے کچھ تو بولو۔ وزیر اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظوں کا منتظر تھا آخر کار اس نے اپنے دوپٹے سے آنسو صاف کرتے ہوئے اپنے خاموش ہونٹوں کو حرکت دی اور کہنے لگی کہ باؤ جی گاؤں میں نہ جانے ایسا کون سا خونخوار درندہ آیا ہوا ہے جس نے پورے گاؤں کو موت کی بھینٹ اتار دیا ہے کچھ لوگ تو خوف کی وجہ سے گاؤں چھوڑ کر چلے گئے تھے اور جو یہاں باقی بچے تھے وہ اس ظالم خونخوار درندے کی خوراک بن گئے۔ سارے گاؤں میں میں ہی ایک زندہ بچی ہوں شاید میری ابھی آج آخری رات ہو کیونکہ وہ درندہ رات کو ہی انسانوں کا خون پینے آتا ہے اور آج گاؤں میں میرے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے۔ ظاہر ہے میں ہی آج اس درندے کی خوراک بنوں گی بادشاہ اور وزیر اس کی باتیں سن کو خوف زدہ سے ہو گئے۔ کیا نام ہے تمہارا بادشاہ نے اس چڑیل سے پوچھا۔ باؤ جی میرا نام شیری ہے۔ دیکھو شیری تم ہمارے ساتھ چلو ہم نہیں چاہتے کہ تم بھی گاؤں والوں کی طرح اس خونی درندے کی بھینٹ چڑھو کیا تم ہمارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو فوراً اس کے شیطانی دماغ نے کام کیا اور سوچنے لگی کہ شیری یہاں تو یہ دو شکار ہیں اور شہر میں تو نہ جانے ایسے کتنے شکار ہوں گے۔ شہر میں ہی چلنا چاہئے۔

کیا سوچ رہی ہو کیا چلنے کیلئے تیار ہو بادشاہ نے پھر پوچھا جان کس کو پیاری نہیں باؤ جی کون کمبخت ہے جو انکار کرے گا میں ضرور چلوں گی تمہارے ساتھ یہ تو تمہارا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے جسے میں زندگی بھر نہیں بھلا سکتی۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ تم اپنے ساتھ گھوڑے پر بیٹھا لو وزیر اس کے پاس گھوڑا لایا اور اسے سہارا دے کر گھوڑے پر بیٹھا دیا اور پھر یہ اپنے محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان بیچاروں کو کیا علم تھا کہ ہم موت کو اپنے ساتھ بیٹھا کر لے جا رہے ہیں۔ کافی سفر طے کرنے کے بعد یہ محل میں داخل ہو گئے۔ اس بادشاہ کی سات بیویاں تھیں اور اس بادشاہ کا نام بہرام تھا۔ جب بادشاہ سے اس کی بیویوں نے پوچھا کہ یہ لڑکی کون ہے تو بادشاہ نے شیری چڑیل کی الف سے لے کر ے تک ساری کہانی ان کو سنا دی۔ جسے سن کر ان سب کو بہت دکھ ہوا۔ ان سب عورتوں نے شیری کو باری باری اپنے گلے سے لگایا اور کہنے لگیں کہ دیکھو تم ہماری بہن ہو اور ہمیں بھی اپنی بہن ہی سمجھنا

جس طرح یہ محل ہمارا ہے اسی طرح تمہارا بھی ہے تمہیں کسی چیز کی بھی ضرورت ہو تو ہم سے بغیر پوچھے استعمال کر سکتی ہو کی بات کی جھجک مت کرنا۔

آج شیری کو محل میں رہتے ہوئے دس دن ہو چکے تھے اس نے یہ دن نہ جانے خون پینے کے بغیر کس طرح گزار لئے۔ آج کی رات اسے خون کی بڑی طلب ہو رہی تھی بڑی بے قرار تھی خون پینے کے لئے۔ آخر کار اس سے رہا نہ گیا بھلا رہا بھی کیسے جاتا یہ ایک چڑیل تھی اور چڑیل خون پیئے بغیر کیسے رہ سکتی ہے۔ یہ اٹھی اور باہر محل کے صدر دروازے پر آگئی دروازے پر پہرے دار ہاتھ یں تلوار لئے کھڑا تھا۔ یہ آرام سے گئی اور جاتے ہی اس معصوم پہرے دار پر حملہ کر کے اپنے دونوں نوکیلے دانت اس کی گردن میں گاڑھ دیئے اس نے منٹوں میں اس کے جسم سے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لیا خون پی کر فارغ ہوئی تو جا کر پھر بڑے سکون سے سو گئی۔ صبح ہوئی تو پورے شہر میں بادشاہ کے محل کے پہرے دار کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگ بڑے حیران تھے کہ بادشاہ کے محل میں کیسے قتل ہو گیا کسی کو یقین ہی نہ تھا کہ محل میں بھی قتل ہو سکتا ہے۔ بادشاہ نے بہت کوشش کی کہ قاتل کسی طرح پکڑا جائے مگر بادشاہ قاتل کو پکڑنے میں ناکام رہا۔ اب تو شیری کے منہ خون لگ چکا تھا جس کی وجہ سے شہر میں ہر روز قتل ہونے لگا۔ شیری ہر دن کسی نہ کسی کا خون پی کر اسے موت کی وادی میں پہنچا دیتی۔ پورے شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ لوگوں نے بادشاہ کے دربار میں آنا شروع کر دیا اور آ کر فریادیں کرنے لگے کہ بادشاہ خدا کے لئے قاتل کو گرفتار کریں آئے روز قتل ہو رہا ہے اگر اسی طرح روز قتل ہوتے رہے تو ایک دن یہ پورا شہر ختم ہو جائے گا۔

بادشاہ آنے والوں کو تسلیاں دیتا رہا اور کہتا رہا کہ تم فکر مت کرو ہم قاتل کو جلد سے جلد گرفتار کر لیں گے۔ بادشاہ کی لاکھ کوشش کرنے کے باوجود بھی قاتل گرفتار نہ ہو سکا۔ آخر کار بادشاہ نے مجبور ہو کر پورے شہر میں اعلان کر دیا کہ جو بھی قاتل کو زندہ یا مردہ گرفتار کرے گا اسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ شہر کے لوگوں نے انعام لینے کے لئے بہت کوشش کی کہ قاتل کسی طرح ہاتھ لگ جائے مگر یہ شہر والوں کی بھول تھی کہ قاتل پکڑا جائے گا۔ قاتل کو کوئی بھی نہیں پکڑ سکتا تھا اور نہ ہی قاتل ہاتھ آنے والا تھا۔ رات کافی گزر چکی تھی مگر بادشاہ کو نیند نہیں آ رہی تھی بادشاہ کی نیندیں تو اس قاتل نے حرام کر رکھی تھیں۔ بادشاہ ان ہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک اس کے شبستان کے دروازے پر دستک ہوئی بادشاہ نے سوچا اتنی رات گئے یہ کون آیا ہے بہرحال بادشاہ اٹھا اور دروازہ کھول دیا سامنے شیری کو دیکھ کر حیران ہو گیا کہ یہ اتنی رات میرے پاس کیوں آئی ہے۔ مجھے معلوم ہے بادشاہ سلامت آپ مجھے اتنی رات گئے یہاں دیکھ کر پریشان ہو گئے ہوں گے بادشاہ سلامت میں یہاں کیوں آئی ہوں اور کیا کرنے آئی ہوں اگر آپ مجھے اندر شبستان میں آنے کی اجازت دیں تو میں آپکو بتاؤں بادشاہ نے کچھ سوچا اور پھر دروازے سے ایک طرف ہوتے ہوئے شیری کو اندر آنے کو کہا شیری اندر شبستان میں داخل ہو گئی اور کہنے لگی کہ بادشاہ مجھے معلوم تھا آپ اب تک نہیں سوئے کیوں کہ آپ کی نیندیں تو ایک قاتل نے حرام کر رکھی ہیں تم کھل کر بات کرو کہنا کیا چاہتی ہو بادشاہ میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جس قاتل کو آپ

نہیں پکڑ سکے جسے پورا شہر نہیں پکڑ سکا اس قاتل کو میں پکڑوں گی۔ تم کیسے پکڑو گی بادشاہ نے شیری کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا بادشاہ وہ میرا مسئلہ ہے کہ میں قاتل کو کیسے گرفتار کروں گی۔ شیری نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا شیری اگر تم نے قاتل کو گرفتار کروا کر اگر میری پریشانی حل کر دی تو میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔ انعام تو میں ضرور لوں گی بادشاہ مگر قاتل گرفتار ہونے کے بعد۔ بادشاہ شیری کی یہ بات سن کر ذرا سا مسکرا دیا بادشاہ سلامت آپ اب آرام سے سو جائیں۔ دو دن کے اندر اندر قاتل گرفتار ہو جائے اگر میں قاتل گرفتار کرنے میں ناکام ہو گئی تو آپ میرا سر قلم کرا دینا شیری واپس کمرے سے باہر آ گئی اور پھر اپنے شکار کی تلاش میں محل سے باہر نکل آئی۔ اسے شکار تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی جلد ہی شکار اس کے ہاتھ لگ گیا اس نے اس کے خون سے اپنی پیاس بجھائی اور آ کر اپنے کمرے میں سو گئی۔

دن نمودار ہوا تو پھر شہر کے لوگ اکٹھے ہو کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ بادشاہ سلامت آج پھر شہر میں قتل ہو گیا ہے خدارا کچھ کریں اب تو ہر کسی کو خوف آنے لگا ہے کچھ لوگوں نے تو اپنا سامان بھی باندھ لیا ہے جو کہ یہ شہر چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ بادشاہ نے لوگوں سے کہا کہ تم جاؤ کوئی خوف یا ڈر نیکی بات نہیں اور نہ ہی کوئی شہر چھوڑ کر جانا، دو دن کے اندر اندر قاتل کو ہم ضرور گرفتار کر لیں گے۔ اگر ہم قاتل کو گرفتار نہ کر سکے تو یہ بادشاہی چھوڑ دیں گے۔ بادشاہ کی پختہ باتیں سن کر شہر والے واپس اپنے اپنے گھروں کو پلٹ گئے۔ اب ان سب کو یقین ہو چکا تھا کہ قاتل ضرور پکڑا جائے گا۔ اب سب کو دو دن کا انتظار تھا یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ آخر وہ کونسا قاتل ہے جو ہر روز ایک دو قتل کر رہا ہے۔ جس نے پورے شہر کا سکون برباد کیا ہوا ہے۔ رات کا نہ جانے کونسا پہر تھا جب شیری کمرے سے باہر آ گئی اس نے دائیں بائیں آگے پیچھے سب جگہ کا معائنہ کیا تو اسے ہر طرف سناٹا نظر آیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ سب سو چکے ہیں یہ آرام آرام سے آگے بڑھی اور محل سے باہر آ گئی اور پھر اس نے اپنا رخ ایک گلی کی طرف کر لیا۔ یہ گلی بہت لمبی تھی اس گلی میں ترتیب سے کافی سارے گھر بنے ہوئے تھے۔ وہ جلد جلد قدم بڑھاتی ہوئی گلی میں داخل ہو گئی اور ایک دروازے کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی یہ دروازے پر دستک دینے ہی والی تھی کہ اسے سامنے سے ایک آدمی آتا ہوا دکھائی دیا پھر یہ چھپ کر کھڑی ہو گئی جب وہ آدمی اس کے قریب آیا تو اس نے اچانک آدمی پر حملہ کر کے اپنے دونوں نوکیلے دانت اس کی گردن میں گاڑ دیئے اور اس کا خون پینے لگی خون پی کر فارغ ہوئی تو اس نے اس آدمی کے مردہ جسم کو سیدھا لٹایا اور اپنے تیز ناخنوں سے چیر پھاڑ ڈالا اس نے لاش کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا اور پھر ان گوشت کے ٹکڑوں کو اٹھایا اور محل میں داخل ہو گئی محل میں آنے کے بعد اس نے اپنا رخ اس کمرے کی طرف کر لیا جس میں بادشاہ کی ساتوں بیویاں سوئی ہوئی تھیں۔ کمرے کا دروازہ پہلے ہی سے کھلا ہوا تھا جس کی وجہ سے اس چڑیل کو اندر داخل ہونے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اس نے کمرے میں داخل ہو کر ان سب عورتوں کے چہرے سے چادریں ہٹائیں اور تھوڑا تھوڑا خون ان سب کے ہونٹوں پر لگا دیا جو کہ اس چڑیل کے پاس موجود تھا۔ پھر اس نے ان گوشت کے ٹکڑوں میں سے ایک ایک ٹکڑا اٹھایا اور ان سب عورتوں کے ساتھ رکھ دیا اور پھر دوڑتی ہوئی بادشاہ کے کمرے کی طرف گئی اور جا کر دروازے پر دستک

دینے لگی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھل گیا بادشاہ کچھ بولنے ہی والا تھا کہ شیری فوراً بول پڑی بادشاہ سلامت میں نے قاتلوں کو گرفتار کرلیا ہے آؤ میرے ساتھ میں دیکھاتی ہوں تمہیں شیری بادشاہ کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے گئی۔ بادشاہ کو کمرے میں کھڑا کر کے اسے چپ رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے ان سوئی ہوئی عورتوں کی طرف بڑھی اور سب کے چہرے سے چادریں ہٹا دیں اور کہا کہ دیکھو بادشاہ سلامت ان سب کے ہونٹوں پر یہ تازہ خون لگا ہوا ہے جو کہ یہ ابھی ابھی کسی کا پی کر آئی ہیں اور پھر اس نے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور بادشاہ سے کہا کہ یہ دیکھو بادشاہ سلامت یہ انسانی گوشت کا ٹکڑا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی خوراک انسانی گوشت ہے۔ یہی وہ قاتل ہیں جنھوں نے نہ جانے شہر کے کتنے معصوموں کا قتل کیا ہے۔

بہرحال شیری بادشاہ کی نظروں میں ان بے گناہ عورتوں کو گناہگار بنانے میں کامیاب ہوگئی۔ اور بادشاہ کو بھی یقین ہوگیا کہ یہ عورتوں نہیں ہیں یہ واقعی چڑیلیں ہیں اور بادشاہ کو تو یقین ہونا ہی تھا کیونکہ شیری نے چال ہی ایسی چلی تھی جو کہ زندہ ثبوت بادشاہ کے سامنے موجود تھے۔ شیری میں تم سے بہت خوش ہوں تم نے میری بہت بڑی پریشانی حل کی ہے جس کا میں ساری زندگی آپ کا مشکور رہوں گا۔ نہیں بادشاہ سلامت یہ تو میرا فرض تھا شیری میں نے تم سے انعام دینے کا وعدہ کیا تھا بولو میں تمہیں کیا انعام دوں۔ بادشاہ سلامت ان سب چڑیلوں کی آنکھیں نکال کر انہیں قتل کرا دیا جائے تا کہ شہر میں دوبارہ قتل و غارت نہ ہو۔ شہر کے لوگ سکون کی زندگی بسر کریں اور میرا دوسرا انعام یہ ہے کہ آپ کو مجھ سے شادی کرنا ہوگی۔ بادشاہ نے کچھ سوچا اور پھر شیری کی دونوں شرائط مان لیں اور شادی کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ کمرے میں شور کی آوازیں سن کر سب عورتوں اٹھ گئیں اور اپنے پاس انسانی گوشت کے ٹکڑے دیکھے تو خوف زدہ سی ہوگئیں یہ کیسے ٹکڑے ہیں گوشت، کے سرتاج ان سب عورتوں نے حیرانگی سے بادشاہ سلامت سے پوچھا اچھا تو تم مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ یہ کیسے ٹکڑے ہیں۔ سرتاج ہمیں معلوم نہیں یہ کیسے ٹکڑے ہیں اب بھولی مت بنو میں نے تمہاری حقیقت جان لی ہے تم سب چڑیلیں ہو وہ تم ہی ہو جن نے سارے شہر کا سکون لوٹ رکھا ہے۔ یہ سب عورتیں ایک دوسری کا حیرت سے منہ دیکھنے لگیں۔ نہیں سرتاج ہم چڑیلیں نہیں ہیں یہ ہم پر چڑیل ہونے کا الزام لگایا گیا ہے اب جتنے مرضی بہانے کرلو اب تمہیں موت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ بادشاہ نے جلاد بلائے اور انہیں حکم دے دیا کہ ان سب چڑیلوں کو لے جاؤ اور انکی آنکھیں نکال کر انہیں قتل کر کے جنگل میں پھینک کر آجاؤ۔

بادشاہ نے کچھ سوچے سمجھے بغیر انہیں موت کی سزا سنادی جلادوں نے سب عورتوں کو پکڑا اور گھسیٹے ہوئے لے گئے۔ عورتیں روتیں رہیں چلاتی رہیں کہ ہم چڑیلیں نہیں سرتاج ہم چڑیلیں نہیں ہیں......
مگر بادشاہ نے ان کی ایک نہ سنی جلاد انہیں جنگل میں لے گئے اور انہیں ایک قطار کی صورت میں کھڑا کر دیا۔ ابھی جلاد ان کی گردن قلم کرنے ہی والے تھے کہ اچانک جلادوں کے سردار کو ان عورتوں پر رحم آگیا اور کہا کہ کوئی بھی اپنی تلوار نہ چلائے۔ اس نے سب جلادوں کو روک دیا انہیں قتل مت کرنا ہم نے ان کا نمک کھایا ہے سب جلاد حیرت سے اپنے بڑے سردار کا منہ دیکھنے لگے اور دوسری بات یہ کہ یہ بے گناہ ہیں انہوں نے شہر میں کوئی قتل نہیں کیا اور نہ ہی چڑیلیں ہیں تم خود سوچو ہم انہیں عرصہ دراز سے

دیکھتے آرہے ہیں ہم نے ان میں کبھی چڑیلوں والی کوئی حرکت نہیں دیکھی۔ سردار کی یہ بات سب جلادوں کے دماغ کو لگی اور یہ سوچنے لگے کہ واقعی سردار جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سب سچ ہے یہ بے چاری بے گناہ ہیں ان پر چڑیل ہونے کا الزام لگایا گیا ہے مگر سردار بادشاہ سلامت نے کہا تھا کہ ان کی آنکھیں نکال کر لانا ہم بادشاہ سلامت کو آنکھیں کہاں سے لاکر دیں گے۔ آنکھوں کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ فی الحال تم کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں ان رانیوں کو چھپایا جائے سب جلاد سردار کے حکم پر جگہ تلاش کرنے لگے انہیں جگہ تلاش کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ انہیں جلد ہی ایک کنواں مل گیا جہاں انہوں نے ان عورتوں کو چھپانے کے لئے مناسب جگہ تھی۔ جلادوں نے ان سب عورتوں کو کنویں میں اتار دیا اور انہیں تاکید کی کہ کبھی باہر مت آنا تمہیں کھانے پینے کی ہر چیز ہم یہاں پہنچا دیا کریں گے۔

آج شیری بہت خوش تھی ایک تو اسے یہ خوشی تھی کہ اس کی شادی بادشاہ سے ہوگئی ہے دوسری خوشی اسے یہ تھی کہ اس نے راستے کی سب دیواریں گرادی ہیں ان بے گناہ رانیوں پر جھوٹا الزام لگا کر انہیں قتل کروادیا ہے یہ سوچ رہی تھی کہ اب میرا ہی ہر طرف راج ہے جو چاہوں گی وہی ہوگا کچھ دیر بعد جلاد بھی محل میں داخل ہوگئے اور 14 آنکھیں لاکر بادشاہ کی خدمت میں پیش کردیں جو کہ یہ جانوروں کا شکار کرکے ان کی آنکھیں نکال کر لائے تھے۔ بادشاہ نے جلادوں سے 14 آنکھیں لیں اور شیری کے حوالے کردیں یعنی اپنی بیگم کو دے دیں۔ جب اس شیری چڑیل نے آنکھیں دیکھیں تو دیکھتے ہی جان گئی کہ یہ آدم زاد کی آنکھیں نہیں ہیں کیونکہ اسے انسانوں اور جانوروں کی آنکھوں کی اچھی طرح پہچان تھی۔ سرتاج یہ آنکھیں تو جانوروں کی ہیں شیری نے بادشاہ کی طرف آنکھیں بڑھاتے ہوئے کہا۔ کیا تم یہ جانوروں کی آنکھیں نکال کر لائے ہو۔ بادشاہ نے پاس کھڑے ہوئے جلادوں سے کہا۔ جلادوں نے ندامت سے آنکھیں جھکالیں اور ہونٹوں پر خاموشی کے تالے لگالئے۔ کسی نے بھی بادشاہ کے سوال کا جواب نہیں دیا۔ تمہاری خاموشی اس بات کا ثبوت دے رہی ہے کہ یہ واقعی جانوروں کی آنکھیں ہیں جاؤ دفعہ ہو جاؤ اور جاکر ان کے مردہ جسموں سے آنکھیں نکال کرلے کر آؤ۔ ورنہ تمہاری آنکھیں نکال لی جائیں گی۔ بادشاہ نے طیش میں آکر کہا جلاد واپس پلٹے اور کنویں پر چلے گئے۔ عورتوں کو باہر نکالا اور انہیں ساری داستان سنائی۔ عورتوں نے کہا ٹھیک ہے اگر بادشاہ کا اتنا سخت حکم ہے تو تم ہماری آنکھیں نکال لو یہ تمہارا ہم پر احسان ہے کہ تم نے ہمیں زندہ چھوڑ دیا۔ جلاد مجبوراً ان عورتوں کی آنکھیں نکال کرلے آئے اور لاکر بادشاہ کی خدمت میں حاضر کردیں بادشاہ نے پھر وہ آنکھیں اپنی بیگم شیری کے حوالے کردیں اب شیری کو یقین ہوگیا کہ یہ آنکھیں ان عورتوں ہی کی ہیں اور انہیں قتل کردیا گیا ہے۔

اب شیری نے شہر میں لوگوں کا خون پینا بند کردیا تاکہ بادشاہ کو پختہ یقین ہوجائے کہ وہ عورتیں ہی چڑیلیں تھیں جن کے قتل ہونے کے بعد اب شہر میں کوئی قتل نہیں ہورہا۔ شیری اپنا دور دراز سے شکار تلاش کرتی اور اپنی خون کی پیاس بجھاتی۔

اسی طرح دن گزرتے رہے۔ ایک دن کنویں میں رانیوں میں سے سب سے چھوٹی رانی کے پیٹ میں شدید درد اٹھا تو سب رانیاں پریشان ہوگئیں کوئی طبیب وغیرہ بھی نہ تھا جس سے یہ دوائی وغیرہ لاتیں بہر حال ان عورتوں نے خود ہی چھوٹی

رانی کا پیٹ دبانا شروع کر دیا تا کہ پیٹ کا درد ختم ہو جائے یہ بے چاری دیکھ تو کچھ نہیں سکتی تھیں کہ کیا مسئلہ ہے جو کہ چھوٹی رانی کے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ بہر حال کچھ دیر بعد چھوٹی رانی نے ایک خوبصورت بچے کو جنم دیا جب انہیں معلوم ہوا کہ ہمارے ہاں بیٹا ہوا ہے تو یہ سب بہت خوش ہوئیں کہ چلو خانے ہمارے لئے سہارا تو پیدا کیا جو بڑا ہو کر ہمارا سہارا بنے گا۔ اللہ ہمارے شہزادے کی عمر دراز کرے یہ بے چاری نابینا ہونے کی وجہ سے اپنے شہزادے کی صورت دیکھنے سے قاصر تھیں جس کا انہیں بہت دکھ تھا۔ بہر حال انہوں نے مل کر اپنے خوبصورت شہزادے کا نام ارباب رکھ دیا جب جلادوں کو معلوم ہوا کہ چھوٹی رانی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے تو یہ سب بہت خوش ہوئے اور رانیوں کو مبارکباد دی شہزادہ پیدا ہونے کی کچھ دنوں بعد شیری جمیل کے ہاں بھی بیٹا پیدا ہو گیا جس کا نام بادشاہ نے راحیل رکھا۔

ارباب دن بہ دن جوانی کی دہلیز کی طرف قدم رکھ رہا تھا۔ اب جلاد بھی رانیوں کی طرف سے تھوڑا بے فکر ہو گئے تھے کیوں کہ ارباب اب جوان ہو چکا تھا اور اپنی ماؤں کا اچھی طرح پیٹ بھر سکتا تھا۔ جلادوں کا جو فرض تھا انہوں نے پورا کر دیا۔ راحیل کو بھی شکار کرنے کا بہت شوق تھا۔ ایک دن راحیل شکار کرتے کرتے اسی کنویں کی طرف آ گیا جس میں یہ اندھی رانیاں اور یہ شہزادہ ارباب رہتا تھا۔ راحیل پانی پینے کی غرض سے گھوڑے سے نیچے اترا اور اسی کنویں پر آ گیا۔ جب راحیل پانی دیکھنے کے لئے کنویں میں جھانکا تو پانی کنویں میں نہ پا کر واپس پلٹنے ہی والا تھا کہ اچانک اسے اندر سے عورتوں کے بولنے کی آوازیں آئیں تو راحیل چونک گیا کہ یہ کنویں سے کیسی عورتوں کی آوازیں آ رہی ہیں راحیل پھر دوبارہ کنویں میں غور سے دیکھنے لگا مگر اسے کنویں میں تاریکی کی وجہ سے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ راحیل کی نظریں کنویں کے اندر جمی ہوئی تھیں کہ کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ کون ہو تم اور یوں کنویں میں کیوں جھانک رہے ہو۔ راحیل نے پلٹ کر دیکھا تو ایک نوجوان لڑکا ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے کھڑا تھا یہ لڑکا ارباب تھا میں پوچھتا ہوں کون ہو تم اور یہاں کیوں آئے ہو۔ ارباب نے سخت لہجے میں راحیل سے کہا۔ میں بہرام بادشاہ کا بیٹا ہوں اور میرا نام شہزادہ راحیل ہے۔ میں شکار کرتے کرتے اس کنویں کی طرف آ گیا تھا جب پانی پینے کی غرض سے کنویں پر آیا تو مجھے اندر سے عورتوں کی آواز آئی تو میں کنویں میں دیکھنے لگا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ عورتیں کون ہیں اور کس مجبوری کے تحت اس کنویں میں رہ رہی ہیں۔ راحیل نے ارباب سے پوچھا ہاں یہی میری مائیں ہیں اور میں ان کا بیٹا ہوں۔

مائیں ہیں...... کیا مطلب راحیل نے حیرت بھرے لہجے میں ارباب سے پوچھا ہاں میری یہ سات مائیں ہیں اور میں ان کا ایک بیٹا ہوں ارباب نے ساری داستان راحیل کو سنا دی یہ تو بہت درد بھری داستان ہے تمہاری راحیل نے ارباب کی داستان سن کر کہا مگر تمہاری مائیں آنکھوں سے کیوں محروم ہیں اور کب سے تم اس کنویں میں رہ رہے ہو۔ تمہارے ان سوالوں کا جواب میرے پاس نہیں مجھے نہیں معلوم کہ ہم کب سے اس کنویں میں رہ رہے ہیں اور میری مائیں کیوں آنکھوں کی روشنی سے محروم ہیں۔ اس بارے میں مجھے میری ماؤں نے بھی کچھ نہیں بتایا۔ صرف مجھے اتنا کہا ہے کہ اپنے بارے میں کبھی کسی کو کچھ مت بتانا مگر میں نے تمہیں پھر بھی سب کچھ بتا دیا ہے۔ صرف اسی وجہ سے کہ تم

ایک بادشاہ کے لڑکے ہو خدارا اس بات کا کسی سے ذکر مت کرنا تم بےفکر رہو میں کبھی بھی کسی سے ذکر نہیں کروں گا کیا نام ہے تمہارا میرا نام ارباب ہے ارباب اچھا اب میں چلتا ہوں بہت ٹائم ہو چکا ہے امی ابو پریشان ہو رہے ہوں گے راحیل نے ارباب سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا میں کل آؤں گا اور باقی باتیں پھر ہوں گی۔

راحیل چلا گیا اور پھر ارباب بھی اپنی ماؤں کے پاس کنویں میں آ گیا ارباب نے راحیل کے بارے میں اپنی ماؤں کو کچھ نہیں بتایا راحیل اب ہر روز ارباب کے پاس آنے لگا اور ان کی بہت اچھی دوستی ہو گئی۔ ایک دن راحیل نے ارباب سے کہا کہ تم میرے ساتھ میرے محل میں چلو آج میں تمہیں اپنے محل میں لے جانا چاہتا ہوں میں نے اپنی امی سے تمہارا ذکر کیا تھا اور وہ تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ نہیں راحیل میں نہیں جا سکتا نہیں ارباب تم آج میرے ساتھ چلو گے راحیل نے کافی اصرار کیا تو ارباب چلنے کے لئے تیار ہو گیا جس کی وجہ سے راحیل بہت خوش ہوا۔ یہ دونوں گھوڑے پر سوار ہوئے اور محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ کافی سفر طے کرنے کے بعد یہ محل میں داخل ہو گئے۔ بادشاہ شکار کرنے کیلئے جنگل میں گیا ہوا تھا اچھا تو یہ ہے تمہارا غریب دوست شیری چڑیل نے اپنے بیٹے راحیل سے کہا ہاں امی یہ ہے میرا دوست ارباب بہت اچھا لڑکا ہے کتنے بہن بھائی ہو تم شیری نے ارباب سے پوچھا امی اس کا نہ بھائی ہے نہ بہن ہے اور نہ باپ ہے ہاں البتہ اس کی سات مائیں ہیں۔ راحیل نے کہا ارباب خاموش بیٹھا ہوا زمین کی جانب دیکھے جا رہا تھا سات مائیں ہیں شیری نے حیرانگی سے پوچھا ہاں امی جان ارباب کی سات مائیں ہیں اور سب اندھی ہیں۔ آنکھوں کی روشنی سے محروم ہیں اور یہ بے چارے ایک کنویں میں رہتے ہیں اور یہ ارباب بھی اسی کنویں میں پیدا ہوا تھا۔ راحیل کی باتیں سن کر شیری کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا اور بہت زیادہ پریشان ہو گئی۔ اسکے چہرے کا رنگ اڑ گیا کبھی ہاتھوں کی مٹھیاں بند کر رہی تھی اور کبھی کھول رہی تھی اور سوچنے لگی کہ اس کا مطلب ہے جلادوں نے ان رانیوں کو قتل نہیں کیا تھا صرف ان کی آنکھیں نکال کر لائے تھے۔ شیری غصے میں سرخ ہو گئی کیا بات ہے امی آپ اچانک پریشان کیوں ہو گئیں بیٹا راحیل میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے یہ کہہ کر شیری واپس اٹھ کر چلی گئی اچھا راحیل میں بھی اب چلتا ہوں۔ میری مائیں پریشان ہو رہی ہوں گی ٹھہرو ارباب دونوں ساتھ چلتے ہیں نہیں راحیل میں اکیلا ہی چلا جاؤں گا۔ مگر راحیل نہ مانا اور گھوڑا لے کر آ گیا یہ دونوں گھوڑے پر سوار ہوئے اور کنویں کی طرف روانہ ہو گئے۔

شیری کو رہ رہ کر جلادوں پر غصہ آ رہا تھا کہ انہوں نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ان عورتوں کو قتل نہیں اس سے پہلے کہ کوئی مصیبت کھڑی ہو ان عورتوں کو ختم کر دیا جائے شیری کے شیطانی دماغ میں یہ سوچ ابھری کچھ دیر کے بعد پھر یہ سوچنے لگی کہ ان عورتوں کو ختم کرنا مناسب نہیں اگر ان کو ختم کر دیا گیا تو پھر میرے لئے مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے ارباب راحیل کا دوست ہے جب ارباب کی مائیں قتل ہوں گی تو بات بادشاہ تک پہنچے گی جس کی وجہ سے میرے لئے مصیبت کھڑی ہو سکتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ پہلے راحیل کے دوست ارباب کو مارا جائے اور مارا بھی اس طریقے سے جائے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ ارباب ایسے صاف صاف خطرے کی گھنٹی نظر آ رہا تھا جسے یہ ہر صورت میں ختم کرنا چاہتی تھی۔ رات ہوئی تو یہ فرین پیٹ

کے درد کا بہانہ بنا کر رونے لگی اس کی رونے پیٹنے کی
آوازیں سن کر بادشاہ اور شہزادہ راحیل دوڑتے
ہوئے اس کے قریب آئے کیا ہوا امی جان آپ اتنی
شدت سے کیوں رو رہی ہیں بیٹا راحیل میرے
پیٹ میں شدید درد ہو رہا ہے شیری نے اپنے پیٹ پر
ہاتھ رکھتے ہوئے کہا بادشاہ اور راحیل دونوں
پریشان ہو گئے کہ اچانک ملکہ عالیہ کو یہ کیا ہو گیا
شیری مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی اور بادشاہ اور
راحیل سے اس کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔
بادشاہ نے راحیل سے کہا کہ راحیل تم جاؤ اور
چوکیدار کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور جا کر جلدی سے
کسی طبیب کو لے آؤ۔ نہیں نہیں سرتاج یہ طبیبوں کا
کام نہیں بادشاہ حیرانگی سے شیری کو دیکھنے لگا سرتاج
میرے پیٹ کا درد صرف شیرنی کا دودھ پینے سے ختم
ہو سکتا ہے جب بھی میرے پیٹ میں درد ہوتا تھا تو
مجھے میری اماں جان شیرنی کا دودھ پلاتی تھی جس
کے پینے سے میرا پیٹ کا درد ختم ہو جاتا تھا یہ مجھے
بہت پرانی بیماری ہے جس کا دودھ کے علاوہ کوئی اور
علاج نہیں مگر بیگم یہ شیرنی کا دودھ کہاں سے ملے گا
سرتاج یہ شیرنی کا دودھ ایک جنگل سے ملے گا جس
جنگل کا نام بھنگ سینگا جنگل ہے اس جنگل میں ایک
شہزادی رہتی ہے جس کا نام شہزادی رخسانہ ہے اس
شہزادی کے پاس ایک شیرنی ہے جس کا دودھ
بآسانی مل سکتا ہے اور یہ دودھ راحیل کا دوست
ارباب ہی لا سکتا ہے کیونکہ وہ ایک جنگلی لڑکا ہے اور
بہادر بھی ہے اس کے علاوہ دودھ کوئی نہیں لا سکتا۔
بادشاہ نے راحیل کو حکم دیا کہ جاؤ جلدی سے اپنے
دوست کو بلا کر لاؤ راحیل گھوڑے پر سوار ہوا اور جلد
ہی ارباب کو لے کر واپس آ گیا۔ بادشاہ نے
ارباب کو شیری کی ساری کہانی سنائی اور دودھ لانے
کو کہا تو ارباب نے صاف صاف انکار کر دیا

ارباب کے انکار کرنے پر بادشاہ طیش میں آ گیا اور
کہنے لگا کہ ارباب یہ دودھ تم ہی لا سکتے ہو اور تم ہی
لے کر آؤ گے۔ اگر اب تم نے انکار کیا تو تمہارا سر قلم
کر دیا جائے گا کیونکہ یہ ہماری رانی کی زندگی کا
سوال ہے۔ اگر تم دودھ لے کر جلد واپس لوٹ آئے
تو ہم تمہیں بہت بڑا انعام دیں گے جس سے تمہاری
زندگی سکون سے بسر ہو سکتی ہے۔ ارباب بادشاہ
کے سامنے مجبور ہو گیا کیونکہ اسے اپنی زندگی پیاری
تھی یہ مرنا نہیں چاہتا تھا اگر یہ مر جاتا تو اس کے
پیچھے سات زندگیاں برباد ہو جاتیں۔ بہرحال
ارباب دودھ لانے کے لئے تیار ہو گیا بادشاہ نے
راحیل سے کہا کہ جاؤ بیٹا اسے اپنا سفید گھوڑا دے دو
اور کچھ جانے پینے کا سامان بھی دے دو۔ راحیل
نے ارباب کو اپنا گھوڑا دیا اور کہنے لگا کہ ارباب تم
اپنی ماؤں کی طرف سے بے فکر رہنا میں ان کا اچھی
طرح خیال رکھوں گا ارباب گھوڑے پر سوار ہوا اور
اپنے گھوڑے کا رخ کنویں کی طرف کر لیا کافی سفر
کرنے کے بعد یہ کنویں پر پہنچ گیا اس گھوڑا ایک
درخت کے ساتھ باندھ دیا اور خود کنویں میں اتر گیا
اور اپنی ماؤں کے پاس بیٹھ کر انہیں ساری داستان
سنا ڈالی جسے سن کر یہ سب آنسو بہانے لگیں بیٹا اگر تم
دودھ لانے میں ناکام ہو گئے اور تب بھی بادشاہ
تمہارا سر قلم کرا دے گا اگر بیٹا تم دودھ لینے نہیں گئے
تو تب بھی تمہارا سر قلم کرا دیا جائے گا۔ کیونکہ بیٹا وہ
بہت ظالم بادشاہ ہے آپ کیا اس بادشاہ کو جانتی ہیں
راحیل نے اپنی ماؤں سے پوچھا۔ نہیں بیٹا ہم اسے
نہیں جانتے مگر بیٹا جو تم نے باتیں بتائی ہیں ان ہی
باتوں کی وجہ سے ہم اسے ظالم کہہ رہی ہیں بڑی
خوبصورتی سے رانیوں نے بات کا رخ موڑ دیا تا کہ
ارباب کو کسی قسم کا کوئی شک نہ ہو۔ دل تو نہیں چاہ
رہا کہ تجھے ہم دودھ لانے کی اجازت دیں بیٹا مگر

مجبور ہے ہم تمہیں کھونا نہیں چاہتیں ہم تمہارے ہی
سہارے جی رہی ہیں بیٹا اگر تمہیں کچھ ہوگیا اور ہم
جیتے جی مر جائیں گے جاؤ بیٹا اللہ کا نام لے کر ہماری
دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اللہ تمہیں ہر پریشانی سے
دور رکھے اور دودھ لانے میں کامیاب کرے۔

ارباب اپنی ماؤں کی دعائیں لیتا ہوا کنویں
سے باہر آیا تو دن نمودار ہو چکا تھا ارباب گھوڑے پر
سوار ہوا اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔ شیری
بہت خوش تھی اسے یقین تھا کہ اب ارباب زندہ بچ
کر واپس نہیں آئے گا کیونکہ جہاں میں نے ارباب
کو بھیجا ہے وہ بہت خطرناک حسینہ ہے جو بھی اس
کے پاس گیا ہے وہ زندہ بچ کر نہیں آیا ارباب
مرنے کے بعد میں ان ساتوں رانیوں کو کنویں سے
نکال اسی جگہ لے جا کر ماروں گی جہاں آدم زاد کا
سایہ تک نہ ہوگا اسکے شیطانی دماغ میں نہ جانے کیسی
کیسی سوچیں جنم لے رہی تھیں اور خود ہی اپنی
سوچوں پر خوش ہو رہی تھی۔

ارباب کافی سفر طے کرنے کے بعد ایک
گھنے جنگل میں داخل ہوگیا یہ بہت خطرناک جنگل تھا
یہیں وہ بھنگ سینگا جنگل تھا جس میں شہزادی رخسار کا
راج تھا ہر طرف خاموشی چھائی تھی یہ ایک پراسرار
قسم کا جنگل تھا جس میں بڑے بڑے درخت لگے
ہوئے تھے اور درختوں میں سے عجیب وغریب قسم کی
آوازیں آرہی تھیں ارباب خوف سے بے نیاز ہو کر
آگے بڑھتا جارہا تھا۔ اچانک آسمان پر کالے
کالے بادل چھا گئے بجلی چمکنے لگی اور تیز ہوا کے
ساتھ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ بارش کیا تھی
ایک طوفان تھا درخت ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر گر رہے
تھے جانور اپنی جان بچانے کے لئے ادھر ادھر
بھاگ رہے تھے ارباب بھی ذرا خوفزدہ سا ہوگیا
کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی درخت ٹوٹ کر مجھ پر آگرے

بہر حال ارباب ایک بہادر بنے ہوئے ایک درخت
کے تلے کھڑا رہا اس نے سوچ لیا کہ موت آنی ہوگی
تو آکر رہے گی ادھر ادھر بھاگنے سے کوئی فائدہ نہیں
کچھ دیر بعد جنگل میں پانی ہی پانی نظر آرہا تھا۔
زمین میں جتنے بھی جانور وغیرہ تھے سب پانی میں تیر
رہے تھے ارباب کی نظریں پانی میں تیرنے والے
جانوروں پر جمی ہوتی تھیں۔ اچانک ان جانوروں
میں سے ایک کالے رنگ کا شیش ناگ نمودار ہوا
جس نے اپنا رخ ارباب کی طرف کرلیا۔ یقیناً یہ
شیش ناگ ارباب کو ڈسنے کے لئے اس کی طرف
آرہا تھا ارباب نے دیکھا کہ شیش ناگ خطرناک
ارادے سے میری طرف آرہا ہے ارباب نے تلوار
نکال لی اور پوزیشن سنبھال کر کھڑا ہوگیا جیسے ہی
شیش ناگ نے قریب آکر ارباب پر وار کرنے کی
کوشش کی تو ارباب نے ایک بھرپور قسم کا تلوار کا وار
اس پر کر ڈالا شیش ناگ کے ارباب نے دو ٹکڑے
کر ڈالے ابھی ارباب شیش ناگ کے کٹے ہوئے
ٹکڑوں کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس کی نظریں
سامنے اٹھیں تو ارباب کے پیروں تلے سے زمین
نکل گئی اور بہت زیادہ خوفزدہ ہوگیا کیونکہ سامنے
سے دس بارہ شیش ناگ پھن پھیلائے ہوئے پانی
کو چیرتے ہوئے بڑی تیزی سے ارباب کی طرف
بڑھ رہے تھے جن کی رفتار سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ
ان کے بھی خطرناک ارادے ہیں اور یہ سب مل
کر ارباب پر حملہ آور ہونے والے تھے ارباب
نے شاید انکے قریبی ساتھی کے ٹکڑے کر ڈالے تھے
جس کی وجہ سے یہ بہت طیش میں اس کی طرف بڑھ
رہے تھے ارباب نے سوچا کہ اگر میں یہاں بہادر
بن کر کھڑا رہا تو یہ سب شیش ناگ مجھے زندہ نہیں
چھوڑیں گے اس سے پہلے کہ یہ شیش ناگ آکر
ارباب پر حملہ کرتے ارباب فوراً گھوڑے پر سوار ہوا

اور گھوڑا بھگانے لگا۔

بارش بھی تھم چکی تھی پانی ہونے کی وجہ سے گھوڑے کو دوڑنے میں دشواری ہورہی تھی گھوڑا پھر بھی دوڑنے کی بھرپور کوشش کررہا تھا۔ شیش ناگ مسلسل گھوڑے کا تعاقب کررہے تھے جس کی وجہ سے ارباب خوفزدہ ہورہا تھا خوفزدہ ہونے کی وجہ سے ارباب نے گھوڑے کی رفتار مزید تیز کرلی۔ اب شیش ناگوں میں اتنی ہمت نہ رہی تھی کہ وہ اور ارباب کا تعاقب کرتے کچھ دیر بعد سب شیش ناگوں نے ارباب کا تعاقب کرنا چھوڑ دیا جب ارباب نے پیچھے مڑکر دیکھا تو سب شیش ناگ غائب ہو چکے تھے۔ اپنے پیچھے شیش ناگوں کو نہ پاکر ارباب کی جان میں جان سی آگئی اور خدا کا شکر ادا کرنے لگا کہ اس کی جان بچ گئی۔ اس نے گھوڑے کی رفتار کم کردی اور گھوڑا آرام آرام سے اپنی مستی میں چلنے لگا۔

گھوڑا کچھ ہی دور چلا تھا کہ پھر ارباب کے سامنے دیکھ کر پسینے چھوٹ گئے۔ ایک خوف کی لہر اس کے بدن میں پھیل گئی کیونکہ سامنے ایک اور ناگ پھن پھیلائے کھڑا تھا جو کہ اس کا راستہ روکنے کی کوشش کررہا تھا۔ یہ ناگ نہ تھا بلکہ ایک ناگن تھی جو اپنے ناگ کا ارباب سے بدلہ لینا چاہتی تھی۔ جسے ارباب نے مار ڈالا تھا۔ ارباب جس طرف بھی اپنے گھوڑے کا رخ کرتا یہ ناگن اسی طرف آجاتی اور گھوڑے کو آگے بڑھنے سے روک دیتی۔ گھوڑا بھی اس ناگن سے خوفزدہ ہوکر پیچھے کو ہٹ رہا تھا۔ ارباب کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیسے اس ناگن سے جان چھڑائی جائے۔ ارباب نے کئی بار تلوار کے اس پر وار بھی کئے مگر یہ ہر بار بچ جاتی اور پھر آکر گھوڑے کے سامنے کھڑی ہوجاتی۔ ارباب کی لاکھ کوشش کرنے کے باوجود گھوڑا آگے بڑھنے کو کسی صورت بھی تیار نہ ہوا۔ ارباب نے طیش میں آکر دو تین تلوار کے وار گھوڑے کی پیٹھ پر کر ڈالے جس سے گھوڑا کافی زخمی ہوگیا اور جیسے ہی تیزی سے آگے بڑھا تو ناگن نے فوراً آگے بڑھ کر گھوڑے کی ٹانگ پر ڈنگ مارا گھوڑا اوندھے منہ زمین پر گر گیا۔ گھوڑا گرنے سے ناگن کے جسم کا آدھا حصہ گھوڑے کے بھاری جسم تلے دب گیا۔ ناگن ادھر ادھر اپنی گردن مارتی رہی کہ کسی طرح جسم کا دبا ہوا حصہ باہر نکل آئے اور جاکر ارباب کو ڈسے اور اپنے ناگ کا بدلہ لے مگر یہ لاکھ کوشش کرنے کے باوجود گھوڑے کے نیچے دبا ہوا اپنا جسم کا حصہ نہ نکال سکی۔

ارباب جو کہ گھوڑے سے گر کر خاردار جھاڑیوں میں پھنسا ہوا اپنے آپ کو نکالنے کی کوشش کررہا تھا ارباب کے جسم میں کافی کانٹے لگ چکے تھے جن کا اسے بہت درد ہورہا تھا۔ بہرحال ارباب کچھ دیر بعد جھاڑیوں سے نکلا اور اپنی تلوار تلاش کرنے لگا۔ جلد ہی اسے اپنی تلوار مل گئی جو کہ قریب ہی جھاڑی میں پڑی ہوئی تھی۔ ارباب نے تلوار اٹھائی اور ڈرتے ڈرتے گھوڑے کی طرف بڑھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اچانک ناگن آکر مجھے ڈس نہ لے جب یہ گھوڑے کے قریب پہنچا تو اسے اپنا گھوڑا پہچان میں نہ آرہا تھا کیونکہ وائٹ گھوڑا تھا جو کہ اب اسے بلیک نظر آرہا تھا۔ یہ ایک خطرناک زہریلی ناگن تھی جس کے ڈسنے سے گھوڑے کا سفید رنگ کالا پڑ چکا تھا اور گھوڑا اس وقت دم توڑ گیا تھا جب ناگن نے اسے ڈنگ مارا تھا ارباب سوچنے لگا کہ اگر یہ ناگن مجھے ڈس لیتی تو میرا کیا حشر ہوتا مگر یہ پریشان تھا کہ جو ناگن گھوڑے کو آگے بڑھنے نہیں دے رہی تھی جو میری جان کی دشمن تھی اچانک نہ جانے کہاں غائب ہوگئی۔ ارباب کو اپنے گھوڑے کے مرنے کا بہت دکھ تھا۔ اب ارباب کے لئے رخسار کو تلاش

کرتا دودھ لینا اور پھر واپس جانا ایک مسئلہ بن کر رہ گیا تھا۔ ارباب گھوڑے کے پاس بیٹھ کر اس کے سکڑے ہوئے جسم پر ہاتھ پھیرنے لگا اور کہنے لگا کہ تم ہی تو ایک میرے ہم سفر تھے تم بھی میرا ساتھ چھوڑ گئے۔ اب بتاؤ میں اپنی منزل تک کیسے پہنچ پاؤں گا۔

ارباب گھوڑے پر ہاتھ پھیر رہا تھا اور ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہا تھا۔ اچانک اسے گھوڑے کے نیچے سے اس کی طرح کی آواز آئی جیسے سوئے ہوئے آدمی کے ناک سے سانسوں کی آواز آتی ہے۔

ارباب نے فوراً گھوڑے سے اپنا ہاتھ ہٹایا اور ہاتھ میں تلوار اٹھالی اور گھوڑے کی دوسری طرف جا پہنچا۔ جب اس نے دیکھا کہ ناگن گھوڑے کے تلے دبی ہوئی ہے اب اسے معلوم ہوا کہ یہ کیسی آواز آ رہی تھی اور کیوں آ رہی تھی۔ دراصل ارباب جب گھوڑے پر ہاتھ پھیر رہا تھا تو اس کا ہاتھ بار بار اس ناگن کی طرف جا رہا تھا جو کہ ناگن اس کے ہاتھ کو ڈسنا چاہتی تھی مگر ناگن کی گردن اس کے ہاتھ تک پہنچ نہیں پا رہی تھی جس وجہ سے یہ طیش میں آ کر آواز نکال رہی تھی۔ ناگن اور ارباب کی آنکھیں ایک دوسرے میں جمی ہوئی تھیں۔ ناگن پھن پھیلائے ہوئے بار بار زبان باہر کو نکال رہی تھی اور بہت کوشش کر رہی تھی باہر نکلنے کی مگر یہ نکل نہیں پا رہی تھی۔ ارباب کافی دیر تک اس کی بے بسی پر مسکراتا رہا اسکے بعد ارباب نے تلوار مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑی اور ایک زوردار وار اس دبی ہوئی ناگن پر کر ڈالا۔ تلوار لگنے سے ناگن کا ایک حصہ گھوڑے کے تلے دبا رہا اور دوسرا حصہ اچھلتا ہوا جھاڑی میں جا گرا۔ ناگن دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ جھاڑی میں پڑا ہوا ناگن کا گردن والا حصہ دس دس فٹ زمین سے اونچا اچھل رہا تھا۔ یہ زمین سے اچھلتا اور واپس جھاڑی میں میں گر جاتا۔ شاید ناگن کی جان نہیں نکل رہی تھی یا پھر یہ دور کھڑے ہوئے ارباب پر وار کرنا چاہ رہی تھی اور اس تک پہنچ نہیں پا رہی تھی۔

ارباب دور کھڑا ہوا یہ تماشا دیکھ رہا تھا کچھ دیر بعد ٹکڑے کے اچھلنے کی رفتار کم ہوتی گئی اب یہ ناگن کا کٹا ہوا ٹکڑا زمین سے صرف ایک فٹ اونچا اچھل رہا تھا۔ ارباب نے دیکھا کہ اب کوئی خطرے والی بات نہیں ہے پھر ارباب نے ایک بھاری سا پتھر تلاش کیا اور اسے بڑی مشکل سے اٹھا کر جھاڑی تک پہنچا ناگن کا کٹا ہوا ٹکڑا اب بھی جھاڑی میں پڑا ہوا تھوڑا تھوڑا اچھل رہا تھا۔ ارباب نے وہ بھاری پتھر دونوں ہاتھوں میں اٹھایا اور ہاتھ سیدھے کھڑے کر لئے پھر وہ پتھر اس ناگن کے ٹکڑے پر دے مارا۔ ناگن کا کٹا ہوا ٹکڑا اس پتھر کے ساتھ چپک گیا مگر ارباب یہ دیکھ کر حیران رہ گیا جب اس نے پتھر ناگن کے ٹکڑے پہ مارا تو اسے یوں لگا جیسے پتھر کسی کانچ کی چیز پر لگا ہو جس کے ٹوٹنے کی اسے آواز آئی تھی۔

اچانک جھاڑی سے دھواں نکلنے لگا ارباب دیکھ کر حیران ہو گیا کہ یہ جھاڑی سے کیسا دھواں نکل رہا ہے۔ کچھ دیر بعد اس دھوئیں سے ایک سیاہ کالا چھوٹے قد والا جن نمودار ہوا جسے دیکھ کر ارباب خوفزدہ ہو گیا۔ جن قہقہے لگا لگا کر ہنس رہا تھا ہاہاہا...... آج میں بیس سال بعد آزاد ہوا ہوں میں اس عامل کو زندہ نہیں چھوڑوں گا جس نے مجھے اس بوتل میں قید کیا ہوا تھا۔ آج میں آزاد ہوں آج میں آزاد ہوں...... جن اپنی آزادی کا جشن منا رہا تھا ارباب حیرت سے اس کا خوفناک چہرہ دیکھ رہا تھا۔ لڑکے تم نے مجھے اس بوتل سے رہائی دلوائی ہے ساری زندگی میں تمہارا یہ احسان نہیں بھول سکتا۔ جن نے ارباب سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ میرا

نام بوزن ہے اور میں جنوں کا سردار ہوں تم نے مجھے آزاد کیا بولو میں تمہیں کیا انعام دوں میں تمہیں دنیا کی ہر چیز دے سکتا ہوں تم مانگو مجھ سے تمہیں کیا چاہئے۔

ارباب نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بوزن جن سے کہا کہ مجھے کچھ نہیں چاہئے مجھے صرف شہزادی رخسار کے محل کا پتہ بتا دو جن حیرت سے ارباب کا منہ دیکھنے لگا اور کہنے لگا تمہیں معلوم ہے یہ شہزادی رخسار کون ہے۔ ارباب نے نفی میں سر ہلا دیا۔ یہ شہزادی رخسار ایک خطرناک عورت ہے جس جنگل میں تم کھڑے ہو اس سارے جنگل پر اس شہزادی رخسار کا راج ہے۔ نہ جانے تمہارے جیسے کتنے لوگ اسکے پاس گئے ہیں اور آج تک لوٹ کر واپس نہیں آئے۔ ارباب نے بوزن جن سے کہا میں تو اس کے پاس شیرنی کا دودھ لینے آیا ہوں ارباب نے ساری کہانی بوزن جن کو سنا ڈالی۔ اگر تمہاری اتنی ہی مجبوری ہے تو پھر تم جاؤ شاید وہ خطرناک شہزادی تمہیں دودھ دے دے مجھے تو کوئی امید نہیں کہ وہ بے رحم شہزادی تمہیں شیرنی کا دودھ دے دے گی۔ بہرحال تم جاؤ تمہیں میری جہاں بھی ضرورت پڑے تو ان بالوں کو سورج کے سامنے کر دینا میں حاضر ہو جاؤں گا۔ بوزن جن نے اپنے سر کے چند بال ارباب کو دیتے ہوئے کہا۔ کیا نام ہے تمہارا؟ میرا نام ارباب ہے اچھا ارباب مجھے اب اجازت دو میں جانا چاہتا ہوں میں بیس سال بعد اپنے بچوں سے ملوں گا اور انہیں اپنی آزادی کی خوشخبری سناؤں گا مگر آپ نے مجھے شہزادی رخسار کا پتہ نہیں بتلایا۔ ادھر آؤ میرے پاس بوزن جن نے ارباب سے کہا ارباب بوزن جن کے قریب ہو گیا۔ بوزن جن نے ارباب سے کہا اب تم اپنے ہاتھ میرے ہاتھوں میں ڈال دو اور اپنی دونوں آنکھیں بند کرلو۔ ارباب نے ایسا ہی کیا اپنے ہاتھ بوزن جن کے ہاتھوں میں ڈال دیئے اور آنکھیں بند کرلیں۔ کچھ دیر بعد ارباب کے کانوں میں بوزن جن کی آواز گونجی کہ اب آنکھیں کھول دو ارباب نے جیسے ہی اپنی آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو ایک خوبصورت محل کے سامنے پایا ارباب ادھر ادھر نظریں گھمانے لگے بوزن جن کو دیکھنے کے لئے مگر ایسے بوزن جن کہیں بھی نظر نہ آیا۔ بوزن جن غائب ہو چکا تھا۔ اربا جیسے ہی محل میں داخل ہوا تو ایسے سامنے ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی نظر آئی جسے ارباب دیکھتے ہی جان گیا کہ یہی شہزادی رخسار ہے۔ آؤ آؤ شہزادے اس لڑکی نے ارباب کو دیکھتے ہوئے کہا۔ آؤ میں تمہیں شہزادی رخسار سے ملواتی ہوں۔ میں ان کی کنیز ہوں اور ہر آنے والے کا استقبال کرتی ہوں۔

یہ کنیز لڑکی ارباب کا ہاتھ پکڑ کر ایک کمرے میں لے گئی یہ کمرہ بھی بہت خوبصورت تھا کمرے سے بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی جہاں ارباب بہت سکون محسوس کر رہا تھا لڑکی ارباب کو کمرے میں بیٹھا کر واپس چلی گئی۔ کچھ دیر بعد کمرے کا اندر والا دروازہ کھلا اور دروازے سے شہزادی رخسار نمودار ہوئی جسے ارباب دیکھتے ہی پلک جھپکنا بھول گیا اور اسکے حسن کے سمندر میں ڈوب گیا۔ رخسار کے شانوں پر لمبی لمبی سنہری زلفیں بکھری ہوئی تھیں اور اس کی آنکھیں کسی جھیل سے کم نہ تھیں اس کے ہونٹ گلاب کے پنکھڑیوں کی طرح تھے یعنی کہ یہ شہزادی رخسار جنت کی حوروں میں سے ایک حور تھی جسے خدا نے بنانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی۔

کہاں کھوئے ہوئے ہو شہزادے رخسار نے ارباب کے قریب آتے ہوئے کہا ارباب کی نظر اب بھی اسی دروازے کی طرف تھی جس دروازے

سے یہ شہزادی رخسار نمودار ہوئی تھی۔ پھر رخسار نے اپنی شہادت کی انگلی ارباب کے ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے کہا شہزادے واپس آ جاؤ اپنے خیالوں کی دنیا سے اور حقیقت کی دنیا میں قدم رکھو اچانک ارباب کو جھٹکا سا لگا جیسا کہ نیند سے جاگا ہو۔ شہزادی کو اپنے قریب پا کر ارباب نے ندامت سے نگاہیں جھکا لیں تمہارا قصور نہیں ہے شہزادے یہاں جو بھی آتا ہے وہ یوں ہی کھو جاتا ہے۔ دراصل میں یہاں شیرنی کا دودھ لینے آیا ہوں۔ اوہو...... تو پھر تم یہاں شیرنی کا دودھ لینے آئے ہو۔ جی میں یہاں شیرنی کا دودھ لینے آیا ہوں تمہیں شیرنی کا دودھ بھی ایسی صورت میں مل سکتا ہے کہ تم پہلے میری شرط پوری کرو۔ اگر تم نے میری شرط پوری کر دی تو تمہیں شیرنی کا دودھ بھی مل سکتا ہے اور میں بھی تمہارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جاؤں گی۔ لیکن کہ تم سے شادی کر لوں گی۔ شہزادی رخسار ارباب کو کمرے سے اٹھا کر باہر صحن میں لے آئی اگر تم نے میری شرط پوری نہیں کی تو تمہارا بھی یہی حال ہوگا رخسار نے جیل میں بند قیدیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ دیکھ رہے ہو یہ سب مجھ سے شادی کرنے کے خواہش مند تھے مگر بے چارے ناکام ہو گئے اور نہ جانے کتنے سالوں سے اس جیل میں سڑ رہے ہیں تمہارا بھی یہی حال ہوگا ارباب کو قیدیوں پر بہت رحم آیا اور سوچنے لگا کہ نہ جانے بیچارے کب سے اس ظالم شہزادی کے اسیر بنے ہوئے جو کہ ان کے گھر والوں نے بھی ان کی راہیں دیکھ دیکھ کر ان کی آنے کی امیدیں ختم کر دی ہوں گی۔

کیا شرط ہے تمہاری ارباب نے طیش بھرے لہجے میں کہا۔ ادھر آؤ میرے ساتھ رخسار ارباب کا ہاتھ پکڑ کر لے گئی اور جا کر ایک دیو ہیکل شخص کے پاس کھڑا کر دیا جو کہ زنجیروں سے بندھا ہوا تھا۔ جس کے پورے جسم پر بال ہی بال نظر آ رہے تھے۔ یہ ایک بہت خطرناک انسان تھا بلکہ اسے دیو کہنا بہتر رہے گا۔ شہزادے تمہیں اس سے لڑنا ہوگا اگر تم جیت گئے تو جو تم کہو گے وہی ہوگا۔ اگر تم ہار گئے تو جو ہم چاہیں گے پھر وہی ہوگا ارباب رخسار کی شرط سن کر پریشان ہو گیا۔ اس دیو ہیکل شخص سے لڑنا ارباب کے بس کی بات نہ تھی کیونکہ یہ شخص منٹوں میں ارباب کو ڈھیر کر دیتا۔ ارباب نے نہ چاہتے ہوئے بھی شہزادی کی شرط مان لی اور لڑنے کے لئے تیار ہو گیا مگر میری بھی ایک شرط ہے شہزادی صاحبہ کیا شرط ہے تمہاری میری شرط یہ ہے کہ مجھے کچھ ٹائم دیا جائے اور ہم دونوں کو لڑنے کے لئے ایک کمرے میں بند کیا جائے۔ ٹھیک ہے تمہاری شرط منظور ہے جب تم کہو گے تمہیں اس وقت لڑایا جائے گا مگر تم یہاں سے بھاگنے کی کوشش مت کرنا ورنہ انجام بہت برا ہوگا یہاں جو آتا ہے وہ اپنی مرضی سے آتا ہے اور پھر جو یہاں سے جاتا ہے وہ ہماری مرضی سے جاتا ہے۔

رات کافی گزر چکی تھی ارباب ان ہی سوچوں میں گم تھا کہ اس دیونما شخص کو کیسے ختم کیا جائے۔ اچانک ارباب کے ذہن میں بوزن جن کا خیال آ گیا اور اس کے دیئے ہوئے بال بھی یاد آ گئے جو کہ ارباب نے سنبھال کر رکھے ہوئے تھے۔ بوزن کا خیال آتے ہی ارباب کو اپنی پریشانی حل ہوتی ہوئی نظر آئی اب ارباب کو دن نمودار ہونے کا انتظار تھا۔ صبح ہوئی تو ارباب محل سے باہر آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ اب سورج نکل چکا ہے تو ارباب نے بوزن جن کے دیئے ہوئے بال نکالے اور سورج کے سامنے کر دیئے چند لمحوں بعد بوزن جن حاضر ہو گیا مجھے کیوں بلایا گیا۔ ہے میرے محسن بوزن نے

ارباب سے کہا ارباب نے ساری کہانی بوزن کو سنا ڈالی۔ جسے سن کر بوزن جن مسکرانے لگا تم بے فکر ہو کر جاؤ ارباب اور جا کر اس سے لڑنے کی تیاری کرو میں تمہارے ساتھ ہوں کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔ ارباب واپس محل میں آ گیا اور آ کر شہزادی رخسار سے کہا میں لڑنے کے لئے تیار ہوں۔ اپنے اس دیونما شخص کو آزاد کرو اور ہم دونوں کو ایک کمرے میں بند کر دو۔

شہزادی رخسار نے دیونما شخص کو آزاد کیا اور کمرے کی طرف جانے کا اشارہ کر دیا۔ دیونما شخص کمرے میں داخل ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی ارباب بھی کمرے میں داخل ہو گیا۔ شہزادی رخسار نے دروازہ بند کر کے باہر مقفل کر دی۔ ارباب کمرے میں جا کر ایک کونے میں کھڑا ہو گیا وہ دیونما شخص جیسے ہی ارباب کی طرف اسے مارنے کے لئے آگے بڑھا تو بوزن جن نے فوراً ارباب کو ایک طرف کرتے ہوئے اس دیونما شخص سے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال دیئے۔ دیونما شخص نے بہت کوشش کی کہ ہاتھ چھوٹ جائے مگر بوزن جن کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ بوزن جن نے موقع پاتے ہی اس کی گردن پکڑ لی اور جھٹکا دے کر توڑ ڈالی۔ اس دیونما شخص کی جیسے ہی گردن ٹوٹی تو اسکے حلق سے ایک بلند چیخ نکلی اور پہاڑ کی مانند زمین پر اوندھے منہ گر پڑا۔ شہزادی رخسار چیخ کی آواز سن کر فوراً دروازے پر آئی اور جیسے ہی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو اس دیونما شخص کو اوندھے منہ زمین پر پڑا ہوا دیکھ کر اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور بار بار ندامت بھری نظر سے ارباب کو دیکھنے لگی اور نگاہیں جھکا کر کہنے لگی کہ شہزادے تم جیت گئے اور میں ہار گئی۔ اب تم جو چاہو گے وہی ہوگا۔ رخسار اور ارباب دونوں کمرے سے باہر آ گئے ارباب کو زندہ دیکھ کر سارے قیدی خوشی سے ناچنے لگے کہ اب ہم ضرور آزاد ہو جائیں گے۔ بولو شہزادے اب تم کیا چاہتے ہو شہزادی رخسار اب میں یہ چاہتا ہوں کہ پہلے ان سب قیدیوں کو رہا کر دو رخسار نے اپنی کنیز سے کہا کہ ان سب کو رہا کر دو۔ کنیز نے جیل کا تالا کھول کر سب قیدیوں کو رہا کر دیا اور اب مجھے شیرنی کا دودھ دے دو تا کہ میں ملکہ کو جا کر دوں۔ جس کے پیٹ میں بہت درد ہے مگر شیرنی کا دودھ اور پیٹ کے درد کا کیا تعلق ہے۔ شہزادی نے ارباب سے کہا تو ارباب نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں چلو آؤ میں تمہیں شیرنی کا دودھ دیتی ہوں۔ شہزادی ارباب کو ایک شیرنی کے پاس لے گئی اور کنیز سے کہہ کر شیرنی کا دودھ نکلوا کر ارباب کے حوالے کر دیا اچھا اب مجھے اجازت دو کیا تم جا رہے ہو شہزادی نے حیرت سے ارباب سے پوچھا ہاں میں جا رہا ہوں کیا تم مجھے ساتھ نہیں لے کر جاؤ گے؟ نہیں میں صرف دودھ لینے آیا تھا اور دودھ لے کر جا رہا ہوں۔ نہیں شہزادے میں تمہارے ساتھ چلوں گی میں نے وعدہ کیا تھا کہ جو بھی میری شرط پوری کرے گا میں اس سے شادی کروں گی اور تم شرط جیت چکے ہو مجھ سے شادی کی خواہش میں تو لوگ عرصہ دراز سے میری جیل کی قید میں سڑتے رہے اور تم کہہ رہے ہو کہ میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے کر جا رہا۔ شہزادے میں تمہاری ہو چکی ہوں اور زندگی بھر تمہاری ہی رہوں گی۔ شہزادی رخسار نے بہت اصرار کیا کہ مجھے اپنے ساتھ لے چلو مگر ارباب اسے ساتھ لے جانے میں راضی نہ ہوا۔ ٹھیک ہے شہزادے اگر تم مجھے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تو یہ شیرنی کا بچہ اپنے ساتھ لے جاؤ یہ میری نشانی ہے جو کہ تمہیں میری یاد دلاتا

رہے گا۔ شہزادی نے شیرنی کا بچہ ارباب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ تمہیں جب بھی میری ضرورت پڑے تو اس بچے کو آزاد کر دینا میں خود تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔

ارباب شیرنی کا بچہ لے کر محل سے باہر آ گیا اور اپنی منزل کی طرف واپس کامیاب ہو کر چل پڑا۔ شہزادی رخسار دور تک ارباب کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی کچھ دیر بعد ارباب اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اور شہزادی آنسو بہاتے ہوئے واپس محل میں داخل ہو گئی۔ ارباب نے دیکھا کہ اب محل سے بہت دور آ چکا ہوں تو ارباب نے بوزن جن کے دیئے ہوئے بال نکالے اور سورج کے سامنے کر دیئے بوزن فوراً حاضر ہو گیا کیوں بلایا ہے مجھے ارباب بوزن ہم دونوں کو اپنی منزل تک پہنچا دو میرے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالو ارباب شیرنی کے بچے پر سوار ہوا اور اپنے ہاتھ بوزن کے ہاتھوں میں ڈال دیئے اور آنکھیں بند کر لیں کچھ دیر بعد پھر بوزن کی آواز ارباب کے کانوں سے ٹکرائی ارباب آنکھیں کھول دو ارباب نے جیسے ہی آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو کنویں کے پاس پایا۔

ارباب نے شیرنی کا بچہ ایک درخت سے باندھ دیا اور خود کنویں میں اتر گیا۔ ارباب کی مائیں اس کی آمد پر بہت خوش ہوئیں اور بار بار اس کا منہ چومنے لگیں۔ ارباب نے اپنی کامیابی کی داستان اپنی ماؤں کو سنائی تو ان کی خوشی میں اور خوشی شریک ہو گئی۔ بیٹا کامیاب کیوں نہ ہوتے ہماری دعائیں جو تمہارے ساتھ تھیں۔ بس امی یہ تمہاری ہی دعاؤں کی بدولت مجھے کامیابی ہوئی ہے۔ اچھا امی اب میں یہ شیرنی کا دودھ بادشاہ سے پہنچا کر آ جاؤں۔

شیری آج بہت خوش تھی اور سوچ رہی تھی کہ آج ارباب کو گئے ہوئے تین دن ہو چکے ہیں شہزادی رخسار نے اسے بھی دوسروں کی طرح قیدی بنا لیا ہو گا اب یہ ارباب ماؤں کو ختم کرنا چاہ رہی تھی اور موقع تلاش کر رہی تھی۔ جیسے ہی ارباب محل میں داخل ہوا اور شیری کی اس پر نظر پڑی تو اسے زندہ دیکھ کر حیران ہو گئی اور سوچنے لگی کہ اسے شہزادی رخسار نے قید کیوں نہیں کیا ارباب بادشاہ کی خدمت میں دودھ لے کر حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے ارباب سے دودھ لیا اور شیری کے حوالے کر دیا شیری دودھ دیکھتے ہی کہنے لگی کہ سرتاج یہ شیرنی کا دودھ نہیں ہے۔ شیری دوبارہ ارباب کو واپس بھیجنا چاہتی تھی تو پھر بیگم یہ کس چیز کا دودھ ہے یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں سرتاج کہ یہ کس جانور کا دودھ ہے بہر حال سرتاج یہ شیرنی کا دودھ نہیں۔ کیا ملکہ عالیہ یہ سچ کہہ رہی ہے کہ یہ شیرنی کا دودھ نہیں بادشاہ سلامت نے پاس کھڑے ہوئے ارباب سے کہا نہیں بادشاہ سلامت یہ شیرنی کا ہی دودھ ہے کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ یہ شیرنی کا ہی دودھ ہے۔ بادشاہ نے ذرا طیش بھرے لہجے میں کہا۔ بادشاہ سلامت مجھے کچھ ٹائم دیں تاکہ میں ثبوت لا کر دوں۔ ارباب محل سے باہر نکلا اور کچھ دیر بعد شیرنی کا بچہ لے کر بادشاہ کے پاس حاضر ہو گیا یہ کیا تم شیرنی کا بچہ اٹھا لائے ہو بادشاہ نے شیرنی کا بچہ دیکھتے ہوئے کہا بادشاہ سلامت یہی ہے میرے پاس ثبوت آپ اس دودھ کو اس بچے کے سامنے رکھ دو اگر یہ شیرنی کا دودھ ہوا تو بچہ اسے پی لے گا۔ اگر یہ کسی اور جانور کا ہوا تو یہ بچہ دودھ نہیں پیئے گا۔ بادشاہ نے شیری کے ہاتھ سے دودھ لیا اور بچے کے سامنے رکھ دیا۔ بچہ اپنی ماں کا دودھ دیکھتے ہی دودھ پر ٹوٹ پڑا۔ بچہ دودھ پینے لگا۔ بادشاہ نے فوراً بچے کے سامنے سے دودھ اٹھا لیا اگر بادشاہ بچے کے

سامنے سے دودھ نہ اٹھایا تو یقیناً بچہ سارا دودھ پی جاتا۔ بادشاہ کو ارباب کے سامنے شیری کی وجہ سے شرم شار ہونا پڑا۔

ٹھیک ہے لڑکے یہ شیرنی ہی کا دودھ ہے تم سچ کہہ رہے تھے اور مجھے سچے لوگ اچھے لگتے ہیں بولو تم کیا انعام لو گے۔ نہیں بادشاہ مجھے انعام نہیں چاہئے یہ تو میرا فرض تھا ملکہ عالیہ جیسے راحیل کی ماں ہے اسی طرح میری بھی ماں ہے۔ ارباب کے انکار کرنے کے باوجود بھی بادشاہ نے اسے کافی ساری سونے کی اشرفیاں دے دیں۔ شیری اپنی ناکامی کی وجہ سے پشیمان ہو رہی تھی یہ ہر صورت میں ارباب کو ختم کرنا چاہتی تھی۔ ارباب کا زندہ رہنا اس کے لئے موت کا پیغام تھا۔ یہ اس دیوار کو گرانا چاہ رہی تھی کہ یہ میرے اور میرے سب راستے صاف ہو جائیں۔

پھر اس کے دماغ میں شیطانی سوچیں جنم لینے لگیں اب جہاں ارباب کو یہ بھیجنا چاہ رہی تھی یہ ایک ایسا گاؤں تھا جہاں سے ارباب کسی قیمت بھی زندہ بچ کر واپس نہیں آ سکتا تھا۔ آج پھر یہ آنکھوں کے درد کا بہانہ بنا کر لیٹ گئی اور چیخیں مار مار کر رونے لگی۔ کیا ہوا بیگم کیوں رو رہی ہو بادشاہ نے شیری سے پوچھا سرتاج میری آنکھوں میں بہت درد ہو رہا ہے اور مجھے دیکھائی بھی کم دے رہا ہے۔ جلدی سے سرتاج آب شفاء منگوائیں ورنہ میں اندھی ہو جاؤں گی۔ بادشاہ آب شفاء کا نام سنکر حیران ہو گیا یہ نام بادشاہ نے پہلی بار سنا تھا۔ مگر بیگم یہ آب شفاء کونسی دوا ہے اور کہاں سے ملے گی۔ سرتاج یہ ایک پانی ہے جسے آنکھوں میں ڈالنے سے آنکھوں کا درد ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتا ہے۔ جب بھی میری امی آنکھوں میں درد ہوتا تھا تو میری امی میری آنکھوں میں یہ آب شفاء ہی ڈالتی تھی۔ مگر یہ آب شفاء بیگم کہاں سے ملے گا سرتاج یہ ایک گاؤں سے ملے گا جس کا نام ہوڑی ہے مگر یہ گاؤں کہاں ہے اور کتنی دور ہے سرتاج یہ گاؤں کیلاس جنگل عبور کر کے ایک سرخ دریا آئے گا وہ سرخ دریا عبور کر کے ایک کالی پہاڑی آئے گی جس پر چڑھ کر دیکھنے سے سامنے ہوڑی گاؤں نظر آئے گا۔ اس گاؤں میں ایک بوڑھی عورت ہے جو کہ گاؤں کی سردار ہے یہ آب شفاء اس بوڑھی عورت سے ملے گا اور یہ آب شفاء بھی ارباب ہی لا سکتا ہے۔

بادشاہ کا جی تو نہیں چاہ رہا تھا کہ ارباب کو پھر دوبارہ آب شفاء لینے کے لئے بھیجا جائے مگر یہ شیری کے سامنے مجبور تھا کیونکہ شیری نے چڑیلیں پکڑ وا کر یعنی ان بے گناہ عورتوں کو پکڑوا کر پورے شہر کو موت کی بھینٹ چڑھنے سے بچا لیا تھا۔ یہی وجہ تھی جو بادشاہ اس کی ہر بات ماننے کو مجبور تھا۔ بادشاہ نے ارباب کو دربار میں بلا لیا اور اسے بڑے پیار سے ساری کہانی سنائی اور آب شفاء لانے کو کہا۔ ارباب نے پھر انکار کر دیا اور کہا کہ یہ میری بس کی بات نہیں آب شفاء لانا دیکھو ارباب تم نے کہا تھا کہ جیسے ملکہ راحیل کی ماں ہے اسی طرح میری بھی ماں ہے کیا تم اپنی ماں کے لئے آب شفاء نہیں لا سکتے۔ مگر یہ آب شفاء کون سی دوا ہے بادشاہ سلامت ارباب نے پوچھا بیٹا ارباب یہ وہ پانی ہے جسے آنکھوں میں ڈال لیا جائے تو بے نور آنکھوں میں بھی روشنی آ سکتی ہے۔ ارباب کو فوراً اپنی اندھی ماؤں کا خیال آیا اور سوچنے لگا کہ یہ پانی تو ضرور لانا چاہئے تاکہ میں اپنی اندھی ماؤں کی آنکھوں میں ڈالوں اور انہیں بینائی مل جائے کیا سوچ رہے ہو ارباب کچھ نہیں بادشاہ سلامت کیا لا سکتے ہو آب شفاء ہاں بادشاہ سلامت میں آب شفاء ضرور لے کر آؤں گا۔ چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے

بادشاہ ارباب کے جذبات بھری بات سن کر بہت خوش ہوا بیٹا ارباب مجھے تم سے یہی امید تھی۔ بادشاہ نے ارباب کو سارا راستہ بتایا اور اس گاؤں اور بوڑھی کا بھی بتایا جسکے پاس آب شفاء موجود تھا۔

ارباب آب شفاء لانے کے لئے جیسے ہی گھوڑے پر سوار ہونے لگا تو شیری نے ارباب کو آواز دے کر رکنے کا اشارہ کیا پھر شیری ارباب کے قریب آ گئی اور ایک لیٹر ارباب کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہنے لگی کہ جب تم گاؤں پہنچ جاؤ تو یہ لیٹر تم اس گاؤں کی سردار بوڑھی کو دے دینا تاکہ تمہیں آب شفاء ملنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

ارباب نے شیری سے لیٹر لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر آب شفاء لینے کیلئے کیلا اس جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب شیری کو پورا یقین ہو چکا تھا اب یہ زندہ بچ کر کسی صورت بھی واپس نہیں آئے گا۔ کیونکہ جہاں اب ارباب کو شیری نے بھیجا تھا یہ چڑیلوں کا گاؤں تھا اور جو گاؤں کی سردار بوڑھی عورت تھی وہ شیری کی والدہ تھی۔ ارباب کیلا اس جنگل میں داخل ہو چکا تھا۔ جنگل بہت بڑا اور خطرناک تھا۔ بہر حال ارباب نے کافی سفر طے کر کے یہ جنگل عبور کر لیا اور اپنے گھوڑے کا رخ سرخ دریا کی طرف کر لیا۔ کافی دیر بعد یہ دریا تک پہنچنے میں کامیاب ہوا جب دریا پر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ دریا میں پانی کے بجائے خون بہہ رہا تھا پورا دریا خون سے بھرا ہوا اپنے جوبن پر چل رہا تھا جسے ارباب دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا۔

بہر حال ارباب نے زیادہ توجہ اس بہتے ہوئے خون پر نہ دی اور دریا عبور کرنے کے لئے راستہ تلاش کرنے لگا۔ کافی دیر تک یہ راستہ تلاش کرتا رہا مگر اسے دریا عبور کرنے کے لئے کوئی راستہ نہیں ملا۔ اسے جیسے ہی بوزن استاد کا خیال آیا تو اس نے فوراً بال نکالے اور سورج کے سامنے کر دیئے۔ بوزن جن فوراً حاضر ہو گیا اور ارباب کو سرخ دریا پر دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ کیا حکم ہے میرے آقا......

بوزن مجھے یہ دریا عبور کرنا ہے مگر تم کیوں دریا عبور کرنا چاہتے ہو؟ بوزن نے کہا۔ بوزن میں یہ دریا عبور کر کے بوڑی گاؤں جانا چاہتا ہوں تمہیں معلوم ہے تم جس گاؤں جانا چاہ رہے ہو یہ بہت خطرناک گاؤں ہے یہاں سے تم زندہ واپس نہیں آ سکتے۔ نہیں بوزن یہ خطرناک گاؤں نہیں ہے یہ دیکھو مجھے ملکہ عالیہ نے یہ خط دیا ہے اور میں یہاں آب شفاء لینے جا رہا ہوں یہاں کوئی خطرے والی بات نہیں۔ بوزن نے ارباب سے خط لیا اور اسے پڑھنے لگا جس کی تحریر کچھ یوں تھی:

پیاری امی جان! یہ میرا دشمن آ رہا ہے یہ ان ہی عورتوں کا لڑکا ہے جن پر میں نے چڑیل ہونے کا الزام لگا کر انہیں قتل کروایا تھا اور انکی آنکھیں نکلوا دی تھیں مگر وہ عورتیں زندہ ہیں۔ انہیں قتل نہیں کیا گیا تھا میں اسے آب شفاء کے بہانے سے تمہارے پاس بھیج رہی ہوں جیسے ہی وہ تمہارے پاس آئے اسے کچا ہی چبا ڈالنا یہ زندہ بچ کر واپس نہ آنے پائے۔

فقط تمہاری بیٹی شیری

جب بوزن نے یہ خط پڑھا تو حیرت سے ارباب کا منہ دیکھنے لگا اور کہنے لگا کہ ارباب یہ عورت نہیں ہے یہ چڑیل ہے جس نے تمہیں آب شفاء کے بہانے یہاں بھیجا ہے۔ یہ عورت تمہیں مروانا چاہتی ہے میں تو کہتا ہوں کہ تم واپس لوٹ جاؤ نہیں بوزن ملکہ عالیہ چڑیل نہیں ہے جسے میں اچھی طرح جانتا ہوں اور ایک عرصے سے دیکھتا آ رہا ہوں میں نے کبھی اس میں کوئی چڑیل والی حرکت نہیں پائی میں کیسے مان لوں کہ وہ چڑیل ہے

اور مجھے مروانا چاہتی ہے۔ بوزن نے بہت سمجھایا ارباب کو کہ تم اس گاؤں مت جاؤ اور اسے خط بھی پڑھ کر سنایا مگر ارباب نہ مانا اور جانے کی ضد کرتا رہا۔

دراصل آب شفاء ارباب کی ضرورت بن چکا تھا اور آب شفاء ہر قیمت پر لانا چاہتا تھا تاکہ اپنی اندھی ماؤں کی آنکھوں میں ڈالے اور انہیں بینائی مل سکے۔ جب بوزن نے دیکھا کہ ارباب نے جانے کا پکا عہد کرلیا ہے تو بوزن کہنے لگا ٹھیک ہے ارباب تم جانا چاہتے ہو تو جاؤ میں تمہیں اب نہیں روکوں گا۔ مگر تم یہ خط نہیں لے کر جاؤ گے۔ بوزن نے خط پھاڑتے ہوئے کہا میں تمہیں دوسرا خط لکھ کر دیتا ہوں بوزن نے شیری کا لکھا ہوا خط پھاڑ دیا اور ارباب کو دوسرا خط لکھ کر دے دیا جس کی تحریر کچھ یوں تھی:

امی جان! یہ میرا بیٹا ارباب آرہا ہے جسے میں نے بھیجا ہے اسے میری کمی محسوس نہ ہوا سے خوب باغوں کی سیر کرانا ہر قسم کے میوے کھلانا اور اسے آب شفاء دے دینا۔ میری آنکھوں میں ہر وقت درد رہتا ہے۔ فقط تمہاری بیٹی شیری۔

بوزن جن نے مختصر سا خط لکھ کر ارباب کے حوالے کردیا اور کہا کہ گاؤں کا کوئی شخص بھی تمہارے سامنے آئے تو یہ خط کھول کر دیکھا دینا۔ آؤ اب میں تمہیں یہ سرخ دریا عبور کراتا ہوں اور اس نے ارباب کو دریا عبور کروادیا اور خود غائب ہوگیا۔ ارباب نے دریا پار کیا اور پھر اپنے گھوڑے کا رخ کالی پہاڑی کی طرف کرلیا۔ کافی دیر بعد یہ کالی پہاڑی تک پہنچنے میں کامیاب ہوا کالی پہاڑی کے قریب پہنچ کر یہ گاؤں تلاش کرنے لگا مگر اسے گاؤں کہیں بھی نظر نہ آیا۔ پھر یہ شیری کے بتانے کے مطابق کالی پہاڑی پر چڑھ گیا۔ پہاڑی پر چڑھنے میں اسے بہت دشواری پیش آئی کیونکہ یہ پہاڑی بہت بلند تھی۔ ارباب نے پہاڑی پر چڑھ کر ادھر ادھر نظر گھمائی مگر اسے کوئی گاؤں وغیرہ نظر نہ آیا۔ ارباب پہاڑی سے اترنے ہی والا تھا کہ اسے شور ہوتا ہوا سنائی دیا۔ اس نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا تو اس کے اوسان خطا ہوگئے اور پورے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی پسینے سے شرابور ہوگیا کیونکہ سامنے سے سینکڑوں کے حساب سے چڑیلیں بھاگتی ہوئی اس پہاڑی کی طرف آرہی تھیں جس پر ارباب چڑھا ہوا تھا۔ ہر چڑیل کی خواہش تھی کہ پہلے اس آدم زاد کا خون میں پیئوں میں جا کر پہلے اس پر حملہ کروں۔ ارباب موت کو سامنے آتے ہوئے دیکھ کر خوفزدہ ہو رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ بوزن نے سچ کہا تھا وہ چڑیلوں کا گاؤں ہی ہے۔ اگر میں بوزن کی بات مان لیتا تو شاید زندہ بچ جاتا مگر اب کیا ہوسکتا ہے اب تو موت بہت قریب آچکی ہے۔

اچانک ارباب کو بوزن جن کا دیا ہوا خط یاد آگیا۔ ارباب نے فوراً خط نکالا اور ہاتھ میں رکھ لیا۔ جیسے ہی چڑیلیں پہاڑی پر چڑھ کر اس کے قریب آئیں تو ارباب نے خط کھول کر ان سب کے سامنے کردیا۔ ساری چڑیلیں خط دیکھ کر وہیں پررک گئیں۔ ارباب ان سب کے درمیان میں کھڑا ہوا تھا انہوں نے چاروں طرف سے ارباب کو گھیرے میں لیا ہوا تھا ان سب چڑیلوں میں سے ایک بوڑھی چڑیل آگے بڑھی اور ارباب سے خط لے کر پڑھنے لگی۔ جیسے ہی یہ خط پڑھ کر فارغ ہوئی تو ارباب کا منہ چومنے لگی۔ ارباب کو اس بوڑھی چڑیل میں سے بہت بو آرہی تھی جو ارباب سے برداشت نہیں ہورہی تھی۔ مگر ارباب مجبوراً اپنا چہرہ اس کے سامنے کیے ہوئے خاموشی سے کھڑا رہا یہ بوڑھی چڑیل ارباب کا منہ چوم کر فارغ ہوئی تو

دوسری چڑیلوں کو کہنے لگی کہ خبردار اگر کسی نے بھی میرے نواسے کی طرف بری نظر سے دیکھا تو میں اس کی آنکھیں نکال دوں گی۔ تمہیں معلوم ہے یہ کون ہے یہ میری بیٹی شیری کا لڑکا ہے ارباب مگر بیٹا تمہارا نام تو راحیل بتایا تھا شیری بیٹی نے۔ ہاں نانی جان میرا نام تو راحیل ہی تھا مگر ابا حضور کو یہ نام اچھا نہیں لگتا تھا اس لئے ابا حضور نے میرا نام راحیل سے ارباب رکھ دیا۔ ارباب نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔

ارباب سب کچھ سمجھ چکا تھا اس اسے یہ بھی یقین ہو چکا تھا کہ ملکہ عالیہ بھی چڑیل ہے بوزن سچ کہہ رہا تھا کہ یہ عورت مجھے مروانا چاہتی ہے مگر بیٹا شیری بیٹی نے تمہارے آنے کی خبر بھی نہ دی نہیں۔ دراصل نانی جان امی جان سے اچانک یہاں بھیج کر تمہیں سرپرائز دینا چاہتی تھی۔ بہت شریر ہے بیٹی شیری بھی اس بوڑھی چڑیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آؤ بیٹا گھر چلیں یہ سب ارباب کو لے کر ایک جلوس کی شکل میں گاؤں کی طرف چل پڑیں۔ ارباب پریشان ہو رہا تھا کہ گاؤں نہ جانے کہاں ہے اور مجھے یہ کہاں لے کر جا رہی ہیں۔ گاؤں کا تو دور دور تک نام و نشان نہیں ہے۔ اچانک اس ویران میدان میں ایک گڑھا آیا اور یہ سب چڑیلیں ارباب کو لے کر گڑھے میں اتر گئیں۔ جب ارباب نیچے اتر چکا تو یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ زمین کے اندر ایک بہت بڑا گاؤں آباد تھا۔ ارباب کی آمد پر پورے گاؤں کی چڑیلیں مرد عورتیں اور بچے سب اس بوڑھی چڑیل کے گھر میں جمع ہو گئے۔ یعنی ارباب کی نانی کے گھر آ گئے۔ ارباب کی آنے کی خوشی میں ایک بہت بڑا جشن منایا گیا سب مرد عورتیں ناچ رہے تھے خاص کر ارباب کے ماموں تو بہت زیادہ خوش تھے۔ کبھی ارباب کے لئے خون کا گلاس بھر کر لا رہے تھے اور کبھی تھالی میں دل کلیجی سجا کر لا رہے تھے۔ مگر ارباب سب کو انکار کرتا رہا کہ ماموں نہ تو مجھے پیاس ہے اور نہ ہی مجھے بھوک ہے سب کچھ کھا پی کر آیا ہوں آپ جلدی سے نانی جان مجھے آب شفاء دے دو امی جان کی آنکھوں میں بہت درد تھا۔ بیٹا ارباب پہلی بار تو تم آئے ہو اور واپس جا رہے ہو کم از کم ایک رات کو ٹھہر جاؤ۔ نہیں نانی جان میرے پاس وقت بہت کم ہے پھر کبھی آیا تو میں ایک ماہ تک اپنی پیاری نانی جان کے پاس رہ کر جاؤں گا۔ ارباب نے اپنی نانی کے گلے میں اپنی بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔ نانی جان آپ جلد مجھے آب شفاء دیں تاکہ میں لے کر واپس روانہ ہو جاؤں آؤ بیٹا میرے ساتھ بوڑھی ارباب کا ہاتھ پکڑ کر ایک تہہ خانے میں لے گئی۔ تہہ خانے میں پہنچ کر بوڑھی نے ارباب کا ہاتھ چھوڑ دیا تہہ خانے میں گھپ اندھیرا تھا ارباب کو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا کہاں ہو نانی جان مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔ ایک منٹ بیٹا میں ادھر آئی ارباب خاموشی سے تاریکی میں کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد یہ بوڑھی عورت ارباب کے پاس آئی اور ساتھ اپنے ایک بوتل بھی لے کر آئی پھر اس بوڑھی عورت نے بوتل کا ڈھکن کھولا اور بوتل سے کچھ پانی نکال کر ارباب کی آنکھوں پر لگا دیا۔ آنکھوں پر پانی لگنے سے ارباب کو ہر شے صاف دکھائی دینے لگی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے یہاں پر تاریکی ہی نہ تھی۔ بیٹا ارباب یہ ہے وہ آب شفاء جسے بے نور کی آنکھوں میں ڈال دیا جائے تو اس کی آنکھوں کی بینائی واپس آ جائے۔ لو بیٹا اب اسے سنبھال کر رکھ لو۔ بوڑھی نے ارباب کو آب شفاء کی بوتل دیتے ہوئے کہا۔ آؤ بیٹا میں تمہیں اور چیزیں بھی دکھاتی ہوں۔ نہیں نانی جان اب مجھے اجازت دو میں جانا چاہتا ہوں۔ بیٹا چلے

جانا اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ بوڑھی ارباب کا ہاتھ پکڑ کر آگے لے گئی آؤ آؤ بیٹا ارباب نہ چاہتے ہوئے بھی بوڑھی کے ساتھ چلا گیا۔

بوڑھی نے لے جا کر ارباب کو پنجروں کے سامنے کھڑا کر دیا یہ پرندے کیوں قید کئے ہوئے ہیں نانی جان ان پنجروں میں بیٹا کیا تمہیں بیٹی شیری نے کچھ نہیں بتایا ان پرندوں کے بارے میں۔ نہیں نانی جان مجھے تو کبھی امی جان نے کچھ نہیں بتایا ان پرندوں کے بارے میں یہ دیکھو بیٹا جو یہ کبوتر نظر آ رہے ہیں ان سب کبوتروں میں جتنے بھی تیرے ماموں ہیں ان سب کی جان جب تک یہ کبوتر نہیں مریں گے تو تیرے ماموں زندہ رہیں گے اور جب یہ کبوتر مر جائے تیرے ماموں بھی مر جائیں گے اور یہ دیکھو بیٹا بوڑھی ارباب کو دوسرے پنجرے کے پاس لے گئی یہ طوطا ہے جس میں تیری ماں کی جان ہے یعنی کہ میری پیاری بیٹی شیری کی جان ہے اور ادھر آؤ بیٹا میں تمہیں اور چیز دیکھاتی ہوں بوڑھی پنجروں کے پاس سے ارباب کو آگے لے گئی ارباب بار بار مڑ مڑ کر طوطے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

بوڑھی نے ارباب کو ایک لکڑی کی پیٹی کے پاس کر دیا جس پر قفل لگا ہوا تھا بوڑھی نے چابیاں نکالیں قفل کھولا اور پیٹی سے کپڑے میں لپٹی ہوئی کوئی چیز نکالی پھر اس چیز سے کپڑا ہٹا کر کہنے لگی یہ دیکھو بیٹا ارباب یہ **14** آنکھیں ہیں جو کہ تیری ماں نے میرے پاس امانت کے طور پر رکھوا رکھیں ہیں جن عورتوں کی یہ آنکھیں ہیں یہ عورتیں پہلے بادشاہ کی بیویاں تھیں اسی بادشاہ کی جو اب تیرا ابا جان ہے۔ یعنی کہ میرا داماد بیٹی شیری نے ان ساتوں عورتوں پر چڑیل ہونے کا الزام لگا کر انہیں قتل کروا دیا تھا اور ان کی آنکھیں نکلوا کر میرے پاس بھیج دی تھیں اگر بیٹا کسی بغیر آنکھوں والے کو یہ آنکھیں لگا کر اگر یہ آب شفاء تھوڑا سا لگا دیا جائے تو اسے زندگی بھر کے لئے روشنی مل سکتی ہے۔

ارباب سوچنے لگا کہ سات عورتیں تو میری مائیں ہیں اور ان سب کی آنکھیں نہیں ہیں اس کا مطلب ہے اس شیری چڑیل نے میری ماؤں پر جھوٹا الزام لگا کر ان کی آنکھیں نکلوائیں تھیں ارباب سب کچھ سمجھ چکا تھا۔ اب اسے یاد آیا کہ مجھے مائیں کیوں کہتی تھیں کہ کبھی کسی کو اپنے بارے میں کچھ نہیں بتانا۔ کیا سوچ رہے ہو بیٹا؟ نانی جان میں یہ سوچ رہا ہوں کہ جس مور میں تمہاری جان ہے وہ مور کتنا پیارا ہے۔ جی چاہ رہا ہے کہ میں اس مور کو ہاتھوں میں لے کر جی بھر کے کھیلوں اور پیار کروں۔ تو بیٹا یہ کونسی اتنی بڑی خواہش ہے تمہاری میں ابھی تمہیں مور دے دیتی ہوں نکال کر چاہے تم اس سے سارا دن کھیلتے رہو اور اپنا دل بہلاتے رہو۔ بوڑھی جو کہ آنکھوں کو کپڑے میں لپیٹ رہی تھی بوڑھی نے آنکھوں کو وہیں لکڑی کی پیٹی پر رکھا اور پنجرے سے مور نکال کر ارباب کے حوالے کر دیا اور واپس جا کر کپڑے میں آنکھیں لپیٹنے لگی۔

بہت پیارا مور ہے نانی جانی ہاں بیٹا بوڑھی نے مختصر سا جواب دیا اور آنکھیں لپیٹنے میں مصروف رہی۔ ارباب نے دیکھا کہ بوڑھی اب آنکھوں کو پیٹی میں رکھ رہی ہے اور میری طرف اس کا بالکل بھی دھیان نہیں ہے ارباب نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور فوراً مور کی گردن توڑ ڈالی۔ یہ کیا کیا بیٹا ارباب تم نے بوڑھی کی زبان سے یہی الفاظ نکلے اور پھر اسکا جسم ڈھیلا پڑ گیا اور گردن اس کی پیٹی میں جھکی کی جھکی رہ گئی۔ بوڑھی کی گردن ٹوٹ چکی تھی۔ ارباب فوراً پیٹی کی طرف بڑھا بوڑھی کو پکڑا اور زمین پر پھینک دیا۔ ارباب نے پیٹی سے آنکھیں نکالیں اور محفوظ کر لیں۔ پھر ان پنجروں کی

طرف بڑھا جن میں پرندے قید تھے پہلے اس نے مور نکالا اور اس کی گردن توڑ ڈالی پھر کبوتروں کی طرف بڑھا اور ایک ایک کر کے سب کبوتروں کی گردنیں توڑ دیں جس پنجرے میں طوطا بند تھا یعنی جس طوطے میں شیری چڑیل کی جان تھی اس نے یہ طوطے والا پنجرہ اٹھایا اور فوراً تہہ خانے سے باہر آ گیا۔ اس نے باہر آ کر بوزن کے دیئے ہوئے بال پھر نکالے اور سورج کے سامنے کر دیئے۔ جیسے ہی بال سورج کے سامنے ہوئے بوزن جن فوراً حاضر ہو گیا کیا پریشانی ہے میرے محسن مجھے کیوں بلایا گیا ہے۔ بوزن مجھے جلدی سے اپنی منزل تک پہنچاؤ ایسا نہ ہو کہ کہیں گاؤں کی چڑیلوں کو خبر نہ ہو جائے کہ میں سب کو مار کر طوطے کا پنجرہ لے کر جا رہا ہوں جلدی میرے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالو ارباب...... ارباب نے اپنے دونوں ہاتھ بوزن کے ہاتھوں میں دے دیئے اور پھر یہ ہوا میں اڑنے لگے۔

اب آنکھیں کھول دو ارباب تمہاری منزل آ گئی ہے ارباب نے آنکھیں کھولیں تو محل کے سامنے کھڑا ہوا تھا اور بہت خوش ہو رہا تھا اپنی کامیابی پر کہ چڑیل نے تو مجھے مروانے کے لئے بھیجا تھا اور اب اس کی موت میرے ہاتھ میں ہے۔ بوزن ارباب کو منزل تک پہنچا کر غائب ہو چکا تھا۔ ارباب محل میں داخل ہوا تو جیسے ہی شیری چڑیل کی نظر ارباب پر پڑی تو اسے ارباب کے ہاتھ میں اپنی موت نظر آئی۔ یہ دوڑتی ہوئی ارباب کے پاس آئی ارباب یہ طوطا مجھے دے دو نہیں ملکہ عالیہ یہ طوطا میں تمہیں نہیں دوں گا ارباب یہ ہماری ساری دولت لے لو اور یہ طوطا مجھے دے دو۔ نہیں ملکہ عالیہ اگر تم اپنی ساری دولت بھی مجھے دو تو بھی میں یہ طوطا نہیں دوں گا۔

کیسا شور مچا ہوا ہے بیگم..... بادشاہ نے آ کر شیری سے کہا سرتاج یہ طوطا مجھے لے کر دے دو چاہے اس طوطے کے بدلے میں اسے اپنی ساری دولت دے دو بادشاہ شیری کی بات سن کر حیران ہو گیا اور حیرت سے شیری کا منہ دیکھتے ہوئے کہنے لگا: بیگم! تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو ایسی کون سی خاص بات ہے اس طوطے میں جو تم اس طوطے کے بدلے میں اپنی ساری دولت دلوا رہی ہو ہم تمہیں بازار سے اس سے بھی خوبصورت طوطا منگوا کر دے دیں گے۔

نہیں سرتاج مجھے یہی طوطا لے کر دو شیری نے بچوں کی طرح ضد کرتے ہوئے کہا۔ بیٹا ارباب کتنے پیسے لو گے اس طوطے کے۔ نہیں بادشاہ سلامت یہ طوطا میں بیچنے کے لئے نہیں لایا بیٹا ارباب تم جتنے پیسے مانگو گے ہم تمہیں اتنے ہی دیں گے تم یہ طوطا ملکہ عالیہ کے حوالے کر دو۔ ٹھیک ہے بادشاہ سلامت آپ کی یہی مرضی ہے تو میں طوطا ملکہ عالیہ کے حوالے کر دوں گا مگر میری ایک شرط ہے۔ کیا شرط ہے تمہاری میری شرط یہ ہے کہ بادشاہ سلامت کہ آپ پورے شہر کو دربار میں بلائیں جب دربار میں شہر کے سب لوگ جمع ہوں گے تو تب میں یہ طوطا ملکہ عالیہ کے حوالے کر دوں گا تا کہ لوگوں کو بھی پتا چلے کہ ارباب نے ملکہ عالیہ کو طوطا دیا ہے۔ ٹھیک ہے مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔

بادشاہ نے پورے شہر میں اعلان کر دیا کہ سب لوگ دربار میں حاضر ہو جائیں بادشاہ کے اعلان کرنے کے کچھ دیر بعد ہی دربار میں شہر کے تمام لوگ جمع ہو گئے۔ ارباب نے بھری بزم میں تقریر شروع کر دی اور کہنے لگا میرے شہر کے لوگو آج میں جو تمہیں تماشا دکھانے والا ہوں اسے دیکھ کر تم سب حیران رہ جاؤ گے۔ یہ تماشا نہیں ہے

بلکہ ایک حقیقت ہے جن بے گناہ عورتوں پر اس ملکہ عالیہ نے چڑیل ہونے کا......

ابھی ارباب کی زبان سے یہی الفاظ نکلے تھے کہ شیری فوراً بول پڑی ارباب یہ طوطا مجھے دے دو ورنہ میں بادشاہ کی گردن توڑ دوں گی۔ سب لوگوں کی توجہ ملکہ عالیہ کی طرف ہوگئی اور اسے بڑی حیرانگی سے دیکھنے لگے۔ بادشاہ بھی حیران ہوگیا کہ مجھے سرتاج کہنے والی مجھے بادشاہ کیوں کہہ رہی ہے۔ ارباب میں کہہ رہی ہوں کہ یہ طوطا مجھے دے دو ورنہ بادشاہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اب کے ملکہ کی آواز میں غصہ بھرا ہوا تھا اور کرسی سے اٹھ چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ شیری بادشاہ کو کوئی نقصان پہنچاتی ارباب نے سب لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور کہا کہ اے شہر والو! تماشا شروع ہو چکا ہے۔ میری طرف دیکھو ارباب نے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے طوطے کے دونوں پر توڑ ڈالے طوطے کے پر ٹوٹتے ہی شیری دونوں ہاتھوں سے معذور ہوگئی۔ اس کے دونوں بازو زمین پر پڑے ہوئے تھے شیری نے فوراً اپنا چہرہ بدل لیا اس کے بڑے بڑے دانت صاف دیکھائی دینے لگے۔ اس کے منہ سے رال ٹپکنے لگی اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اسکے جس کے کپڑے غائب ہوگئے اور جسم پر بال ہی بال نکل آئے۔ یعنی اس کے مکمل چڑیل کا روپ دھار لیا۔ اسے چڑیل کے روپ میں دیکھ کر دربار میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ پورے دربار میں بھگدڑ مچ گئی کچھ لوگ تو بے ہوش بھی ہوگئے۔

بادشاہ بھی اسے چڑیل کے روپ میں دیکھ کر پریشانی کے ساتھ ساتھ خوفزدہ بھی ہوگیا۔ شیری چڑیل طوطا چھیننے کے لئے جیسے ہی ارباب کی طرف بڑھی تو ارباب نے طوطے کی دونوں ٹانگیں توڑ ڈالیں یہ ٹانگوں سے بھی معذود ہوگئی اور زمین پر گر پڑی۔ زمین پر گرنے کے باوجود اچھل اچھل کر ارباب کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اب بھی اس کی یہ کوشش تھی کہ کسی طرح طوطا ہاتھ لگ جائے مگر اس کی یہ بھول تھی کہ اس کے ہاتھ طوطا لگ جائے گا۔ طوطا اس کی پہنچ سے بہت دور تھا۔ ارباب نے دیکھا کہ اب یہ طوطا نہیں چھین سکی ارباب اسکے قریب آ کر کھڑا ہوگیا۔ شیری کی نظر اب بھی طوطے پر جمی ہوئی تھی۔ ارباب خدا کے لئے یہ طوطا مجھے دے دو میں یہ طوطا لے کر یہاں سے دور چلی جاؤں گی اور کبھی واپس نہیں آؤں گی۔ اس کے چاروں طرف شہر کے لوگ جمع تھے اور یہ زمین پر پڑی ہوئی ارباب سے طوطے کی بھیک مانگ رہی تھی ٹھیک ہے میں تمہیں طوطا دے دوں گا مگر پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم چڑیل ہو یا وہ بے گناہ عورتیں چڑیل تھیں جن پر تم نے چڑیل ہونے کا الزام لگا کر انہیں قتل کروا دیا تھا اور ان کی آنکھیں نکلوا دیں تھیں۔ نہیں ارباب وہ بے گناہ عورتیں چڑیلیں نہیں تھیں میں نے ان پر چڑیل ہونے کا جھوٹا الزام لگایا تھا تا کہ انکے بعد محل پر میرا راج ہو جو میں چاہوں وہی ہو۔ ارباب جتنے بھی شہر میں قتل ہوئے سب کو میں نے قتل کیا تھا میں نے ہی سب کا خون پیا تھا۔ میں نے ہی سب کو موت کے گھاٹ اتارا تھا دیکھو ارباب اب میں نے تمہیں سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے اب تم یہ طوطا مجھے دیدو۔ تم کیا سمجھتی ہو کہ میں تمہیں طوطا دے دوں گا مجھے معلوم ہے اس طوطے میں تمہاری جان ہے جیسے تم نے بے گناہ لوگوں کی جان لی ہے اسی طرح تم بھی اب موت کا مزہ چکھو۔ ارباب جیسے ہی طوطے کی گردن توڑنے لگا تو بادشاہ نے فوراً ارباب کو روک دیا کہ تم اس کی گردن مت توڑو یہ طوطا مجھے دو اس کی گردن میں خود توڑ دوں گا۔ ارباب نے طوطا بادشاہ کے حوالے کردیا۔ بادشاہ نے طوطا لیا اور

ایک ہی جھٹکے سے طوطے کی گردن توڑ ڈالی گردن ٹوٹتے ہی شیری زمین پر تڑپنے لگی اور کچھ دیر بعد اس نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔

بادشاہ اپنے کئے پر بہت پشیمان تھا کہ میں نے یہ کیا کیا کہ اس چڑیل کے کہنے پر میں نے ان بے گناہ رانیوں کو قتل کرا دیا۔ بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بادشاہ دیوار سے سر ٹکرانے لگا اور رو رو کر کہہ رہا تھا کہ خدا کے لئے مجھے معاف کر دینا میں نے تمہیں بے گناہ قتل کرایا ہے مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم چڑیلیں نہیں ہو۔ بادشاہ بولے جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ رو رہا تھا۔

اچانک کسی نے اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ بادشاہ سلامت ہماری طرف دیکھو بادشاہ نے جیسے ہی مڑ کر دیکھا تو دیکھ کر حیران ہو گیا اور خوشی سے جھوم اٹھا کیونکہ اسکے سامنے اسکی ساتوں بیویاں کھڑی تھیں۔ تم زندہ ہو...... ہاں بادشاہ سلامت یہ زندہ ہیں ہم نے ان کو قتل نہیں کیا ہم انہیں ایک کنویں میں چھوڑ آئے تھے۔ بادشاہ سلامت ہم بھلا رانیوں کو اپنے ہاتھوں سے کیسے قتل کر سکتے تھے جلادوں نے کہا جو کہ اب بوڑھے ہو چکے تھے۔ بادشاہ کے جذبات قابو میں نہ رہے اور بادشاہ دوڑ کر اپنی رانیوں کے گلے لگ کر رونے لگا مجھے معاف کر دو میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا ہے میں تمہارا مجرم ہوں مجھے جو چاہے سزا دے دو۔ نہیں سرتاج اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں یہ سب تقدیر کے کھیل ہیں ہمیں آپ سے کوئی گلہ نہیں ہم کل بھی آپ کی رانیاں تھیں اور آج بھی آپ کی رانیاں ہیں۔ مگر ہمیں دکھ اس بات کا ہے کہ ہم اپنے سرتاج کا چہرہ نہیں دیکھ سکتیں۔ مجھے بھی بہت دکھ ہے تمہاری آنکھیں نکلوانے کا تمہیں بینائی سے محروم کرنے کا مگر تم فکر مت کرو میں اپنی ساری دولت تمہاری آنکھوں پر قربان کر دوں گا اور تمہاری کھوئی ہوئی بینائی واپس لاؤں گا۔

ابا حضور آپ بینائی کی فکر مت کریں ارباب نے آب شفا کی بوتل بادشاہ کو دکھاتے ہوئے کہا بادشاہ سلامت ارباب کے منہ سے ابا حضور کا نام سن کر حیران ہو گیا تم کون ہو اور مجھے ابا حضور کیوں کہہ رہے ہو۔ بادشاہ سلامت یہ آپ کا بیٹا ہے ارباب جو کہ کنویں میں پیدا ہوا تھا چھوٹی رانی کا لڑکا ہے۔ یہ ارباب میرا بیٹا ہے؟ ہاں بادشاہ سلامت یہ آپ کا بیٹا ہے۔ جلاد نے کہا بادشاہ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری ہو گئے اور فوراً ارباب کو پکڑ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ کافی دیر تک یہ دونوں باپ بیٹا ایک دوسرے کے گلے لگ کر روتے رہے پھر بادشاہ نے ارباب کو گلے سے جدا کیا اور اس کا منہ چومنے لگا۔ بیٹا تم بھی مجھے معاف کر دو میں نے تمہیں اپنی قربت اور پیار سے محروم رکھا بیٹا میں تمہارا مجرم ہوں۔

نہیں ابا حضور مجرم تو شیری چڑیل تھی جس کو ہم نے موت کیگھاٹ اتار دیا ہے اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں آپکا قصور یہ ہے کہ آپ نے بغیر سوچے سمجھے میری ماؤں کو موت کی سزا سنا دی تھی۔ انسان جب بھی کوئی فیصلہ کرے تو سوچ سمجھ کر کرے۔ ابا حضور ساغر کا کہنا ہے کہ سو گناہگاروں کو چھوڑ دو مگر ایک بے گناہ کو سزا مت دو کیونکہ بے گناہ کی پکار ساتویں آسمان تک جاتی ہے۔ بس کرو بیٹا میں پہلے ہی بہت شرمندہ ہوں مجھے اب اور شرمندہ مت کرو۔ ارباب خاموش ہو گیا اور بادشاہ بھی اپنے آنسو صاف کرنے لگا۔

بیٹا تم کہہ رہے تھے آپ آنکھوں کی بینائی کی فکر مت کریں ہاں ابا حضور میں اس لئے کہہ رہا تھا کہ میرے پاس آب شفاء موجود ہے اور وہ آنکھیں

بھی جو شیری چڑیل نے نکلوائی تھیں۔ آپ کو آب شفاء کا کرشمہ دیکھاتا ہوں۔ ارباب نے جلدی سے وہ آنکھیں نکالیں جو کہ اس نے محفوظ کی ہوئی تھیں۔ اس نے وہ آنکھیں اپنی نابینا ماؤں کو لگائیں اور پھر تھوڑا تھوڑا آب شفاء لگا دیا۔ ان سب رانیوں کی کھوئی ہوئی بینائی واپس آگئی۔ آج 20 سال بعد انہیں اپنے شہزادے ارباب کا دیدار نصیب ہوا تھا۔ دیکھا ابا حضور آپ نے آب شفاء کا کمال...... ہاں بیٹا واقعی آب شفاء کمال کی چیز ہے۔ ابا جان جیسے میری مائیں آج سے 20 سال پہلے تھیں ویسی ہی آج دوبارہ ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بچھڑنے سے بچا لیا ہے اور آج ہمارے گھر میں خوشیاں ہی خوشیاں ہیں۔

تم کیوں قید ہو جاؤ تم بھی اپنی آزادی کی خوشی مناؤ۔ ارباب نے شیرنی کے بچے کی گردن سے زنجیر کھولتے ہوئے کہا۔ شیرنی کا بچہ جیسے ہی آزاد ہوا اس نے اپنا رخ جنگل کی طرف کرلیا۔ شیرنی کے بچے کو گئے ہوئے چند گھنٹے ہی گزرے تھے کہ شہزادی رخسار اور اس کی کنیز دونوں محل میں داخل ہوگئیں۔ مجھے معلوم تھا شہزادے تم شیرنی کا بچہ آزاد کرو گے اور تمہیں میری ضرورت پڑے گی۔ یہ کون ہے بیٹا اس کی ماؤں نے پوچھا۔ امی جان یہ شہزادی رخسار ہے اور یہ اس کی چھوٹی بہن ہے یہ کیوں آئیں ہیں بیٹا یہاں؟ ارباب نے ساری کہانی اپنی ماؤں کو سنا دی اس کا مطلب ہے کہ یہ ہماری بہو ہے۔ یعنی کہ تمہاری ہونے والی دلہن۔ ارباب نے اپنی ماؤں کے سامنے ندامت سے نگاہیں جھکا لیں۔ ارباب کی بھی یہی خواہش تھی کہ شہزادی رخسار سے شادی ہو کیونکہ یہ اسے کافی پہلے ہی دل دے بیٹھا تھا اور جاگتی آنکھوں شہزادی رخسار کے خواب دیکھتا رہتا تھا۔ شہزادے میں شادی تو تمہارے ساتھ کروں گی مگر میری ایک شرط ہے اب اور کون سی تمہاری شرط باقی رہ گئی ہے جسے پورا کرنا ہے۔ ارباب نے شرارتی لہجے میں رخسار سے کہا۔ شہزادے مجھے صرف تم یہ بتا دو کہ تم نے اس دیو نما شخص کو کیسے مارا تھا میں آج تک پریشان ہوں کہ تم نے اپنے کمزور ہونے کے باوجود اسے کیسے مار ڈالا خدا کے لئے مجھے بتا دو ورنہ میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ اچھا تو پھر یہ شرط ہے تمہاری ابھی بتاتا ہوں کہ میں نے اس دیو نما شخص کو کیسے مارا تھا۔

ارباب نے بال نکالے اور سورج کے سامنے کردیئے۔ جیسے ہی بال سورج کے سامنے ہوئے تو بوزن جن فوراً حاضر ہوگیا جسے دیکھ کر سب خوفزدہ ہو گئے۔ کیا حکم ہے میرے آقا؟ یہ شہزادی رخسار مجھ سے شادی کرنے کیلئے رضامند نہیں ہورہی۔ ارباب نے مسکراتے ہوئے بوزن جن سے کہا۔ بوزن جن اپنے چھوٹے چھوٹے قدم بڑھاتا ہوا شہزادی رخسار کی طرف بڑھا شہزادی رخسار نے دیکھا کہ یہ جن خطرناک ارادے سے میری طرف بڑھ رہا ہے تو یہ بھاگ کر ارباب کے گلے لگ گئی۔ شہزادے مجھے بچالو ورنہ یہ تیرا دوست مجھے مار ڈالے گا۔ اب بتاؤ میرے ساتھ شادی کرو گی یا پھر کوئی اور شرط رکھو گی۔ نہیں نہیں..... میں اب کوئی شرط نہیں رکھوں گی اور تمہارے ساتھ شادی کرنے پر راضی ہوں۔

اس طرح ارباب کی اور شہزادی رخسار کی شادی ہوگئی۔ راحیل کی کنیز کے ساتھ شادی ہوگئی اور اس طرح سب ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔

☆☆☆

خوفناک واقعہ

تحریر: ماجد یعقوب شاہ۔ ڈھرنال

یہ جو واقعہ میں آپ کو سنانے جا رہا ہوں یہ ہمارے ہی گاؤں کا واقعہ ہے چلئے تو پھر واقعہ کی طرف چلتے ہیں۔

ہمارے گاؤں میں ایک آدمی رہتا تھا۔ وہ کتے پالنے کا بہت شوقین تھا ہمارے گھر کے سامنے کی طرف کا علاقہ غیر آباد ہے ہمارے گھر سے تھوڑا پرے اس علاقے کے شروع میں صرف ایک گھر آباد ہے ورنہ اسی طرف اور کوئی گھر نہیں اس علاقے کو پہاڑ لے والا نبھ کہتے ہیں' ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ وہ آدمی کتے پالنے کا بہت شوقین تھا۔ ایک دفعہ رات کے وقت اس کا کتا مر گیا جو کہ دو تین دن سے بیمار تھا۔ سننے میں آیا ہے کہ اس علاقے کی طرف جن بلائیں وغیرہ رہتی ہیں جب اس کا کتا مرا تو اسے بہت افسوس ہوا پھر وہ کتے کو اسی ویرانے کی طرف پھینکنے کے لئے جانے لگا۔ جب گاؤں کی کوئی گائے بھینس یا اونٹ مرے تو لوگ اس طرف پھینک آتے تھے۔ اس کی ماں نے اسے بہت روکا کہ رات کے وقت جانا مناسب نہیں لیکن اس نے کہا کہ ابھی جانا ہے۔ چنانچہ وہاں کتے کو وہاں پھینکنے کے لئے چل پڑا' بلائیں وغیرہ گوشت کی بو سونگ کر آ جاتی ہیں یہ بھی ہم نے سنا ہے تو جیسے ہی اس نے کتا پھینکا اور واپس جانے کے لئے مڑا تو وہاں دو چڑیلیں نمودار ہوئیں اور اس کی طرف آنے لگیں' جیسے ہی اس نے خوفناک بلائیں دیکھیں اس نے دوڑ لگا دی' وہ بلائیں بھی اس کے پیچھے بھاگنے لگیں' وہ جیسے ہی اس شروع والے گھر کے قریب پہنچا اس نے مڑ کر دیکھا تو بلائیں کھڑی اسے گھور رہی تھیں' وہ بھاگنے ہی والا تھا' کہ ان میں سے ایک بلا بولی' تو یہ گاؤں چھوڑ کر چلا جا ورنہ ہم تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گی' اس بلا کی آواز ایسے تھی جیسے بادل گرج رہے ہوں وہ وہاں سے دوڑا اور گھر پہنچ کر بے ہوش ہو گیا' جب دوسرے دن اسے ہوش آیا تو اس نے سارا واقعہ گھر والوں کو سنایا اور سامان باندھ کر تلہ گنگ چلا گیا' اب وہ تلہ گنگ رہتا ہے اور کبھی کبھی گھر آتا ہے لیکن گھر رات نہیں گزارتا' یہ بالکل سچا واقعہ ہے۔

خوفناک واقعہ

محمد منیب رضا

یہ جو واقعہ میں آپ کو سنانے جا رہا ہوں حقیقت ہے یہ واقعہ میرے ماموں کے ساتھ پیش آیا جو کہ ہمارے ہی شہر کے ایک گارکھ بلوچ میں رہتے ہیں آیئے انہی کی زبانی سنتے ہیں۔

میرا نام عدیل ہے میں یہ واقعہ جو آپ کو سنانے جا رہا ہوں حقیقت پر مبنی ہے میری آپ بیتی ہے ہوا یوں گرمی کے دن تھے میں نے سوچا کیوں نہ نہر پر نہانے چلیں میں نے اپنے دوستوں کو ساتھ لیا جس میں محمد منیب رضا' اور محمد سلمان ہیں میں نے اپنا موٹر سائیکل نکالا اور سوار ہو کر اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھے' ڈیڑھ گھنٹے بعد ہم وہاں پہنچ گئے وہاں سے ٹائروں والی ٹیوبیں لیں اور نہانے

لگے کیوں کہ نہر کافی گہری اور تیز تھی ہم تیرنے میں بھی کافی ماہر تھے لیکن پھر بھی کہا جاتا ہے کہ قسمت کا کوئی بھروسہ نہیں اس لئے ہم نے ٹیوبیں لیں اور نہانے لگے دو گھنٹے نہانے کے بعد ہم باہر نکلے کیوں کہ ٹائم بھی کافی ہو چکا تھا سورج غروب ہونے والا تھا اور گہرے بادل چھا رہے تھے۔اس لئے ہم جلدی نکلے موٹر سائیکل پر سوار ہوئے اور چلنے لگے ابھی ہم تھوڑا سا ہی چلے تھے کہ موٹر سائیکل خراب ہو گیا ہم بہت پریشان ہوئے کہ نزدیک تو ورکشاپ بھی کوئی نہیں تھا ہم تینوں نے اپنے اپنے ہتھ کنڈے استعمال کئے لیکن بے سود رہے اس لئے ہم نے سوچا پیدل ہی چلا جائے ڈیڑھ گھنٹہ چلنے کے بعد ہمیں ایک ورکشاپ نظر آئی ہم نے موٹر سائیکل ٹھیک کرنے کے لئے کھڑی کی خود قریبی ہوٹل میں کھانے کی غرض سے چلے گئے کھانا وغیرہ کھا کر فارغ ہوئے تو موٹر سائیکل بھی ٹھیک ہو گئی ہم نے موٹر سائیکل پکڑی سوار ہو گئے تقریباً آٹھ بج چکے تھے ہم جلدی جلدی موٹر سائیکل دوڑانے لگے ساتھ ہی بارش بھی شروع ہو گئی سڑک بالکل سنسان پڑی تھی اوپر سے بارش اور اندھیرا اور خطرناک منظر پیش کر رہے تھے صرف ایک موٹر سائیکل کی لائٹ آن تھی راستے میں جگہ جگہ کھڑے آ رہے تھے۔اچانک سڑک پر جہاں لائٹ پڑ رہی تھی اس روشنی پر کوئی سایہ سا بنا ہوا تھا ہم نے اوپر دیکھا کچھ بھی نہ تھا میرے دوست تو پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اس لئے انہیں کچھ نظر نہ آیا اچانک موٹر سائیکل کی لائٹ پھٹ گئی اب تو مزید اندھیرا چھا گیا مجھے ایسے محسوس ہوا کہ جیسے بریک پر میرا پیر تھا اسے کی دبانے کی کوشش کر رہا میری لاکھ کوشش کے باوجود بھی میں اپنا پیر اوپر نہ لا سکا پھر یکدم بریک لگ گئی میں حیران بھی ہوا اور خوفزدہ بھی سلمان نے کہا ابے بے وقوف یہ کس جگہ پہ تو نے موٹر سائیکل روک دی پھر میں نے کیک کرنے کی کوشش کی لیکن سٹارٹ نہ ہوا ہم نے باری باری پھر اپنے اپنے طریقے سے سٹارٹ کرنے کی کوشش کی پھر ہم ناکام رہے ہم نے سوچا کہ پیدل ہی چلتے ہیں کیوں کہ گاؤں تھوڑے سے فاصلے پر رہ گیا تھا ہم نے موٹر سائیکل کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ موٹر سائیکل سے ہمیں کرنٹ کا ایک جھٹکا لگا ہم نے سوچا۔ایدھر ہی کھڑی کر دیتے ہیں ہم آہستہ آہستہ چلنے لگے ابھی ہم دو تین میٹر کے فاصلے پر ہی پہنچ رہے تھے کہ پیچھے سے موٹر سائیکل سٹارٹ ہونے کی آواز آئی ہم نے پیچھے موڑ کر دیکھا ہی تھا کہ موٹر سائیکل خود بخود چلنے لگا اور اس کو چلانے والا بھی نظر نہیں آ رہا تھا ہم خوفزدہ ہوئے بھاگنے لگ گئے موٹر سائیکل تیزی سے آیا اور موڑ کر ہمارے یعنی کہ جب ہمارے برابر آ پہنچا تو موڑ کر ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا ہم خوف کے مارے کانپنے لگے۔اچانک موٹر سائیکل سے دھواں اٹھنا ظاہر ہوا اور ہماری طرف بڑھنے لگا ہماری قریب پہنچنے کے بعد وہ بہت ہی خوفناک وجود اختیار کر گیا اس کی آنکھوں میں آگ دہکتی نظر آ رہی تھی بالوں کی جگہ سانپ لٹکے ہوئے تھے ہونٹ غائب تھے اور فٹ فٹ کے دانت تھے ہم نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ہمارے پیر زمین پر سے اٹھ ہی نہیں رہے تھے اس کے بعد ہمیں کوئی ہوش نہ رہا جب ہوش میں آئے تو میں اپنے گھر کے صحن میں چارپائی پر لیٹا ہوا تھا گھر والوں نے بتایا کہ تم دو دن تک بے ہوش رہے ہو تمہیں گاؤں سے باہر کسی آدمی نے دیکھا تم اور تمہارا دوست سڑک پر بے ہوش

پڑے تھے اور تمہارے ساتھ ایک ڈھانچا پڑا ملا
میں نے سلمان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے
بتایا کہ سلمان تین دن سے غائب ہے لوگوں کا کہنا
ہے کہ تم اور سلمان اور منیب اکھٹے کہیں گئے تھے
اگر سلمان تمہارے ساتھ تھا تو سلمان کہاں گیا اور
وہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ ڈھانچہ کس کا تھا کچھ دن بعد
مجھے اپنی جیب سے ایک رقعہ ملا جس پر لکھا تھا آخر تم
دونوں کی گردن کے ساتھ تعویز نہ بندھا ہوتا تو تم
دونوں بھی سلمان کی طرح ڈھانچے بن جاتے اس
کے بعد ہمارے گاؤں میں تین ڈھانچے ملے لیکن
اس کے بعد کوئی واقعہ پیش نہیں آیا لیکن مجھے جب
بھی وہ واقعہ یاد آتا ہے میرے رونگٹے کھڑے ہو
جاتے ہیں۔

خوفناک حقیقت

تحریر: آر این ارشاد۔ لاہور

یہ واقعہ جو آپ کے گوش گزار رہا ہوں بالکل
حقیقت پر مبنی ہے اور یہ واقعہ میرے ایک دوست
کے ساتھ پیش آیا۔ آیئے اسی کی زبانی سنتے ہیں۔

میرا نام احمد ہے یہ اس وقت کا واقعہ ہے
جب ہم اپنے گاؤں شادی پر گئے ہوئے تھے میری
عمر اس وقت تقریباً چوبیس پچیس سال تھی جب یہ
واقعہ میرے ساتھ پیش آیا' شادی میرے چاچو کی
تھی' میں ایک خاموش طبع انسان تھا اس لئے مجھے
ہجوم وغیرہ سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی' میں نے
اپنے کزن کو ساتھ لیا اور باہر کھیتوں کی طرف روانہ
ہو گئے چلتے چلتے ہم گاؤں سے کافی دور نکل آئے'
تھکاوٹ کی وجہ سے ہم ایک درخت کے نیچے بیٹھ
گئے اور خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔ مجھے
پیشاب کی حاجت محسوس ہوئی تو میں کچھ دور جا کر
ایک درخت کے نیچے پیشاب کرنے لگا' فارغ
ہونے کے بعد میں واپس اسی جگہ اپنے کزن کے
پاس آ بیٹھا' میرے کزن نے بتایا کہ درختوں کے
نیچے پیشاب وغیرہ نہیں کرتے مگر میں ان باتوں پر
زیادہ توجہ نہیں دیا کرتا تھا۔ ہم وہاں بیٹھے باتیں کر
رہے تھے کہ اچانک مجھے پیچھے سے کسی نے پتھر مارا'
پہلے تو میں نے اپنا وہم سمجھا' جب دوسرا اور کافی بڑا
پتھر لگا تو میرے منہ سے چیخ ہی نکل گئی۔ میں نے
مڑ کر پیچھے دیکھا تو میرے اوسان خطا ہو گئے ایک
بدصورت' خوفناک چڑیل وہاں موجود تھی' کہنے لگی
تم نے ہماری جگہ پر پیشاب کیا ہے میں تمہیں زندہ
نہیں چھوڑوں گی' جیسے ہی وہ ہماری طرف لپکی ہم
نے دوڑ لگانا شروع کر دی' خدا کا کرم یہ ہوا کہ اس
وقت عشاء کی اذانیں شروع ہو گئیں۔ اور ہم
دوڑتے اور ہانپتے ہوئے گاؤں پہنچ گئے۔ گاؤں
پہنچنے کے بعد بھی مجھے وہ بار بار کسی نہ کسی جگہ نظر
آرہی تھی' اس کا چہرہ بہت ہی بھیانک تھا۔ میں
نے سوچا کہ کس طرح اس منحوس سے جان چھڑائی
جائے تو اچانک میرے ذہن میں میرے ایک
دوست رانا کا خیال آیا وہ ہائی کوالیفائیڈ اور
درویش منش انسان تھا۔ میں نے جلدی سے اپنے
کزن سے رانا کا نمبر پوچھا یار تمہارے پاس نہیں
ہے اگر ہوتا تو احمق تم سے پوچھتا۔ کیونکہ میرے
پاس اس وقت فون نمبرز کی ڈائری نہ تھی۔ اچھا یار ابھی
بتاتا ہوں۔ میرے کزن نے مجھے نمبر بتایا۔ ہیلو رانا
بھائی یار ہمیں آپ کی ضرورت ہے جلدی آپ
جلدی سے ہمارے گاؤں پہنچ جائیں' دوسرے دن
وہ ہمارے گاؤں پہنچ گیا میں نے ساری صورت
حال اس کے گوش گزار دی' اس نے کہا اچھا یار چلو

اسی جگہ چلتے ہیں۔ شام بھی ہو چکی تھی ہم دوبارہ اسی جگہ جا پہنچے جہاں وہ منحوس ہمیں ملی تھی، ہم اسی درخت کے نیچے بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک وہ بدصورت چڑیل ہمارے سامنے ظاہر ہو گئی اسے دیکھتے ہی میرے تو پاؤں سے جیسے زمین ہی نکل گئی میں اور میرا کزن تھر تھر کانپنے لگے مگر رانا کو تو جیسے کوئی ڈر ہی نہ تھا وہ نارمل کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا چڑیل نے رانا سے کہا کہ میں تمہارے دوستوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گی ان بیچاروں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو تم ان کو تنگ کر رہی ہو رانا نے چڑیل سے سوال کیا۔ انہوں نے میرے گھر پر پیشاب کیا ہے اور مجھے تنگ کیا ہے۔ رانا بڑے نرم لہجے سے اس سے مخاطب ہوا دیکھو تم اور ہم سب بلکہ اس کائنات کی ہر چیز خدا کی پیدا کردہ ہے یہ زمین یہ گھر بار سب اسی کے ہیں ہم ان کے مالک نہیں ہیں مالک صرف وہی خدا ہے جس کی کائنات کا ذرہ ذرہ عبادت کرتا ہے۔ میں تمہیں خدا، اس کے رسول ﷺ اور قرآن پاک کا واسطہ دیتا ہوں یہاں سے چلی جاؤ اور آئندہ انہیں تنگ مت کرنا ورنہ تمہارا ایسا حال کروں گا کہ یاد رکھو گی۔ اور تم قرآن پاک اور اللہ کی طاقت سے بخوبی آگاہ ہو اگر تم مسلمان نہیں بھی ہو تم بھی تم سب جانتی ہو۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ میں نے کل کائنات کے مالک کا تمہیں واسطہ دیا ہے انہیں چھوڑ دو اور انہیں معاف کر دو آئندہ یہ لوگ تمہیں تنگ نہیں کریں گے۔ چڑیل نے ایک دفعہ غضبناک انداز اور دہکتی آنکھوں سے ہماری طرف دیکھا میرے تو سردی کے دنوں میں پسینے چھوٹ گئے۔ رانا بھائی نے کچھ پڑھنا شروع کر دیا، پھر چند لمحوں کے بعد وہ وہاں سے چلی گئی اور پھر کبھی دوبارہ وہ ہمارے سامنے نہ آئی۔ میں نے رانا بھائی کا شکریہ ادا کیا اور ان کی خاطر مدارت کرنے کے بعد انہیں لاہور کے لئے روانہ کر دیا۔ قارئین یقیناً قرآن پاک اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔ امید ہے یہ واقعہ آپ کو پسند آیا ہو گا اور اس سے آپ نے کچھ سبق بھی حاصل کیا ہو گا۔ کیسی لگی آپ کو میری پہلی کاوش آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

وہ کیا تھا؟

تحریر: محمد منیب وفا۔ منڈی بہاؤالدین

یہ واقعہ بالکل سچا ہے اور امید ہے آپ کو ضرور پسند آئے گا یہ میرے دوست نے مجھے سنایا ہے انہی کی زبانی سنئے۔ میرا نام عامر ہے یہ واقعہ میرے ساتھ سن دو ہزار میں دسمبر کی جمعرات کی رات کو پیش آیا ہم سب سوئے ہوئے تھے کہ مجھے پیاس لگی میں اٹھا اپنے برآمدے کی لائٹ آن کی آگے صحن میں میں نے دیکھا کہ ایک لمبا اور موٹا تازہ بکرہ ٹہل رہا ہے عام بکروں سے کافی قد لمبا تھا اس کا اور سینگ پیروں تک لٹک رہے تھے۔ اور آنکھیں لال سرخ تھیں اور دانت منہ سے باہر نکلے ہوئے پیلے زرد تھے جیسے ہی اس نے میری طرف دیکھا وہ باز بن کر اڑ گیا خوف کے مارے میرے پسینے چھوٹنے لگے اور ٹانگیں کانپنے لگیں میں نے فوراً پانی پیئے بغیر ہی اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی اور چارپائی پہ آ کر لیٹ گیا جب ہم صبح اٹھے تو کسی انسان کا سر ہمارے صحن میں پڑا تھا جن کا ماس غائب تھا جب بھی یہ واقعہ مجھے یاد آتا ہے تو میں خوف کے مارے پسینے سے شرابور ہو جاتا ہوں۔

پرانی حویلی

تحریر: عمران خان

یہ کہانی جو میں آپ کو سنانے جا رہا ہوں یہ واقعہ ہمارے ساتھ پیش آیا ہے ہم پانچویں جماعت میں پڑھتے ہیں ہمیں گرمیوں کی چھٹیاں ملی ہیں اور میرے دوستوں نے باہر کا پروگرام بنایا شوکت، خرم، صدام، عمران نے اپنا سارا سامان گاڑی میں رکھا اور سفر پر روانہ ہوئے راستے میں گاڑی خراب ہوگئی رات کے بارہ بج رہے تھے سامنے ہمیں ایک حویلی نظر آئی، ہم سارے حویلی میں اندر گئے حویلی اتنی خوفناک تھی ہم جب سیڑھیوں کی طرف بڑھے تو ہمیں ایسے محسوس ہوا کہ کوئی ہمارے پیچھے کھڑا ہے ہر کوئی الگ الگ کمرے کو سونے چلا گیا رات کے دو بج رہے تھے کہ سیڑھیوں پر گھومنے کی آواز آ رہی تھی شوکت کی آنکھ کھل گئی شوکت سیڑھیوں سے نیچے آیا اس نے دیکھا خوفناک آدمی اس کے سامنے کھڑا تھا امجد اس کو دیکھ کر گھبرا گیا خوفناک آدمی نے امجد کو بے رحمی سے مار دیا۔ صبح ہوئی تو سب شوکت کو ڈھونڈ رہے تھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ ایک قبرستان کے قریب پہنچے ان کو وہاں شوکت کی لاش ملی، شوکت کی لاش پر پنجوں کے نشان تھے وہ شوکت کی لاش کو دفنا کر واپس حویلی آئے انہوں نے ارادہ کیا کہ ہم واپس گاؤں جائیں گے لیکن دوسری رات بھی ان کو وہاں رکنا پڑا سارے سو گئے لیکن خرم کو نیند نہ آ رہی تھی اس لئے کیونکہ اس کے دوست شوکت کو کسی نے مار دیا خرم کو ایسے لگ رہا تھا کوئی دروازے کے پاس گھومنے کی آواز سنائی دی اس نے جیسے دروازہ کھولا تو وہی آدمی کھڑا تھا جس نے شوکت کو مارا تھا اسنے خرم کو اپنی طرف کھینچا خرم چیخنے چلانے لگا لیکن کسی نے اس کی آواز نہ سنی وہ خرم کو لے کر قبرستان چلا گیا صدام اس کے پیچھے گیا اس نے دیکھا وہ خوفناک آدمی خرم کا کلیجا چبا رہا تھا صدام بھاگتا بھاگتا حویلی کی طرف آ رہا تھا وہی خوفناک آدمی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اس نے صدام کی گردن میں دانت گاڑ دیئے اور اس کا خون پیتا رہا تھا عمران دیکھ کر بھاگا عمران بھاگتا بھاگتا گاڑی کے قریب آ پہنچا وہ خوفناک آدمی اس کے پیچھے آ رہا تھا عمران نے گاڑی سے پٹرول نکال کر اس خوفناک آدمی کے چہرے پر پھینکا وہ جل کر راکھ بن گیا اسی طرح صبح ہوگئی عمران واپس گاؤں آیا اس نے یہ سارا واقعہ گاؤں والوں کے لوگوں کو بتایا گاؤں والوں نے کہا خدا کا شکر ادا کرو کہ تم صحیح سلامت واپس آئے ہو میں جب بھی یہ واقعہ یاد کرتا ہوں میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں خدا آپ کو سلامت رکھے۔

روح کا انتقام

تحریر: محمد منیب رضا۔ منڈی بہاؤالدین

اشرف اور توصیف دو دوست تھے ان کا گھر بھی ساتھ ساتھ تھا، اشرف کو ایک لڑکی سے پیار ہو گیا جس کا نام نازیہ تھا نازیہ بھی اشرف سے بہت پیار کرتی تھی آہستہ آہستہ دونوں نے ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کر دیا دونوں کی محبت پروان چڑھتی گئی توصیف بھی اشرف کا دوست ہونے کے ناطے یہ سب جانتا تھا وہ بھی نازیہ سے دل ہی دل میں محبت کرتا تھا اس طرح عرصہ گزرتا گیا ایک دن

اشرف گھر سے بن بتائے کہیں غائب ہو گیا سارا گاؤں چھان مارا لیکن اشرف کہیں نا ں ملا تو صیف آہستہ آہستہ نازیہ کے دل میں جگہ بنانے کی کوشش کرتا رہا نازیہ بھی اس کی باتوں میں آ گئی کیوں کہ اس نے اشرف کے خلاف ایسے ایسے ثبوت نازیہ کو دکھائے کہ نازیہ بھی توصیف کی باتوں میں آ گئی اور اشرف سے نفرت کرنے لگی لیکن ابھی تک اشرف کی کوئی خبر نہ ملی کہ وہ کیسا ہے کہاں ہے پھر پولیس کو اطلاع دی گئی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا توصیف کے جال میں نزیہ پھنس چکی تھی توصیف اور نازیہ کی محبت پروان چڑھتی گئی نازیہ نے دیکھا توصیف کچھ دنوں سے پریشان لگ رہا تھا نازیہ پوچھتی تو وہ ٹال دیتا اچانک ایک دن توصیف اپنے کمرے میں سویا ہوا تھا کہ اس کے کمرے سے چیخیں مارنیں کی آوازیں برآمد ہوئیں توصیف کے گھر والے توصیف کے کمرے کی طرف بھاگے اچانک توصیف کی چیخیں بند ہو گئیں جب وہ کمرے کے اندر داخل ہوئے تو توصیف اندر بے ہوش پڑا تھا تو صیف کو ہسپتال پہنچایا گیا دو تین دن بعد توصیف صحت یاب ہو گیا پھر ایک دن توصیف کے دوست عابد کی لاش گاؤں کے قبرستان کے پاس ملی جس کے جسم سے خون کا ایک قطرہ تک ناں تھا دل آنکھیں کلیجہ سب غائب تھا لوگ لاش کو دیکھ کر کانوں کو ہاتھ لگانے لگے اس کو بھی دفنا دیا گیا لیکن اگلے دن پھر توصیف کے دوست خرم کی بھی لاش مل گئی اس کا حال عابد کی لاش جیسا تھا توصیف اب بہت ڈرا ڈرا رہتا ایک دن وہ نازیہ سے ملنے گیا، جیسے ہی وہ نازیہ کے قریب گیا کسی انجان چیز نے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا جس سے وہ دم دبا کے بھاگ گیا اور گھر آتے ہی بے ہوش ہو گیا اسے اٹھا کر چارپائی پر اس کے گھر والوں نے لٹایا کچھ دیر بعد اسے ہوش آیا رات ہو چکی تھی وہ اٹھ کر گھر سے نکلا اور شمال کی طرف دوڑ لگا دی وہ پاگلوں کی طرح دوڑے جا رہا تھا اچانک اس کی ایک درخت سے ٹکر ہو گئی وہ زمین پر پیچھے کی طرف ہو کر گر پڑا پھر جب درد کم ہوا تو اسے اپنے سامنے کوئی کفن پوش نظر آیا پھر وہ قریب آیا جب وہ توصیف کے قریب آیا تو توصیف نے دیکھا وہ اشرف تھا توصیف نے کہا مجھے معاف کر دو یار میں نے نازیہ کو حاصل کرنے کے لئے تمہیں مار دیا توصیف نے روتے ہوئے کہا اشرف نے کہا صرف ایک لڑکی کو پانے کے لئے تم نے مجھے ہمیشہ کے لئے مٹا دیا تم نے جن کے ساتھ مل کر مجھے مارا ان کو تو میں موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں اب رہ گئی تمہاری باری تم بھی اب مرو گے یہ کہتے ہی اشرف نے اپنا ہاتھ اوپر کر کے فضا میں لہرایا توصیف فضا میں اڑتا ہوا درخت سے لگ کر زمین پر لگا پھر اشرف نے توصیف کو گردن سے پکڑا اور اس کی گردن میں دانت گاڑ دیئے اس کا خون چوس کر اس کا کلیجہ اور دل اور آنکھیں نکال کر کھائیں اور ایک ڈھیری کو اکھاڑنا شروع کر دیا جب وہ ایک گڑھا بن گیا اس میں سے اس نے کسی مردے کو نکالا جب اس نے وہ مردہ توصیف کے پاس پھینک دیا اور قہقہہ لگا کے غائب ہو گیا اگلے دن گاؤں سے توصیف اور اشرف کی لاش ملی دونوں لاشوں کو انہوں نے غسل دے کر جنازہ کیا اور دفن کر دیا اس کے بعد اشرف کی روح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پرواز کر گئی کیسی لگی میری پہلی کاوش رائے ضرور دیجئے گا۔

جسے اللہ رکھے

تحریر: جاوید اقبال۔ شورکوٹ

یہ دل ہلا دینے والا واقعہ میرے بڑے بھائی ناصر محمود کے ساتھ پیش آیا جب وہ کسی ضروری کام کے لئے شورکوٹ سے ملتان جا رہے تھے لیجئے انہی کی زبانی سنتے ہیں۔

یہ واقعہ یکم جنوری دو ہزار چار کا ہے میں اپنے ایک دوست عامر قذانی کے ساتھ ضروری کام سے ملتان جا رہا تھا ہم نے ساندل ایکسپریس پے جانا تھا جس کا ٹائم تو رات آٹھ بجے کا تھا لیکن وہ ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ تھی سردی بہت زیادہ تھی اور ساتھ ساتھ تھوڑی دھند بھی شروع ہو رہی تھی اللہ اللہ کر کے ساڑھے نو بجے کے قریب ٹرین آئی، ہم اس پر سوار ہوئے کچھ دیر بعد ٹرین اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئی تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ٹرین خانیوال اسٹیشن پر پہنچ گئی مسافر اترنے اور چڑھنے لگے میرے ذہن میں تھا کہ ٹرین یہاں کم از کم پندرہ منٹ رکے گی میں نے اپنے دوست عامر سے کہا کہ رکنا میں ایک فون کال کر کے ابھی آیا جب میں نیچے اترا تو دیکھا کہ پی سی او بہت پیچھے ہے میں پی سی او پر پہنچا ہی تھا کہ ادھر سے گاڑی کے ڈرائیور نے ہارن بجانا شروع کر دیا میں فون پر نمبر ملانے لگ گیا کہ کیا دیکھا گاڑی آہستہ آہستہ چل پڑی میں نے فون چھوڑا اور بھاگ کر گاڑی کے پچھلے ڈبے پر سوار ہو گیا سوار ہوتے ہی مجھے ایک نشست مل گئی میں بیٹھ گیا اچانک مجھے ٹکٹ کا خیال آیا تو میں نے اپنی جیب چیک کی دیکھا کہ ٹکٹ میرے ساتھی کے پاس ہے مجھے پریشانی لاحق ہو گئی کہ ٹکٹ چیکر بھاری جرمانہ کے ساتھ مسافروں کے سامنے بے عزتی بھی کرتے ہیں ٹکٹ خریدنے کے باوجود جرمانہ اور بے عزتی ہو تو یہ ناقابل برداشت تھا۔ تقریباً دس پندرہ منٹ بعد گاڑی آہستہ ہونے لگی تو دروازے پر آ گیا تاکہ اپنے ڈبے میں جا سکوں گاڑی رکی میں اترا اور اپنے ڈبے کی طرف بھاگا باہر بہت سردی تھی ابھی میں نے ایک ڈبہ ہی کراس کیا ہو گا کہ گاڑی نے ہارن بجایا اور ساتھ ہی آہستہ سے چل دی، سارے دروازے مسافروں نے سخت سردی کی وجہ سے اندر سے بند کیے ہوئے تھے گاڑی کچھ تیز ہونے لگی تو میں اس نظریے سے کہ دروازے پر دستک دے کر دروازہ کھلوا لوں گا دروازے پر چڑھ گیا گاڑی تیز ہو رہی تھی میں نے بائیں ہاتھ سے بند دروازے پر دستک دی تو دروازے کے قریب سیٹ پر سویا ایک شخص جاگ گیا اس نے مجھے باہر بند دروازے پر لٹکا دیکھا تو حیران رہ گیا کیونکہ ایک تو سردی اور دھند بہت زیادہ تھی اور گاڑی اب پوری رفتار سے چل رہی تھی وہ آدمی فوراً اٹھا اور دروازہ کھولنے لگا لیکن ناکام کوشش سے اس نے کہا بیٹا یہ دروازہ نہیں کھل رہا ہے میں پریشان ہو گیا میں نے اسے کہا چاچا جی کچھ آگے جا کر میرا ساتھی عامر قذانی نام کا لڑکا ہے اسے تو بلوا دیجئے وہ آدمی میرے دوست کو بلوانے چلا گیا میں نے سخت سردی میں باہر دیکھا تو اتنی زیادہ سپیڈ سے چلتی گاڑی دیکھ کر مجھے خوف محسوس ہونے لگا میں نے دوستوں ہاتھوں سے سائیڈوں سے لگے ہینڈلوں کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا کچھ لمحوں بعد میرا ساتھی آ گیا دونوں مل کر دروازہ کھولنے لگے لیکن ناکام ان کا شور سن کر باقی مسافر بھی جاگ گئے کیونکہ

تقریباً رات گیارہ بجے کا ٹائم تھا سارے مسافر حیران تھے اور مل کر دروازہ کھولنے لگے ایک مسافر نے بتایا کہ دروازہ نیچے سے ویلڈ کیا ہوا ہے یہ نہیں کھل سکتا تو کچھ مسافر گاڑی رکوانے کے لئے زنجیر کھینچنے لگے سارے زنجیر بالکل فری تھے گاڑی نہ رکی میں باہر سردی میں بالکل بے بس کھڑا تھا اور اگلے اسٹیشن آنے کا انتظار کر رہا تھا کچھ دیر بعد اگلے اسٹیشن کی بتیاں نظر آنی شروع ہوئیں تو میں غور کرنے لگا کہ واقعی اسٹیشن ہے یا کہ نہیں جب مجھے یقین ہوا کہ بتیاں واقعی کسی اسٹیشن کی ہیں تو میری جان میں جان آئی اس وقت میرے اوسان خطا ہو گئے جب گاڑی نے اس اسٹیشن پر رکنا گوارہ ہی نہ کیا گاڑی اسی رفتار سے اسٹیشن سے گزر گئی اب تو مجھے اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی کیونکہ سردی کی وجہ سے میرے دونوں ہاتھ شل ہو چکے تھے ہینڈل کو پکڑنا اب میرے بس سے باہر ہو رہا تھا جسم پر ایک جرسی تھی ٹانگیں بھی شل ہو رہی تھیں سردی اتنی تھی کہ دوسرے مسافر سائیڈ والے دروازے کھول کر ایک لمحے کے لئے بھی باہر نہیں دیکھ پاتے تھے لیکن مسافروں نے مجھے مسلسل حوصلہ دیے رکھا کہ بیٹا ہمت نہ ہارنا اللہ اللہ کرکے اگلے اسٹیشن کے آثار نظر آنے لگے لیکن ٹرین وہاں بھی نہ رکی اب بات میرے بس سے باہر ہو چکی تھی اب مجھے یقین ہونے لگا کہ میرا ہاتھ چھوٹ جانا ہے اور میں کسی بھی لمحے گر سکتا ہوں اور گرتے ہی میں سینکڑوں ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاؤں گا یہ سب کچھ سوچ کر خوف سے میں نے آنکھیں بند کر لیں پھر مجھے جتنی قرآنی آیات یاد تھیں میں پڑھنے لگا پھر اللہ سے توبہ کرنے لگا میں اپنے ہاتھوں کو شل ہو رہے تھے تھوڑی دیر بعد ایک ایک کرکے تیزی سے حرکت دیتا تاکہ یہ گرم رہیں پھر دل ہی دل میں اللہ سے فریاد کرنے لگا کہ اللہ میاں میں نے اپنے ہاتھ اور زبان سے تیرے کسی بندے کو کبھی بھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا میرے ہاتھ اور زبان سے تیرے بندے ہمیشہ محفوظ رہے ہیں پھر تو مجھے کس چیز کی سزا دے رہا ہے میری یہ فریاد بارگاہ الٰہی میں قبول ہوئی اور پھر اگلے اسٹیشن کے آثار نظر آنے لگے میں پھر دعا مانگنے لگا اللہ میاں گاڑی اس اسٹیشن پر رک جائے اللہ کا کرنا ہوا اور گاڑی صرف چند لمحوں کے لئے رک گئی میں اتر کر اگلے دروازے پر جواب کھلا تھا چڑھ ہی رہا تھا کہ گاڑی پھر چل پڑی لیکن اب میں گاڑی پر سوار ہو چکا تھا سوار ہوتے ہی لوگوں نے مجھے سیٹ پر لٹا دیا اور مجھ پر کافی ساری چادریں ڈال دیں میں لیٹا ہوا کانپ رہا تھا اور اللہ کا شکر گزار بھی تھا جس نے مجھے سخت سردی اور اتنی خطرناک حالت میں بھی مجھے اپنی امان میں رکھا مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نے اپنی شدید سردی میں چالیس منٹ چلتی گاڑی پر گزارے لیکن سچ ہی ہے جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔

عبرتناک واقعہ

تحریر: عبدالرئوف شاکر۔ سیالکوٹ

یہ واقعہ جو میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں یہ آج ہی میں نے اپنی ماں سے سنا جو کہ کچھ دنوں سے گاؤں گئی ہوئی تھیں جب میں سکول سے واپس آیا تو امی آ چکی تھیں میں نے امی کو ملا پھر ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھایا تو امی سے کہا کہ کوئی بات

سناؤ۔ تو امی جان نے کہا میں جب گاؤں گئی تو ہمارے پڑوس میں جو گھر ہے وہ کسی اور گاؤں کے آدمی نے خرید اتھا۔ جب میں گاؤں گئی تو کچھ دن پہلے ہی وہ وہاں شفٹ ہوئے تھے اس آدمی کی چھ لڑکیاں تھیں لڑکا کوئی نہ تھا اس کی بیوی پھر سے حاملہ تھی جب اس کے گھر جنم ہوا تو وہ پھر بیٹی تھی جب وہ آدمی کام سے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ گھر میں پھر لڑکی ہوئی ہے تو اس نے اپنی بیوی کو غصے میں آکر مارنا شروع کر دیا' وہ کہہ رہا تھا میری بیوی صرف لڑکیاں ہی پیدا کر سکتی ہے لڑکا کیوں نہیں' محلے والے شور سن کر آئے اور اس آدمی کو سمجھا کر چلے گئے اس نے اپنی بیوی کا کھانا پینا بند کر دیا وہ بیچاری تین دن بھوکی رہی چوتھے دن اس نے اپنے خاوند سے کہا مجھے بھوک لگی ہے مجھے کھانا دو تو اس نے کہا اچھا ابھی لاتا ہوں اور اپنی بیوی سے چھوٹی بچی اٹھالی اور باورچی خانے میں لے جا کر اس کو ذبح کر دیا گردن ایک طرف پھینک دی اور باقی جسم کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں کر کے ہانڈی میں ڈال کر چڑھانے کے لئے چولہے پر رکھ دی اور خود پنکھے کی ہوا لینے کی غرض سے بٹن دبایا تو اچانک بجلی نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا اور اسے ہلنے کا موقع تک نہ دیا' جب وہ مر گیا تو بجلی نے اسے چھوڑ دیا جب کافی دیر تک اس کا خاوند کھانا لے کر نہ آیا تو اس کی بیوی اٹھی اور باورچی خانے میں جا کر دیکھا کہ لڑکی کی گردن کٹی ہوئی ہے اور ایک ہانڈی میں اس کا گوشت پک رہا ہے اور دوسری طرف خاوند صاحب بجلی کے جھٹکے لگنے سے مر گئے ہیں۔ محلے کے لوگوں کو اکٹھا کر کے کفن دفن کا اہتمام کیا گیا جب اس کے جنازے کو لوگ اٹھانے لگے تو چارپائی کسی بھی آدمی سے ہل نہیں رہی تھی تھک ہار کر لوگوں نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے تو اس نے سب کچھ بتا دیا آخر کلمہ وغیرہ پڑھ کر کسی طرح جنازہ اٹھایا اور قبرستان لے گئے نماز جنازہ پڑھا کر اس آدمی کو قبر میں اتار دیا ابھی لوگوں نے قبر میں مٹی ڈالی ہی تھی کہ قبر میں یکدم آگ بھڑک اٹھی لوگوں نے جب یہ منظر دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے یہ ہے میرا سچا واقعہ پلیز اسے شائع ضرور کرنا تا کہ چند گمراہ لوگ جن کے گھر بچیاں پیدا ہوتی ہیں ان کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

بونا جن

تحریر: فرید علی۔ سیت پور

سب سے پہلے میں قارئین کو اپنا تعارف کرادوں میرا نام فرید علی ہے اور میں سیت پور کے گاؤں میں رہتا ہوں یہ واقعہ جو میں آپ کو سنانے جا رہا ہوں یہ میرے کزن کے ساتھ پیش آیا آیئے انہی کی زبانی سنتے ہیں۔

میرے کزن تقریباً دس سال سے سیت پور میں کام کر رہے ہیں وہ سناتے ہیں کہ ایک بار میں اور میرا دوست گاڑی میں کسی دوسرے شہر جا رہے تھے رات ہو گئی میں نے اپنے دوست سے کہا اب رات بہت ہو گئی ہے اس لئے یہی کار میں سو جاتے ہیں میں کار کی پچھلی سیٹ پر لیٹ گیا اور میرا دوست اگلی سیٹ پر سو گیا میرے سامنے والے دروازے کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا جہاں ہم رکے تھے وہ ایک بہت بڑا میدان تھا وہاں دن کو بھی کوئی دور دور تک دکھائی نہیں دیتا بہر حال ہم وہیں سو گئے آدھی رات ہوئی تو ہماری گاڑی زور زور سے ہلنے لگی جیسے کہ زلزلہ آگیا ہو میری آنکھ فوراً کھل گئی

میری نظر سامنے دروازے پر پڑی جس کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا وہاں سے ایک بونا جن جھانک رہا تھا مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا کہ تم عبداللہ نام کے آدمی کو جانتے ہو تو میں نے نفی میں سر ہلا دیا اس کے ساتھ ہی وہ غائب ہو گیا میں نے فوراً دوست کو اٹھایا اور اس سے گاڑی کے ملنے کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا مجھے نہیں معلوم میں تو گہری نیند سویا ہوا تھا اس کے بعد مجھے نیند نہیں آئی اور یوں ہی بیٹھے بیٹھے صبح ہو گئی اور میں نے تمام رات آیتیں پڑھتے گزار دی اب یہ واقعہ جب بھی مجھے یاد آتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ وہ عبداللہ کے بارے میں کیوں پوچھ رہا تھا۔

قبرستان کی چڑیل

تحریر: نور محمد اسلم۔ سلانوالی

یہ کہانی جو میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں یہ میرے بھانجے کے ساتھ پیش آئی ہے۔ واقعہ میں جو سچائی جو گہرائی ہے اس کی حقیقت جاننے کے لئے چلتے ہیں ہارون رشید کے پاس۔

میرا نام ہارون رشید سرفراز ہے ویسے ہمیں کھانے پینے کا کوئی غم وفکر نہیں کیونکہ خدا کا دیا بہت کچھ ہے اسی پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں میرے ماموں چونکہ خوفناک کے ایک مشہور لکھاری بن چکے ہیں اور انہی کی وجہ سے میں یہ کہانی خوفناک کی زینت بنا رہا ہوں میری عمر تقریباً گیارہ سال ہے یہ واقعہ آج سے تین ماہ پہلے تین نومبر دو ہزار پانچ کو میرے ساتھ پیش آیا میں اکثر رات کو گھر لیٹ آتا تھا دوستوں کے ساتھ کبھی کہیں کبھی کہیں ایک دن ایک دوست کے ساتھ فلم دیکھ کر میں واپس آرہا تھا وہ اپنے گھر چلا گیا جب کہ میں اپنے گھر ہمارے گھر سے کچھ فاصلے پر ایک قبرستان آتا ہے جس میں سے گزر کر میں گھر آتا ہوں میں جب قبرستان میں سے گزر رہا تھا تو تقریباً بارہ بجے کا ٹائم تھا جب میں قبرستان میں آدھی سے آگے گیا تھا کہ ایک زوردار چیخ میرے کانوں سے ٹکرائی میں یکدم یہ چیخ سن کر بدحواس ہو گیا میرے پیچھے تھوڑی سی دور ایک کنویں سے آرہی تھی میں نے سوچا کہ شاید کہ مصیبت میں پھنس گیا ہے اس کی مدد تو کروں میں ابھی تھوڑا سا دور تھا کہ کنویں سے دھواں نکلنے لگا اور وہ ایک عورت کی شکل اختیار کر گیا جس کی بائیک سائیڈ میری طرف تھی کون ہو تم میں نے پوچھا اس نے منہ میری طرف کیا اف خدایا اتنی بدصورت شکل دانت لمبے لمبے منہ سے تازہ خون بہہ رہا تھا۔ ہاہاہا تو آج ایک نیا شکار آگیا ہے اس کی یہ بات سن کر میں نے آیت الکرسی کا ورد شروع کیا وہ چیختی ہوئی غائب ہو گئی میں نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا اور گھر کے آگے پہنچ کر زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا امی نے دروازہ کھولا

میں بھاگ کر اندر داخل ہو گیا میں بے ہوش تو نہیں ہوا جیسے دوسرے بھائی ہفتہ ہفتہ بے ہوش رہتے ہیں بلکہ میں نے ڈرتے ڈرتے ساری کہانی انہیں سنا دی دوسرے دن امی مجھے پیر صاحب کے پاس لے گئی جنہوں نے مجھے ایک تعویز دیا اور کہا کہ یہ تعویز ہمیشہ گلے میں رکھنا کوئی گندی روح تمہارا نقصان نہیں کر سکے گی اور پانچ وقت کی نماز پڑھنا اس کے بعد میں نے شام کو گھر سے نکلنا چھوڑ دیا میرا تمام دوستوں کو مشورہ ہے کہ نماز کی پابندی کریں۔

☆☆☆

خوفناک واقعات

وفادار کتا

تحریر: عدنان خالد۔ راولپنڈی

یہ واقعہ جو میں آپ کو سنانے جا رہا ہوں اس کے ہم چشم دید گواہ ہیں۔ یہ سردیوں کی ایک دو پہر تھی ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ہم لاہور سے راولپنڈی کی طرف رواں دواں تھے کہ کھانے کی غرض سے ہم نے ایک ہوٹل پر گاڑی روکی۔ میں بتا تا چلوں کہ اس سفر میں ہماری نانی بھی ہمارے ساتھ تھی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میری نانی جان چہل قدمی کی غرض سے ٹہلنے لگی۔ اچانک انہیں کسی جانور کی آواز سنائی دی جو کہ قریب ہی ایک درخت کے نیچے بیٹھے کتے کے بچے کی تھی جو کہ سردی سے کانپ رہا تھا، چونکہ وہ جانوروں سے بہت پیار کرتی تھیں انہوں نے اس کتے کے بچے کو اپنی چادر میں لپیٹا اور گاڑی میں بیٹھنے لگی جس پر ہم نے نہیں منع کیا، مگر وہ اسے چھوڑنے پر راضی نہ تھی، انہوں نے اپنی مرضی کے مطابق اس کتے کو گود میں لئے گاڑی میں بیٹھ گئیں اور ہم سب دوبارہ سفر پر روانہ ہوئے اور گھر پہنچے پر انہوں نے اس کی پرورش بچوں کی طرح شروع کر دی۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ کتا بڑا ہوتا گیا اچانک میری نانی کو بیماری نے آلیا اور وہ اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔ ان کی وفات پر وہ کتا ساری رات روتا رہا۔ جب جنازے کا وقت قریب آیا تو تو اس کتے نے اور اونچا رونا شروع کر دیا جس پر میرے ماموں نے غصے میں آ کر اسے چھڑیوں سے مارا۔ لیکن کتے کو کوئی اثر نہ ہوا جس پر میرے ماموں نے کتے کی زنجیر کھول دی کہ شاید وہ باہر جا کر خاموش ہو جائے لیکن اس کتے کی زنجیر کھلتے ہی وہ باہر جا کر ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ جونہی میری نانی جان کی میت اٹھی اور ہم سب مسجد کی طرف روانہ ہو گئے اب وہ کتا مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا تھا اسلئے وہ مسجد کے باہر بیٹھا رہا نماز ختم ہونے کے بعد ہم قبرستان کی طرف روانہ ہو گئے لیکن وہ کتا بھی ہمارے ساتھ ساتھ چلتا رہا، آخر ہم میت دفنا کر واپس آ گئے۔

تقریباً آٹھ دن بعد جب ہم قبرستان گئے تو فاتحہ کے بعد جب ہم واپس جانے لگے تو ہمیں قبرستان کے گورکن نے بتایا اس نے کہا یہ قبر کس کی ہے ہم نے کہا کہ ہماری نانی کی ہے ہمارے اصرار پر اس نے بتایا کہ میں چالیس سال سے اس قبرستان میں ہوں ایسا کبھی نہیں ہوا جو میں نے ان دنوں دیکھا، کہ ایک کتا روزانہ آ کر اس قبر پر روتا ہے اور کچھ دیر بعد واپس چلا جاتا ہے وہ کتا کس کا ہے۔" جب اس نے کتے کا حلیہ بتایا تو ہم سمجھ گئے کہ یہ ہماری نانی کا پالا ہوا کتا ہے ہم نے یہ واقعہ سب کو سنایا سب یہ سن کر حیران رہ گئے اور سب بہت پیار سے کتے کی طرف روانہ ہوئے مگر افسوس کتا بھی نانی سے جاملا تھا۔ ہمیں کتے کی وفاداری پر رشک آیا کتے کی وفاداری ہمارے لئے ایک سبق ہے۔

خوفناک چڑیل

تحریر: حاجی غلام حسین۔ ملتان

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مجھے میرے والد صاحب نے کہا کہ تھوڑا سا کام ہے اس کام کو صرف اور صرف تم ہی کر سکتے ہو اور تمہیں ایک بستی میں بھیج رہا ہوں لیکن یہ کام کر کے جلدی آنا تو میں نے کہا کہ ٹھیک ہے اور میں یہ بات کہہ کر چل پڑا اس بستی کی طرف جہاں مجھے کام تھا تھوڑا سا ہی آگے گیا تو آگے

ایک قبرستان تھا جو بہت ہی خوفناک تھا اس قبرستان میں خوفناک آوازیں آتی تھیں رات کے وقت لیکن یہ بات سوچتے ہی چلا گیا لیکن میں کچھ دیر کے بعد میں اس بستی میں پہنچ گیا جس بستی میں مجھے کام تھا اور میں اپنے انکل کے گھر گیا اور مجھے سب لوگ دیکھ کر خوش ہو گئے۔ لیکن انکل اس وقت گھر موجود نہیں تھے اور مجھے انکل کا انتظار کرتے کرتے شام ہو گئی جب شام کو انکل اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس گھر آئے تو مجھے دیکھ کر خوش ہو گئے اور سب لوگ بیٹھ گئے اور ساتھ مل کر کھانا کھایا اور میں نے انکل سے پیسے لئے اور گھر کی طرف روانہ ہونے لگا تو سب گھر والوں نے کہا حاجی تم یہیں ٹھہر جاؤ لیکن میں نے ان تمام کو اپنی مجبوری بتائی اور گھر کی طرف چل پڑا راستے میں چلتا رہا آخر کار جس چیز کا مجھے ڈر تھا وہ چیز میرے سامنے آ گئی میں نے سامنے دیکھا تو قبرستان تھا لیکن میرے ذہن میں خیال بھی نہیں تھا کہ یہ خوفناک قبرستان ہے میں قرآنی آیات پڑھنا شروع کر دیں لیکن میں چپ چاپ چلتا رہا اور قبرستان بہت ہی بڑا تھا لیکن اس قبرستان میں جو درخت تھے وہ تو بہت ہی خوفناک تھے اور رات کا وقت تھا لیکن میں بہت ہی ڈر رہا تھا اچانک میرے پیسے نیچے گرے تو میں اٹھانے لگا تو اچانک مجھے آواز سنائی دی رک جاؤ لیکن میں چپ چاپ آگے جانے لگا تو کسی کے قدموں کی ایسے آواز آئی جیسے میرے پیچھے کوئی بھاگ رہا ہو میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک خوفناک چڑیل نظر آئی اور میں حد سے بھی زیادہ ڈر گیا۔ لیکن میں نے دوبارہ پیچھے مڑ کر دیکھا تو چڑیل کے ناخن بال اور دانت وغیرہ بہت بڑے بڑے تھے اور بہت خوفناک تھے اور وہ منظر بھی بہت خوفناک تھا میں نے قرآن کی ایک آیات پڑھنا شروع کر دی اور میں بھی بھاگتا رہا اور پڑھتا رہا اور پیچھے سے دوبارہ آواز آئی آج تو تم بچ گئے لیکن دوبارہ تمہیں نہیں چھوڑوں گی اور میں نے بھاگتے بھاگتے تمام سفر گزارا جب میں گھر پہنچا تو چارپائی پر گر پڑا اور تقریباً دوسرے دن جب مجھے ہوش آیا تو تو یہ واقعہ میں نے سب کو سنایا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور خوب قرآن مجید کو پڑھا اور میں نے اپنے آپ سے وعدہ کیا کہ آئندہ ایسی جگہ نہیں جاؤں گا اور اس کے بعد میں کسی ایسی جگہ پر نہیں گیا اور جب بھی مجھے یہ واقعہ یاد آتا ہے تو بہت ہی ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

کنوئیں میں بونے

تحریر: بابا جی

یہ واقعہ جو آپ کو سنانے جا رہا ہوں میرے دادا جن کا نام میاں میر محمد ہے کے ساتھ پیش آیا ہمارا گھر جو کہ محلہ ڈھوک دلال میں واقع ہے کوئی سو ڈیڑھ سو سال پرانا ہے کنواں جب میرے دادا نے یہ جگہ خریدی یہ کنواں مٹی اینٹوں سے بند تھا محلے کے لوگ اکثر اس میں کوڑا کرکٹ پھینک جاتے تھے یہ کنواں جس جگہ پر واقع تھا وہاں ہر طرف کھیت ہی کھیت تھے میرے دادا نے سوچا کہ پہلے اس کنویں کو صاف کیا جائے اور اپنی ضرورت کے مطابق استعمال میں لایا جائے۔ میرے دادا نے چند مزدور اکٹھے کر کے کنواں صاف کرنا شروع کیا کنواں اتنا بڑا تھا کہ اس کی صفائی میں پندرہ دن لگ گئے صفائی مکمل ہونے پر پتا چلا کہ کنویں میں پانی کے آثار ن ہیں ہیں قارئین کی معلومات کے لئے بتاتا چلوں کہ کنویں کی تہہ نوے ڈگری کا زاویہ بناتی ہے تاکہ پانی آرام سے ذخیرہ کیا جا سکے اچانک مزدور نے کنویں کے اندر چلانا شروع کیا میاں جی جلدی آیئے یہاں کوئی ہے۔

میرے دادا نے فوراً نیچے کی طرف اترنا شروع کیا دیکھتے ہی وہاں ایک سوراخ ہے انہوں نے جھک کر سوراخ میں دیکھا وہاں ایک ننھی مخلوق بستی تھی میرے دادا نے ہاتھ بڑھا کر ایک بونے کو اٹھا لیا جس پر بونا چلایا مجھے چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو میرے دادا نے فوراً اسے سوراخ میں چھوڑ کر سوراخ کو اینٹ سے بند کر دیا اور کنویں میں پانی چھوڑ دیا وہ کنواں آج بھی موجود ہے اور ہم اس کا پانی استعمال کرتے ہیں۔

آخر وہ کون تھا

تحریر: الیاس مغل

یہ واقعہ جو میں آپ کو سنانے جا رہا ہوں بالکل حقیقت پر مبنی ہے یہ واقعہ میرے ماموں کے ساتھ پیش آیا آیئے ان کی ہی زبانی سنتے ہیں ان کا نام عمر حیات عظیمی ہے۔

یہ دو ہزار تین کی بات ہے میں جو ایک سلائی مشین کی دکان چلاتا ہوں وہ گرمیوں کی ایک سخت دوپہر تھی گاہک کا کوئی نام و نشان نہ تھا اتنے میں ایک شخص میری دکان میں داخل ہوا جو مجھ سے مشین کا کچھ کام کروانا چاہتا تھا میں نے اس کے ہاتھ سے مشین لی اور اپنے کام کی جگہ رکھ کر اسے چیک کرنا شروع کیا میں اپنے کام میں مصروف رہا اور وہ شخص خاموشی سے دیکھتا رہا کچھ دیر بعد مشین ٹھیک کر کے اس کے حوالے کرنے لگا تو اچانک میری نظر اس کے چہرے پر پڑی جب میں نے غور سے دیکھا تو یہ دیکھتے ہی میرے اوسان خطا ہو گئے کہ اس کے چہرے سے شیشے کی مانند پیچھے کی ہر چیز نظر آ رہی تھی میں نے اپنے ہواس پر قابو رکھتے ہوئے اسے سلام کرنے کی آفر کی وہ ہچکچایا میں نے اپنی بات مزید دوبار دہرائی اس نے صاف انکار کر دیا اور میری مزدوری دیکر چلا گیا جونہی وہ دکان سے باہر نکلا میں اس کے پیچھے ہو لیا مگر وہ شخص کہیں نظر نہ آیا آخر وہ شخص کون تھا۔

شاید نیکی کام آ گئی

تحریر: محبت خان آفریدی اینڈ راحت بلال بٹ۔ تلہ گنگ

یہ واقعہ جو میں قارئین کی نظر کر رہا ہوں حقیقت پر مبنی ہے اور امید کرتا ہوں سب قارئین کو پسند آئے گا۔ بروز جمعۃ المبارک تیرہ جنوری دو ہزار چھ میں نے اور میرے دوست منیر احمد کشمیری نے کامرہ کینٹ جانے کا پروگرام بنایا۔ پروگرام کے مطابق شام میں اور منیر احمد 129 اپ تھل ایکسپریس جو ملتان سے راولپنڈی براستہ اٹک کامرہ کینٹ جاتی ہے اس کے لئے شام تین بجے ہڈوالی سے انجرا کے لئے رخت سفر ہوئے۔ ساڑھے تین پر انجرا پہنچے کے بعد گاڑی کا پتہ کیا گاڑی کا پتہ چلا کہ گاڑی آدھا گھنٹہ لیٹ ہے۔ پونے پانچ پر آئے گی خیر ہم نے ٹکٹ خریدے لئے پانچ بجے کے قریب ٹرین آ گئی ہم ٹرین میں سوار ہو گئے اور چھ بجے جنڈ جنکشن پہنچ گئے منیر احمد چائے لینے جنڈ کی سٹال پر چلا گیا وہاں پر منیر احمد کو اس کا دوست شہزاد ظفر ملا منیر احمد شہزاد ظفر کو دیکھ کر اس کا دیوانہ ہو گیا اور اس کے ساتھ باتیں کرنے لگا کہ ٹرین چل پڑی اب منیر احمد نے شہزاد ظفر سے اجازت طلب کی اور گاڑی کی طرف بڑا منیر احمد ہاتھ سے معذور ہے وہ گاڑی پر سوار ہوتے وقت صحیح طریقے سے گاڑی کے ڈنڈے کو نہ پکڑ سکا اور اسٹیشن کے دائیں جانب گر پڑا شہزاد ظفر جلدی سے دوڑا اور میں بھی گاڑی سے اتر آیا

لیکن منیر احمد بے ہوش ہو چکا تھا شہزاد ظفر نے پانی
لے آیا منیر احمد کو ہوش آ گیا لیکن خدا کے فضل و کرم
سے اس کو چوٹ ذرا تک نہ آئی کیونکہ آنے سے پہلے
منیر احمد نے ایک ملنگ کو گھر میں کھانا کھلوایا تھا شاید
یہی نیکی منیر احمد کے کام آ گئی تھل ایکسپریس رک گئی
اور ہم سب پروگرام کینسل کر کے واپس تینوں
دوست اپنے گاؤں ہدووالی آ گئے میرا واقع لکھنے کا
مقصد یہ ہے کہ اگر آپ کے در پر کوئی سوالی آئے تو
خدارا اسکو خالی ہاتھ واپس نہ لوٹائیں کیونکہ کسی کا دل
توڑنا خدا کا دل توڑنا ہے اور شاید یہی نیکی آپ کی نئی
زندگی کا سبب بنے اپنی رائے سے ضرور نوازیئے گا۔

وہ کون تھی

عامر اینڈ عمر فاروق۔ پنڈدادنخان

قارئین یہ جو واقعہ میں پیش کر رہا ہوں یہ
بالکل سچا ہے اور یہ میرے ماموں کے ساتھ پیش آیا
تھا جو میانی میں رہتے ہیں اور ہم سہوترہ میں رہتے ہیں
یہ واقعہ دو ہزار چار جولائی کی رات کو پیش آیا تھا۔

گرمیوں کی رات تھی تقریباً گیارہ بجے کا
وقت تھا اور میرے ماموں جو کہ کھیتی باڑی کرتے تھے
میرے ماموں نے کھیتوں میں پانی لگایا ہوا تھا چاند
کی چودھویں رات تھی اور چاند کی روشنی پورے
عروج پر تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے کا پانی باقی رہ گیا تھا کہ
اچانک ایک بند ٹوٹ گیا ماموں جیسے ہی بند باندھنے
کے لئے کئی لے کر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بوڑھی
عورت ٹیوب ویل کے پاس گری پڑی تھی ان کو بڑی
حیرانگی ہوئی کہ یہ بوڑھی عورت اس وقت یہاں کیا
کر رہی ہے ماموں نے کئی کو کندے پر لٹکایا اور
بوڑھی عورت کو اٹھا کر پوچھا کہ اماں جی آپ یہاں
کیا کر رہی ہیں بوڑھی اماں نے کہا کہ بیٹا میرا شوہر
بیمار ہے اور مجھے شہر میں ایک ضروری کام تھا اس لئے
دیر ہو گئی ہے ماموں نے پوچھا کہ آپ نے کدھر جانا
ہے بوڑھی عورت نے کہا کہ مجھے فلاں ڈیرے پر جانا
ہے ماموں نے کہا کہ چلو میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں
کیونکہ وہ ڈیرہ نزدیک ہی تھا بوڑھی عورت نے کہا بیٹا
کئی کو تو نیچے رکھ دو اس کا وزن کیوں اٹھا رکھا ہے
۔ ماموں نے کہا کہ اماں جی کوئی بات نہیں آیئے
آپ کو آپ کے ڈیرے پر چھوڑ آتا ہوں بوڑھی
عورت نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح میرے
ماموں کئی کو نیچے رکھ دیں لیکن ماموں نے کئی کو
کندھے سے نہ ہٹایا۔ جب وہ ڈیرہ نزدیک آیا تو
اچانک وہ عورت غائب ہو گئی تو میرے ماموں
بڑے حیران ہوئے بوڑھی عورت کی آوازیں دینے
لگے اچانک ایک آواز آئی کہ بیٹا قسمت اچھی تھی کہ تم
نے کئی کندھے سے نیچے نہ رکھی ورنہ تم زندہ نہ بچ کر
جاتے تو ماموں کو سمجھ آئی کہ وہ بوڑھی عورت نہ تھی بلکہ
چڑیل تھی وہ بار بار کیوں کئی نیچے رکھنے کا کہتی تھی کیونکہ
جب انسان کے پاس کوئی لوہے کی چیز ہو تو چڑیلیں
اور بھوت انسان کو کچھ نہیں کہتے ہیں۔ جب ماموں
نے یہ واقعہ سنایا تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ
اگر ماموں کئی کو نیچے رکھ دیتے تو کیا ہوتا۔

ایک خوفناک واقعہ

تحریر: محمد بوٹا راہی

میرے پیارے قارئین یہ ایک بالکل سچا
واقعہ ہے اور میرے ایک دوست کے ساتھ پیش آیا
ہے پیارے قارئین آیئے یہ واقعہ میرے دوست کی
زبانی سنتے ہیں۔

یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب میں اپنے
سابقہ آفس میں رہا کرتا تھا، میرے ساتھ میرا دوست

شہباز اور دفتر کا ڈرائیور بھی رہتا تھا ایک شام کو ہمارے باس چیئر مین دفتر نے کہا کہ ایک کمپنی کا نمائندہ جو کہ ہمارے ہی دفتر میں آیا ہوا تھا اس کے گھر چھوڑنے جانا ہے ڈرائیور جس کا نام عامر تھا اس نے اپنے ایک دوست کو بابر کو ساتھ لیا اور کمپنی کے نمائندے کو ڈراپ کرنے کے لئے سفر پر رواں دواں ہوگیا، جب کہ دفتر میں صرف میں اور میرا دوست شہباز رہ گئے تھے آفس کا وقت ختم ہو چکا تھا اس لئے ہم دونوں سیر کرنے کی غرض سے دفتر سے نکل پڑے اور ہم سڑک پر موجود ایک ہوٹل کے لان میں چائے پینے کے لئے بیٹھ گئے کیونکہ ہمیں معلوم تھا کہ ڈرائیور نے اسی راستے سے واپس آنا ہے اس لئے ہم نے سوچا کہ ڈرائیور کے ساتھ واپس اپنے آفس چلے جائیں گے کافی دیر کے بعد گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی۔ جب ہم نے گاڑی کو روکا تو کیا دیکھتے ہیں کہ دو اور آدمی جنہیں ہم جانتے بھی نہیں تھے وہ گاڑی چلا رہے تھے ڈرائیور عامر اور اس کا دوست بابر بے ہوشی کے عالم میں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پڑے تھے۔ ان صاحب نے ہم سے کہا کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ ان کو ان کے گھر پہنچا دیں یہ کہہ کر وہ دونوں آدمی چلے گئے۔ ہم نے ڈرائیور عامر اور اس کے دوست بابر کی یہ حالت دیکھ کر ان سے تفصیل پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ ہم نمائندہ کو چھوڑ کر واپس آرہے تھے کہ تو ہمارے ساتھ یہ خوفناک واقعہ پیش آیا اس وقت ہماری گاڑی کی سپیڈ اسی کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی تھی کہ میں نے جب گاڑی میں لگے ہوئے آئینے کے ذر لئے گاڑی کے پچھلے کیبن میں دیکھا کہ ایک آدمی جس کا نہ ہی سر اور بدن پر کوئی کپڑا ہے بیٹھا ہوا ہے میں حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا ڈرائیور عامر نے کہا کہ میں نے اپنے دوست بابر سے کہا کہ ہماری گاڑی میں کوئی گھس آیا ہے لہذا ہمیں ذرا محتاط رہنا ہوگا پھر ابھی چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ میں نے دیکھا کہ وہ شخص ہماری گاڑی کے ساتھ لگے ہوئے جنگلے سے چمٹا ہوا ہے تھا جیسے میں اپنی گاڑی کے شیشے سے باآسانی دیکھ رہا تھا، وہ شخص مجھے بار بار گاڑی روکنے پر مجبور کر رہا تھا اس وقت میں نے کوشش کی کہ گاڑی بہت تیز چلاؤں مگر جب میں اپنی گاڑی کی رفتار تیز کرنے کی کوشش کرتا مگر گاڑی کی رفتار آہستہ آہستہ کم سے کم ہوتی جارہی تھی، پھر اسی لمحے میرے دوست بابر کی شکل میں بگاڑ پیدا ہوگیا اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں وہ منہ پھاڑ کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر مجھے اپنے سامنے سڑک پر ایک پٹرول پمپ نظر آیا میں نے اپنی گاڑی ہوش وحواس کے بغیر پٹرول پمپ کی جانب دوڑا دی پھر میری گاڑی پٹرول پمپ کی سڑھیوں سے جا ٹکرائی پٹرول پمپ والے لوگ بھاگ کر ہمارے پاس آئے جب انہوں نے ہماری حالت دیکھی تو انہوں نے ہمیں تسلی دی اور ہمیں پانی پلایا پھر میں نے ان لوگوں کو ساری صورتحال بتائی تو انہوں نے پوری طرح ہماری گاڑی چیک کی تو تب جا کر ہمارے ہوش ٹھکانے آئے اور دوبارہ اپنے سفر پر چل پڑے پیارے قارئین میں آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ اس سارے عمل میں ڈرائیور عامر کا دوست بے ہوشی کی حالت میں رہا خیر میں نے گاڑی کے دونوں شیشے چڑھا دیئے پھر تقریباً ایک کلو میٹر کا فاصلہ طے ہوگیا کہ وہ سایہ نما آدمی ہماری گاڑی کے سامنے پھر آگیا میں نے پوری سپیڈ سے گاڑی اس کی جانب بڑھا دی پھر مگر پھر اگلے ہی لمحے وہ ہماری گاڑی کے ساتھ ساتھ بھاگ رہا تھا اسی شیش و پنج میں ایک پرندہ اڑتا ہوا آیا اور ہماری گاڑی کی فرنٹ ٹائر میں ایک زوردار دھماکے سے لگا مگر دوسرے ہی لمحے وہ پرندہ گاڑی کا شیشہ توڑ کر

اندر گھس آیا در آتے ہی میری گردن سے چمٹ گیا میں نے اپنی حفاظت کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے جس کی وجہ سے گاڑی بے قابو ہو گئی اور قریبی گھر کی دیوار توڑ کر اندر داخل ہو گئی گھر کے لوگ بھاگ کر ہمارے پاس آ گئے ہم نے پھر انہیں تمام صورتحال سے آگاہ کیا تب وہ ہمارے ساتھ بیٹھ گئے اور ہم سے کہا کہ ہم آپ کو آپ کے گھر تک چھوڑ آتے ہیں ڈرائیور عامر کی بھی حالت غیر ہو جانے کی وجہ سے اس سے گاڑی نہیں چلائی جا رہی تھی اس لئے ڈرائیور عامر پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا چنانچہ اب میں نے گاڑی چلائی اور آفس کی طرف چل پڑے پھر کچھ ہی سفر طے کیا تھا کہ پھر ڈرائیور عامر کی چیخ نکل گئی کہ وہی آدمی ہمارے گاڑی کے ساتھ چلا جا رہا ہے میں نے گاڑی کی رفتار اور تیز کر دی جس کی وجہ سے شدید دھماکہ ہوا اور پھر ہماری گاڑی فرنٹ ٹائر پھٹ گیا پھر بھی میں نے گاڑی کی رفتار میں کوئی کمی نہ آنے دی اور گاڑی دفتر میں لا کر کھڑی کر دی یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ ان دونوں کی جان بچ گئی اور وہ صحیح سلامت رہے پیارے قارئین جب بھی مجھے یہ واقعہ یاد آتا ہے تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

محبت

تحریر: محمد خاقان۔ ڈھوک سیداں

میرا نام محمد خاقان سیال ہے میں آپکو کہانی سنانے جا رہا ہوں جو کہ مجھے شازیہ نے سنائی آیئے اسی کی زبانی سنتے ہیں۔

سردیوں کی ٹھنڈی برف رات تھی میں اپنے گاؤں ناڑہ جا رہی تھی میرے ساتھ میری دوست صائمہ اور کزن اولیس اور سیف بھی تھے۔ سیف ڈرائیونگ کر رہا تھا اور ہم خوش گپوں میں مصروف رواں دواں تھے گاؤں سے پندرہ منٹ پہلے ایک قبرستان آتا ہے ابھی ہماری گاڑی قبرستان سے گزر رہی تھی تو کسی نے ہماری گاڑی روکنے کے لئے اشارہ کیا وہ ایک ہمارے گاؤں کی ایک لڑکی انیلہ تھی ہم نے گاڑی روکی تو وہ اندر بیٹھ گئی اچانک انیلہ کی شکل تبدیل ہونا شروع ہو گئی اف خدایا اتنا خوفناک جلا ہوا چہرہ ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ اس نے اولیس اور سیف سے کہا کہ میں دنیا کے سب لڑکوں کو مار دوں گی جب ان کو مارنے کے لئے بڑھی تو ہم نے اس کے پیار کا واسطہ دیا تو اس نے کہا کہ اگر تم یہ بات نا کرتے میں ان کو کچا چبا جاتی۔ پھر اس نے کہا میری کہانی سننا پسند کرو گے ہم نے کہا سناؤ تو انیلہ نے اپنی داستان یوں سنانی شروع کی کہانی شروع ہوتے ہی صائمہ نے بات کاٹ دی اور انیلہ سے کہا کہ پہلے تم اپنا یہ چہرہ درست کرو اس نے چہرہ درست کیا اور آپ بیتی شروع کی۔

میرا نام انیلہ ہے میں نے ایک امیر گھرانے میں آنکھ کھولی بچپن میں میری ماں فوت ہو گئی تھی لیکن میرے باپ نے مجھے ماں کی کمی کبھی نا محسوس ہونے دی آرام آرام سے میں نے تعلیم مکمل کی اور جوانی میں قدم رکھا ایک دن میں چھت پر کھڑی تھی تو میری نظر ایک لڑکے پر پڑی پہلی نظر دیکھتے ہی پیار ہو گیا جو کہ ہمارے محلے میں کرایہ دار تھا اس کے بعد ہم روزانہ ایک دوسرے کو ملتے ایک اس نے ہی میری طرف ایک خط پھینکا جس کی تحریر یوں تھی۔

پہلی نظر میں مجھے آپ سے پیار ہو گیا میں تم سے سچا پیار کرنے لگا ہوں پلیز مجھے دھوکہ مت دینا آئی لو یو۔ فقط تمہارا یاسر۔ اس کا جواب میں نے کچھ اس طرح سے دیا،

میری جان میں بھی آپ سے بہت پیار کرتی ہوں پہلی بار کسی سے پیار کیا ہے فقط تمہاری انیلہ۔

اسی طرح ہماری ملاقاتیں ہوتی رہیں اور ساتھ ہی میرے باپ کو شادی کی فکر ہونے لگی میں نے اپنے ابو سے کہا کہ میرے بابا جی آپ نے آج تک میری کون سی خواہش پوری نہیں کی تو ابا جی نے کہا کہ بیٹا اگر تم کہو تو میں آسمان سے ستارے بھی توڑ کر لے آؤں تو میں نے کہا ابو جی میں یاسر سے پیار کرتی ہوں اور اسی سے شادی کروں گی ابو مان گئے میرے منہ سے خوشی سے نکلا اللہ ایسے باپ ہر کسی کو دے آمین۔ اور دوسرے دن میں نے یاسر سے کہا کہ اپنے والدین کو ہمارے گھر رشتے کے لئے کہو اس طرح یاسر کے والدین ہمارے گھر آئے بات پکی ہوئی اور ساتھ ہی ہماری منگنی ہوگئی پھر میں ان دنوں بہت خوش رہنے لگی لیکن ایک دن یاسر کے والدین منگنی توڑ گئے جو کہ انہوں نے یاسر ہی کے کہنے پر توڑی تھی میں بہت افسردہ ہوگئی تھی۔ میں نے یاسر سے پوچھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا تو یاسر نے کہا میری زندگی میں کوئی اور آگیا ہے مزید سوالات کیے تو یاسر نے کہا کہ آج رات ہمارے گھر کوئی نہیں ہے کچھ دیر کے لئے آنا سوالوں کے جواب دے دوں گا مرتی کیا نہ کرتی خدا خدا کر کے رات ہوئی میں یاسر کے گھر چلی گئی وہاں گئی یاسر نے اور اس کے بارہ تیرہ آوارہ دوستوں نے مجھے قتل کر دیا، قتل کرنے سے پہلے انہوں نے میرے ساتھ زبردستی کی۔ اور پھر مار کر قبرستان کے ایک کونے میں دفن کر دیا اس طرح میں انتقام پر اتری میں سب سے پہلے ایک دوست کو مارا اسی طرح میں نے نو کو مار دیا جب یاسر کو مارنے لگی تو اس نے کسی عامل کو روپیہ دے کر مجھے یہاں قید کر دیا اسی لئے میری روح یہاں بھٹک رہی ہے اور میں ہر آنے والے لڑکے کو مار دیتی ہوں لیکن اپنے پیار کا واسطہ سن کر میں نے آپ کو چھوڑ دیا یہ تھی میری آپ بیتی۔

اویس بولا میں آپ کی کوئی مدد کرسکتا ہوں تو اس نے کہا کہ میں آپ کو ایک ورد بتاتی ہوں جو کہ ایک سو بار پڑھنے سے میں آزاد ہو جاؤں گی پھر میں اپنا انتقام پورا کرسکوں گی۔ ہم سب نے وہ ورد سو بار دہرایا تو انیلہ نے کہا کہ میں آزاد ہو چکی ہوں اس نے کہا آپ ٹھہریں میں آتی ہوں پھر وہ غائب ہوگئی تھوڑی دیر بعد وہ آئی تو اس کے ساتھ چار نوجوان بھی تھے تو اس نے ان تینوں کو مار دیا یاسر کو بالکل الگ کھڑا کیا سب سے پہلے انیلا نے یاسر کا بازو کاٹ دیا پھر دوسرا بازو کاٹ دیا، ایک اور پھر دوسری ٹانگ بھی جدا کر دی یاسر نے بہت کہا مجھے معاف کر دو انیلہ نے کہا کہ تمہیں گرمی اتارنے کا بہت شوق ہے نا اتارتی ہوں تیری گرمی اس کے بعد انیلہ نے یاسر کے بقیہ دھڑ کے درمیان سے دو ٹوٹے کر دیئے اور اس کے ساتھ اس کے جسم کے اعضا اکٹھے کر کے جلا دیئے۔ انتقام کے بعد پھر آئی تو اس نے کہا کہ میرا جنازہ پڑھا دو میرے جسم کو نکال کر اسلامی طریقے سے دفن کر دو ہم نے جسم نکالا میں نے اور صائمہ نے غسل دے کر کفن پہنایا اویس حافظ قرآن ہے اس نے جنازہ پڑھایا اور دفن کر دیا دفن کرنے کے بعد انیلہ کی بعد روح ہمارے پاس آئی اور اس نے کہا کہ میری موت کی خبر میرے والد کو دے دینا۔ جب ہم نے اس کے والد کو بتایا تو وہ نیم پاگل ہو گئے آپ قارئین سے گزارش ہے کہ آپ انیلہ کے والد کے لئے دعا کریں کہ خدا تعالیٰ کی ذات ان کو صبر دے آمین۔ یہ تھی میری کاوش قیمتی رائے سے ضرور نوازیئے گا۔

کبھی خود پہ کبھی حالات پہ رونا آیا
بات نکلی تو ہر اک بات پہ رونا آیا
ہم تو سمجھے تھے کہ ہم بھول گئے ہیں ان کو
آج پھر جانے یہ کس بات پہ رونا آیا

ایم، لاہور کے نام

کیا لکھ دیا ہے میں نے کہ تم ہو گئے
لاؤ تو اک ذرا میری تحریر سامنے

رضا بلال-لاہور

خرم، راولپنڈی کے نام

رسوا کر دیا مجھے زمانے بھر میں
تیری چاہت نے یہ حال کر دیا زمانے بھر میں
اب تو خوشی پاس نہیں آتی مگر
غموں نے گھیر لیا مجھے زمانے بھر میں

وصی مغل-واہ کینٹ

کے ایس، فیصل آباد کے نام

کیا وہ زمانہ تھا کہ ہم روز ملا کرتے تھے
چپکے چپکے ایک دوسرے کے ہمراہ پھرا کرتے تھے
ہمیں دیکھ کر جو چپ چاپ گزر جاتا ہے
کبھی اس شخص سے ہم پیار کیا کرتے تھے

عطاء اللہ شاد-جڑانوالہ

عمر فاروق، اڈا جسوآنہ بنگلہ کے نام

ذرا سامان رکھ لینا میری پہلی محبت کا
تم سوچ کر کرنا میری پہلی محبت ہے
اگر جانے کی ضد ہے تو چلے جاؤ مگر سن لو چاہت
جلدی لوٹ کے آنا میری پہلی محبت ہے

رائے عیس ولی چاہت-اڈا جسوآنہ بنگلہ

ثمر پرویز بشیر گوندل، گوجرہ کے نام

کاش کوئی دوستی کا بازار ہوتا
اور اس میں دوست نیلام سر عام ہوتا
میں خریدتا تجھے اپنے آپ کو بیچ کر
پھر تجھے میری دوستی کا احساس ہوتا

قمر اعجاز ثمر گوندل-گوجرہ

AG کے نام

دیں گے وفا کا بدلہ بڑی سادگی سے ہم
تم ہم سے روٹھ جانا اور زندگی سے ہم

شعیب شیرازی-جوہر آباد

کسی دوست کے نام

ملے تھے تجھ سے تو ہم چند ساعتوں کے لئے
مگر یہ زخم دیئے تو نے مدتوں کے لئے
بچھڑ کے تجھ سے یہ محسوس ہو رہا ہے مجھے
کہ فاصلے بھی ضروری ہیں قربتوں کے لئے

محمد عمیر مظہر سنی-تبکیاں

شمسہ کنول، چک شمالی کے نام

رابطوں سے نفرتوں کے راستے کم ہو گئے
ایک ایک کر کے دلوں کے فاصلے کم ہو گئے
ترک رسم دوستی ہرگز میرا مسلک نہ تھا
اتفاقاً دوستوں سے رابطے کم ہو گئے

عصمت-چک شمالی

محمد منیر سحری، کراچی کے نام

جو دل جیت لے وہ جگر ہم بھی رکھتے ہیں
جو قتل کر جائے وہ نظر ہم بھی رکھتے ہیں
آپ سے وعدہ ہے مسکرانے کا ورنہ
آنسوؤں کا سمندر ہم بھی رکھتے ہیں

ایم فاروق-رحیم یار خان

سلیم رحمان کے نام

ملے تو ہزاروں لوگ تھے زندگی میں
تم سب سے الگ تھے جو دل میں اتر گئے

ثقلین ساجد

رائے امیر حمزہ، اڈا جسوآنہ بنگلہ کے نام

بہت نام سنا تھا بچپن میں وفا کا

جب جوان ہوئے تو روایت ہی بدل گئی
رائے عیس ولی چاہت-اڈا جسوآنہ بنگلہ

ارشد محمود فوجی کے نام

جبران نہ ہوا کر یوں میرے یاد کرنے پر
تعلق جن سے دل کا ہو وہ اکثر یاد آتے ہیں
انصر محمود عرف جانی-مندرہ

دوستوں کے نام

ساقی تجھ کو تھوڑی سی تکلیف تو ہو گی
ساغر کو ذرا تھام میں کچھ سوچ رہا ہوں
محمد وقاص احمد حیدر-سہگل آباد

ساجد، منڈی بہاؤالدین کے جنام

جنت کے محلوں میں ہو محل آپ کا
پھولوں کی وادی میں ہو شہر آپ کا
ستاروں کے آنگن میں ہو گھر آپ کا
دعا ہے میری سب سے خوبصورت ہو مقدر آپ کا
محمد افنان-رکن سٹی

ایم این، ڈی آئی خان کے نام

کتنے مجبور ہیں تقدیر کے ہاتھوں فراز
نہ اسے پانے کی اوقات رکھتے ہیں نہ کھونے کا حوصلہ
عبادت کاظمی-ڈی آئی خان

کسی اپنے کے نام

وہ چپ رہتا تھا مگر نگاہیں بولتی تھیں فراز
کچھ لوگ خاموش رہ کر بھی دل جیت لیتے ہیں
رائے عیس ولی چاہت-اڈا جسوآنہ بنگلہ

ندیم، پکستالہ کے نام

یہ صنم کے رہے نہ وصل کے رہے
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے
جسم کے اتنے ٹکڑے ہوئے
نہ کفن کے رہے نہ دفن کے رہے
محمد افنان-رکن سٹی

این کے نام

یہی تھی موت جو تجھ سے بچھڑ کر دیکھی ہم نے
زندگی تو وہی تھی جو تیری محبت میں گزار آئے
ثقلین ساجد

کے ایس، فیصل آباد کے نام

حالات غم سے جانا پگھل جاؤ گے
اک روز آتش عشق میں جل جاؤ گے
کون کسی کو سدا پلکوں پہ بٹھاتا ہے
مجھے معلوم ہے کہ کل تم بھی بدل جاؤ گے
عطاء اللہ شاد-جڑانوالہ

ایس اور آر، گجرات کے نام

میں نے تو سوچا تھا بھول جاؤں گا اسے
پر جب جب یاد وہ آیا خود کو بھول گیا
بس اس خیال سے آنسو چھپا لئے ہم نے
اداس رہ کر کسی کو اداس کیا کرنا
مریز بشیر قمر اعجاز گوندل-گوجرہ

شہزادہ بھیا کے نام

تیری قربت کے لیے، پھولوں جیسے
مگر پھولوں کی عمریں مختصر ہیں
شعیب شیرازی-جوہر آباد

صغریٰ پروین، چک شہلی کے نام

پھول اور بھی ہیں مگر گلاب جیسا کوئی نہیں
بہنیں اور بھی ہوں گی مگر آپ جیسی کوئی نہیں
عصمت رانی-چک شالی

این کے نام

ہر رات کے چاند پر ہے نور آپ سے، ہر صبح کی اوس کو ہے غرور آپ سے
ہم کہنا تو نہیں چاہتے لیکن، مر جائیں گے رہ کر دور آپ سے
یاسمین سلیم قادری-کراچی

A، پاک پتن کے نام

ہونٹ چہرے پہ اس کے یوں نظر آتے ہیں ساقی
دودھ میں رکھی ہوں جیسے دو پتیاں گلاب کی
محمد ثاقب رفیق-بنارف والہ

مجھے یہ شعر پسند ہے

بھیک میں ملی خوشی مجھے اچھی نہیں لگتی
میں اپنے ہی غم میں رہتا ہوں نوابوں کی طرح
✪............ عامر شہزاد وفا - ہری پور

تیرا پیار عمر بھر میرے ساتھ رہے گا
یہ اور بات ہے کہ میری عمر وفا نہ کرے
✪............ محمد واصف - واہ کینٹ

اپنے مطلب کے بنا کون کسی کو پوچھتا ہے ہادی
سوکھے ہوئے پتوں کو شجر بھی گرا دیتے ہیں
✪............ حماد ظفر ہادی - منڈی بہاؤالدین

مجھے اکثر ستاروں سے یہی آواز آتی ہے
کسی کے ہجر میں نیندیں گنوا کر کچھ نہیں ملتا
✪............ ابرار احمد - گگو منڈی

تیرے شہر کے لوگ بھی عجیب ہیں فراز
قتل کر کے پوچھتے ہیں جنازہ کس کا ہے
✪............ اے ڈی کنول - کھپڑو

جانے کس دربار کا چراغ ہوں میں فراز
جس کا دل چاہتا ہے جلا کے چھوڑ دیتا ہے
✪............ لعل شاہ رخ خان - کرک

بدنام ہوئے ہیں ہم شہر میں جس کی وجہ سے
اس شخص کو کبھی ہم نے جی بھر کے دیکھا بھی نہ تھا
✪............ لعل شاہ رخ خان - کرک

صندل سی مہکتی ہوئی پرکیف ہوا
جھونکا کوئی ٹکرائے تو لگتا ہے کہ تم ہو
✪............ ایم امیر عاصم ملک - میانوالی

یہ بھی اچھا ہے کہ ہم اچھے نہیں ہیں فراز
کسی کی آنکھ میں آنسو تو نہیں ہوں گے میرے مرنے کے بعد
✪............ ایم امیر عاصم ملک - میانوالی

لاکھ تو پڑھتا رہے پیار کے منتر انعام
جن کی فطرت میں ڈسنا ہو وہ ڈسا کرتے ہیں
✪............ انعام علی - جنڈ

یہ کون میرے دل میں کہتا ہے کہ میں ہوں
محسوس کروں اس کو تو لگتا ہے کہ میں ہوں
یادیں ہیں کہ رہ رہ کے سلگ اٹھتی ہیں اکثر
بادل کوئی تھم تھم کے برستا ہے کہ میں ہوں
☆............ محمد اسحاق انجم - کنگن پور

یہ کتابوں میں لکھی کوئی بات ہے
توڑنا دل کسی کا بری بات ہے
ہم ضروری ہیں اک دوسرے کے لئے
تم نہ سمجھو تو یہ دوسری بات ہے
☆............ محمد اسحاق انجم - کنگن پور

مجھے سمجھ نہیں آتا یہ پیار کا سودا ہے
ہو جائے جب یہ تو کچھ بھی نہیں رہ جاتا
✪............ لقمان حسن - ڈیرہ اسماعیل خان

وہ روز دیکھتا ہے ڈوبتے ہوئے سورج کو
کاش میں بھی کسی شام کا منظر ہوتا
✪............ لقمان حسن - ڈیرہ اسماعیل خان

میں نے تجھے چاہا تو نے چاہا کسی اور کو
خدا کرے جسے تو چاہے وہ چاہے کسی اور کو
✪............ عصمت اینڈ صغریٰ - بھلوال

آج بھی دیکھ لیا اس نے کہ میں زندہ ہوں
چھوڑ آیا ہوں اسے آج بھی حیرانی میں
✪............ محمد طیب عثمان - لاہور

نجانے زمانے والوں کو کیا عداوت ہے ہم سے
کہ جس چیز کو ہم چاہتے ہیں سب اس کے طلبگار بن جاتے ہیں
✪............ محمد عمیر مظہر سی - تبکیاں

نہیں سجدے کیئے ہم نے کبھی غیروں کی چوکھٹ پر
ہمیں جتنی ضرورت ہو خدا سے مانگ لیتے ہیں
✪............ محمد عمیر مظہر سی - تبکیاں

مجبور تھے ہم وفا اپنی جتا نہ سکے
کرتے رہے یاد دل میں زخم کسی کو بتا نہ سکے
چاہتوں کی حد سے بڑھ کر چاہا اسے
صرف اپنا دل نکال کر اسے دکھا نہ سکے

............محمد فاروق-رحیم یار خان

پھول چاہتے تھے مگر ہاتھ میں آئے پتھر
ہم نے آغوش محبت میں سلائے پتھر
ان کی راہوں میں ہم نے چاند ستارے دیکھے
اپنی راہوں میں سلگتے ہوئے پائے پتھر

............عثمان غنی-پشاور

سپنوں کی دنیا سجا رکھی ہے، محبت کی جوتی جلا رکھی ہے
میرے دل کو اب کوئی بچا نہیں سکتا، پتھر دل سے پیار کی امید جو لگا رکھی ہے

............محمد فاروق اینڈ اعجاز-کوٹ رادھا کشن

ہمارے جاگنے سے تنگ ہو تو سو جاتے ہیں ساقی
کل اگر آنکھ نہ کھلے تو مجھ کو معاف کر دینا

............افضال عباسی-راولپنڈی

دل جو ٹوٹے گا تو فریاد کرو گے تم
ہم نہ ہوں گے تو یاد کرو گے تم

............عبادت کاظمی-ڈیرہ اسماعیل خان

ہم نہ سمجھے تیری نظروں کا تقاضا فراز
تو نے حسن کے پہرے پہ دربان بٹھا رکھا ہے

............عدنان خان-ڈی آئی خان

زرخیز زمین بنجر نہیں ہوتی
دریا ہی بدل لیتے ہیں رستہ اسے کہنا

............وسیم اکرم-چکوال

عجب لطف آ رہا تھا دلدار کی دل لگی کا
کہ نظریں بھی مجھ پر تھیں اور پردہ بھی مجھ سے تھا

............افضال عباسی-راولپنڈی

دل فرسودہ میں پھر دھڑکنوں کا شور اٹھا
یہ بیٹھے بیٹھے مجھے کن دنوں کی یاد آئی

............افضال عباسی-راولپنڈی

آیا ہوں تیرے باغ میں پانی پلا مجھے
پیاسا ہوں تیرے پیار کا ہونٹوں سے لگا مجھے

............وحید علی عبدالحمید-مانانوالہ

اپن کو کون سا جام پلا دیا
اپن کا تو سارا سنسار ہلا دیا

............وحید علی عبدالحمید-مانانوالہ

کیا موسم ہے کہ پتے بھی نہیں شاخوں پر
آج تو پھول سے خوشبو بھی جدا لگتی ہے

............عدنان خان-ڈی آئی خان

کب تک ترسوں اس کی یاد میں اے خدا
اک ماں ہی دی تھی سچا پیار کرنے والی وہ بھی چھین لی

............شہزاد خالق-کلر سیداں

زندگی کا ادھوراپن اس سے زیادہ کیا ہو گا شہزاد
جس انسان کے لئے ماں کی دعاؤں کی صدا نہ رہے

............شہزاد خالق-کلر سیداں

دل تو چاہتا ہے کہ ہر بار آپ کو انمول خزانہ بھیجوں ساحل
مگر میری جھولی میں دعاؤں کے سوا کچھ بھی نہیں

............محمد منیر سحری-کراچی

ایک چھوٹی سی غلطی پر وہ مجھے چھوڑ گیا فراز
جیسے صدیوں سے میری غلطی کی تلاش میں تھا

............ایم اے عمر-کھوئی رٹہ

یہ جوانی کی آوارگی اچھی نہیں ہے عمر
چلو گھر کو چلتے ہیں کہ شہر سارا سو گیا ہے

............ایم اے عمر-کھوئی رٹہ

نہیں حال ہمارا تمہارے حال سے الگ
تم فرصتوں میں یاد کرتے ہو ہمیں تمہاری یاد سے فرصت نہیں

............محمد نعمان-لاہور

دیوانہ ہوں میں اس کا وہ جانتی ہے
مگر ہر بار وہ کوئی نہ کوئی خنجر ضرور چلاتی ہے

............امانت حسین جنجوعہ-میرپور، آزاد کشمیر

خدا عروج تجھے اس قدر نصیب کرے
کہ تیرے نام کے آگے میرا نام آئے

............محمد واصف-واہ کینٹ

یہ دنیا عجب اک میلہ ہے
اس میلے میں میرا دل اکیلا ہے

............امانت علی حسین جنجوعہ-میرپور آزاد کشمیر

مت کر آسمانوں کو چھونے کی حسرت اسد
وقت انسان سے زمین بھی چھین لیا کرتا ہے

............اسد شہزاد-گوجرہ

کسی نے ملنے کا وعدہ کیا تھا تنہا شام کو بادل
ہر روز ترستے سو جاتے ہیں اگلی شام کے انتظار میں

............حماد ظفر بادی-منڈی بہاؤالدین

رو رو کر اس نے کہا مجھے تم سے نفرت ہے منیر
اگر نفرت ہی تھی تو پھر وہ اتنا رویا کیوں

............محمد منیر سحری-کراچی

وہ تو وہ ہے تمہیں ہو جائے گی الفت مجھ سے
تم اک نظر میرا ذوقِ دید تو دیکھو

✪............ ہانیہ-ملتان

بدلتے موسم پہ اپنی امیدیں نہ رکھو فراز
دن بہاروں کے بڑے مختصر ہوا کرتے ہیں

✪............ مزمل عارف-مندرہ

کتنا خوف ہوتا ہے رات کے اندھیروں میں فراز
پوچھو ان پرندوں سے جن کے گھر نہیں ہوتے

✪............ مزمل عارف-مندرہ

نفرت کی آگ نے جلا دیا تم جیسے حسینوں کو
اک بھیڑ سی لگی ہے کفن کی دکان پر

✪............ جنید سیف-ڈگری

چلے آئے ہیں آنکھوں میں تیرا عکس پا کر
یہ آنسو آج پھر کوئی تماشا چاہتے ہیں

✪............ جنید سیف-ڈگری

کتنی دلکش ہے خاموشی ان کی
ہماری باتیں فضول ہوں جیسے

✪............ شعیب شیرازی-جوہرآباد

جان ان پہ فدا کی ہے یہی پیار کا حق تھا
لوٹا دیا ہمیں نے کہ جو حقدار کا حق تھا

✪............ محمد فاروق-رحیم یار خان

ہماری تڑپ تو کچھ بھی نہیں ابرار
سنا ہے آئینہ بھی ترستا ہے اس کے دیدار کو

✪............ ابرار احمد-گنگومنڈی

ہم جتنا آج اسے چاہتے ہیں کل بھی اتنا ہی چاہیں گے
وہ تو پاگل ہے روز روٹھ جاتا ہے مجھے آزمانے کے لئے

✪............ مبارک حسین آرائیں-محراب پور

مجھ سے وہ اکثر ایک ہی سوال کرتی ہے تم مجھے اتنا پیار کیوں کرتے ہو
کوئی اسے جا کر بتا دے زندگی کس کو پیاری ہے

✪............ رفاقت علی-بھاگ نگر

محبتوں میں حسب نسب نہیں ہوتا
حوصلہ تجھ میں نہ تھا مجھ سے جدا ہونے کا

✪............ محمد اسحاق انجم-کنگن پور

کہاں تلاش کرو گے تم مجھ جیسے شخص کو
جو اپنی یاد سے زیادہ تجھے یاد کرتا ہے

✪............ مبارک حسین-محراب پور

اشارہ تو مدد کا کر رہا تھا ڈوبنے والا اسد
مگر یاران ساحل نے سلام سے الوداع سمجھا

✪............ اسد شہزاد-گوجرہ

شرطِ محبت یہ نہیں کہ ہر وقت اس کا تقاضا کیا جائے
جن سے ہوتی ہے محبت وہ لوگ دل کی خاموش دھڑکنوں میں بستے ہیں

✪............ محمد عمران پرنس-حاصل پور

ٹوٹ نہ جائے بھرم ہونٹ ہلاؤں کیسے
حال جیسا بھی ہے تم کو سناؤں کیسے
پھول ہوتا تو تیرے در پر سجا بھی رہتا
زخم لے کر تیری دہلیز پر آؤں کیسے

✪............ مدثر سعید تبسم-مازی گاؤں

اب تو اشکوں کے ستارے بھی نہیں پلکوں پر
کن چراغوں کو جلائیں گے سحر ہونے تک

✪............ شاہد حسین قادری-پشاور

جذبات محبت چھپ نہ سکے جب غیب سے ہم نے کام لیا
میری آنکھوں میں آنسو آ گئے جب تیرا کسی نے نام لیا

✪............ اے ایچ-مانانوالہ

درختوں کے پتے گرتے ہیں سوکھ جانے کے بعد
کون کسی کو یاد کرتا ہے بچھڑ جانے کے بعد

✪............ اسد علی-مانانوالہ

پھولوں سے کیا دوستی کرنی وہ تو پل بھر میں مرجھا جاتے ہیں
دوستی کرو تو کانٹوں سے جو چبھنے کے بعد بھی یاد آتے ہیں

✪............ وحید علی-مانانوالہ

مانا کہ میں غریب ہوں، یہ بات سچ تو ہے لیکن
تو اگر اپنی محبت کے قابل سمجھے تو تیرا ہر غم خرید سکتی ہوں

✪............ فرزانہ یاسمین-کلورکوٹ

محبت کر سکتے ہو خدا سے کرو فراز
مٹی کے کھلونوں سے کبھی وفا نہیں ملتی

✪............ عبدالخالق آرائیں-پاک پتن

چھوٹی سی بات پر کوئی شکوہ نہ کرنا
جب کوئی بھول ہو جائے تو معاف کرنا
ناراض تب ہونا جب ہم دوستی توڑ دیں گے
کیونکہ ایسا تب ہو گا جب ہم دنیا چھوڑ دیں گے

✪............ محمد فاروق-رحیم یار خان

آپ کے پیار کی ایک نظر چاہئے
دل ہے بے گھر اسے ایک گھر چاہئے

بس یونہی دیکھ کر مسکراتی رہو
یہ سہارا مجھے عمر بھر چاہئے
✪........ ابراراحمد-گگومنڈی

ہم نے چرچا تو بہت سنا تھا اس کی سخاوت کا مبارک
یہ کب معلوم تھا کہ وہ درد بھی دل کھول کر دیتا ہے
✪........ مبارک حسین آرائیں

میرے سجدوں کے تسلسل کو تو کیا جانے اے میرے دوست
سر جھکایا تو تیری خوشی مانگی، ہاتھ اٹھایا تو تیری زندگی مانگی
✪........ مبارک حسین آرائیں

اے دل تو تنہائیوں می رہنے کا عادی ہو جا
جنہیں تو یاد کرتا ہے وہ بہت مصروف رہتے ہیں
✪........ ہانیہ-ملتان

آنکھوں میں جو تحریریں تھیں ہونٹوں پہ وہ بول نہ تھے
ہم تھے تیرے پیار کے عاشق ہاتھوں میں کشکول نہ تھا
ہم نے تم کو ٹوٹ کے چاہا یہ تو تمہارا حق تھا لیکن
تم بھی ہم کو ٹوٹ کے چاہتے ہم اتنے انمول نہ تھے
✪........ شعیب شیراز-جوہرآباد

اُس کے ہاتھوں پہ اپنا نام دیکھا تو بہت خوش ہوا ساحل
یہ دیکھ کر وہ معصوم سے لہجے میں بولا، تیرے ہم نام اور بھی ہیں
✪........ رئیس صدام حسین ساحل-سٹی خان بیلہ

اب اور کیا کسی سے مراسم بڑھائیں ہم
یہ بھی بہت ہے تجھ کو بھول جائیں ہم
✪........ اسد شہزاد-گوجرہ

جاتی تاخیر سے نہ مل کہ ہمیں صبر آ جائے
اور ہم بھی تجھ سے نظر چرانے لگ جائیں
✪........ اسد شہزاد-گوجرہ

سب مجھے ہی کہتے ہیں کہ تو اسے بھول جا صدام
کوئی اسے یہ کیوں نہیں کہتا کہ وہ مجھے یاد نہ آیا کرے
✪........ رئیس صدام حسین ساحل-سٹی خان بیلہ

اتنی شدت سے وہ شخص میری رگوں میں اتر گیا اسد
کہ اُسے بھول جانے کے لئے مجھے مرنا ہو گا
✪........ اسد شہزاد-گوجرہ

نہیں ہے مقدر میں وہ پھر بھی اس سے پیار کرتے ہیں
اچھا لگتا ہے اپنے مقدر کو سزا دینے میں
✪........ ایم عمر-کھوئی رٹہ

مجھ میں عیب ہزار ہوں گے مگر ایک خوبی بھی ہے ہادی
ہم جس کو تھام لیں اس کو چھوڑا نہیں کرتے
✪........ حماد ظفر ہادی-منڈی بہاؤالدین

احساس تیرا ہم نے تیرے بعد بھی رکھا
بھولا بھی تجھے اور یاد بھی تجھے ہی رکھا
اوجھل بھی کیا تجھے اپنی نگاہ سے
خوابوں کی دنیا میں آباد بھی رکھا
✪........ حماد ظفر ہادی-گوجرہ

وہ مجھے ٹوٹ کر چاہے گا اور بھول جائے گا ساغر
مجھے خبر نہ تھی اسے یہ ہنر بھی آتا ہے
✪........ ایم اے عمر-کھوئی رٹہ

دل کا بھی ہوتا ہے کبھی بچوں کا سا عالم
ہو زہر بھی خوش رنگ تو پینے کو مچل جائے
✪........ ایم اے عمر-کھوئی رٹہ

یہ رنجشیں تو محبت کے پھول ہیں اسد
تعلقات کو اس بات پر گنوا بھی نہ دے
سوال یہ ہے تمہاری رفاقتیں بھی رہیں
اکیلے کیسے رہیں ہم تمہارے ہوتے ہوئے
✪........ اسد شہزاد-گوجرہ

دل سے ہر پل چاہت کی صدا آتی ہے
یاد مجھ کو اس کی ہر ک ادا آتی ہے
قربان ہو جائے میری دوستی اس کی خوشیوں پر
پھر یقین ہو اسے کہ ہم کو بھی وفا آتی ہے
✪........ اسد شہزاد-گوجرہ

بہت ستایا ہے کسی کی بے بس یادوں نے
اے رات اب تو گزر جا کہ اور رویا نہیں جاتا
✪........ نعمان حسن-ڈی آئی خان

کچھ حادثوں سے گر گئے زمین پر اجنبی
ہم رشک آسماں تھے ابھی کل کی بات ہے
✪........ محمد عمیر مظہر [illegible]

اسے کہو کہ اپنی مصروفیات کم کر دے ہادی
سنا ہے بچھڑنے والوں کا یہ پہلا بہانہ ہوتا ہے
✪........ حماد ظفر ہادی-ملک وال

ابھی کچھ دیر نگاہوں میں پیاس رہنے دو
دل اس کے پاس ہے تو اس کے پاس رہنے دو
✪........ بانو-گوجرانوالہ

✪

☆........ عبداللہ-تربیلہ ڈیم

یہاں روکا نہ کرو تم، یہ گوارا نہیں سحر مجھے
جب مدہوش ہوتا ہوں میں اکثر شام کے بعد

●........ باہر علی سحر-سمندری

دعائے بد نہیں دیتا فقط اتنا ہی کہتا ہوں
جس پہ تیرا دل آئے وہ تجھ سا بے وفا نکلے

☆........ شاہد نواز-گوجرہ

دوستی کرنا اتنا آسان ہے جیسے مٹی پر مٹی سے لکھنا
لیکن دوستی نبھانا اتنا مشکل ہے جیسے پانی پر پانی سے پانی لکھنا

●........ تصور اقبال پردیسی-گوجرہ

بنا لو اسے اپنا جو تمہیں چاہتا ہے تصور
خدا کی قسم بڑی مشکل سے ملا کرتے ہیں یہ شدت سے چاہنے والے

●........ تصور اقبال پردیسی-گوجرہ

مانگا ہے رب سے تجھے ہم نے التجا کر کے
اب دور نہ جانا کبھی مجھے تنہا کر کے
تجھ سے وابستہ ہے اب زندگی اپنی
جا بیٹھیں گے ہم تجھے محبت کی انتہا کر کے

●........ شوکت رشید خیالی

اسے محبت میں دھوکا ہم بھی دے سکتے تھے لیکن
رگوں میں دوڑتی وفا بغاوت نہیں کرتی

●........ طراب حسین کھیتران-لاڑکانہ

آج کل کے پھولوں سے کانٹے ہی اچھے ہیں احسان
جو خوشبو نہیں دیتے مگر دامن پکڑ لیتے ہیں

●........ احسان سحر-میانوالی

کبھی جو بچھڑنا چاہو تو یہ سوچ لینا احسان
میری سانسوں کو تم بن چلنا نہیں آتا

●........ احسان سحر-میانوالی

اب گہری نیند سے جاگو دوستو
اپنے دیس کی شان بچاؤ دوستو

●........ بہادر دعا ربانی-گھوٹکی

ابھی غم طفل مکتب ہو سنبھالو اپنی ملت کو
یہ طوطے کچے پھلوں کا بڑا نقصان کرتے ہیں

●........ احمد فراز کلیم

ہزاروں غم میرے سینے میں پڑے ہیں مگر
ہم نے ہر حال میں ہنسنے کی قسم کھائی ہے

.... قیصر عباس کاوش

ساحل کی گیلی ریت پہ لکھا تھا
لہروں نے چوم چوم کے لئے مٹا دیا

●........ فوزیہ ناز

گھر بنا کے وہ میرے دل میں چھوڑ لیا فراز
نہ خود رہتا ہے نہ کسی اور کو بسنے دیتا ہے

●........ حاجرہ غفور-لیہ

ہم باوفا تھے اس لئے نظروں سے گر گئے
شاید تمہیں تلاش کسی بے وفا کی تھی

●........ محمد وقاص احمد چوہدری-سہنگل آباد

عجیب لوگوں کا بسیرا ہے تیرے شہر میں کاوش
ادا میں مٹ جاتے ہیں مگر محبت نہیں کرتے

●........ محمد وقاص احمد چوہدری-سہنگل آباد

کانٹوں پہ پھول ہوتے ہیں
پھولوں کے کچھ اصول ہوتے ہیں
وہ لوگ کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں
جن کے تحفے قبول ہوتے ہیں

●........ عمر علی-ٹمن ایبٹ آباد

آؤ اک سجدہ کریں عالم مدہوشی میں
لوگ کہتے ہیں ساغر کو خدا یاد نہیں

ساغر صدیقی........ مہر محمد احسن نذیر-بھولیر باجواہ، پسرور

مہندی رنگ دیتی ہے سوکھ جانے کے بعد
کون کسی کو یاد کرتا ہے دور جانے کے بعد

●........ ملک عمر علی صواتی-ایبٹ آباد

بنا لو اسے اپنا جو تمہیں چاہتا ہو فراز
خدا کی قسم بڑی مشکل سے ملا کرتے ہیں یہ چاہنے والے

●........ آنسہ کنول-سہنگل آباد

پھول پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پہ کلام نرم و نازک بے اثر

علامہ اقبال........ مہر محمد عرفان نذیر-بھولیر باجواہ، پسرور

یا مسیحائی اسے بھول گئی ہے محسن
یا پھر ایسا ہے میرا زخم ہی گہرا ہو گا

●........ آنسہ کنول-سہنگل آباد

چاہے ساری دنیا روٹھ جائے پرواہ نہیں وصی
اک تیرے روٹھ جانے سے جان جاتی ہے

●........ ہانیہ گوہر-ملتان